الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح

تمام سلسلوں کے اہم بزرگوں کے مستند حالات

اردو ترجمہ مع مقدمہ و اضافہ

جناب مولانا مولوی شاہ معین الحمید صاحب علوی
کاکوروی مدظلہ العالی

میں اپنی اس کاوش کو بصد ادب و نیاز معنون کرتا ہوں

خوشہ چینِ گلشنِ مرتضوی مہرِ سپہرِ انوری سمیِّ حیدرِ الصفدر

خداوند نعمت حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر

نَوَّرَ اللہُ ضَرِیحَہُ الْاَطْہَر کی روحِ مبارکہ کے نام

اے کہ ترا ہمی سزد جلوۂ نو بہ ہر طرف
رُخ بہ منِ خراب کُن ساغرِ بادہ بہ کف

فہرست مضامین

سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ

سلسلۂ عالیہ چشتیہ

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ

سلسلۂ طیفوریہ

سلسلۂ فردوسیہ

سلسلۂ مداریہ

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

اَلعِشقُ ھُوَاللّٰہ ٥

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ٥

عشق خواہد عاشقاں را سر بہ کف   عشق باشد ہر زماں تیغے بہ کف
عشق جوید قلب بریاں ہر قدم   عشق بیند چشم گریاں دم بدم
عشق چوں شہباز آید بے گماں   عشق گیرد صد شکار از یک کماں
عشق تابد بر زمین و آسماں   عشق نازد بر قلوبِ عاشقاں
عشق بگرفت این جہان و آن جہاں   عشق خیمہ زد بہ ملکِ لامکاں
عشق آرد لامکاں را در مکاں   عشق گفتہ روزِ اول کن فکاں
عشق نور و عشق نار و عشق پاک   عشق آب و عشق باد و عشق خاک
کیست عاشق چیست عشقِ ذوالجلال
این بیاں را نیست طاقت نے مجال [۱]

---

[۱] عشق و معرفت کے یہ لبریز جام مولوی حافظ تقی انور علوی سلمہٗ عرف شکیل میاں خلفِ رشید حضرت خداوند نعمت مولٰنا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی کے ہیں۔ شکیل از سر تا پا شکیل ہیں جن کی زندگی کا ہر نفس شاہد ہے حضرت حافظ شیرازی کے اس شعر کا ؂

خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند   کیمیائیست عجب بندگیِ پیرِ مغاں

(پیرِ مغاں کی غلامی عجب کیمیا ہے، میں اس کے قدموں کی خاک بن گیا اور کتنے ہی درجات مجھے عطا ہوئے)

ان اشعار کی تشریح کے لیے تو دفتر درکار ہیں لیکن ہم ناظرین کے ذوق کے لیے اشعار کا اردو ترجمہ

جلوؤں کے اژدہام نے حیراں بنا دیا　　میں کامیابِ دید بھی محرومِ دید بھی

(اصغر گونڈوی)

کبھی "وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ" کہہ کر آتشِ شوق کو اس قدر بھڑکا دے کہ طالب کا رویاں رویاں کہہ اٹھے ع

سوخت بے وجہہ تماشا را بہ بیں

اور کبھی "لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ" کے ذریعہ عاشقانِ شوریدہ سر سے

رَأَيْتُ رَبِّىْ بِعَيْنِ رَبِّىْ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ اَنْتَ

کے نغمہائے وجد آگیں سنائے۔ کبھی "يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ" کے دلنواز نغمے ربابِ فطرت پر گائے تو کبھی "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" کی آیتِ مستانہ کے ذریعہ حُب اور ایمان کو لازم و ملزوم ٹھہرائے۔ کبھی "اَللّٰهُ جَمِيْلٌ" فرما کر طالبین کے دل و زبان سے

بہ بازارِ حسنش بہائے ندارد　　متاعِ دلِ پاکِ عشاقِ مسکیں

کا ورد کرائے تو کبھی "وَيُحِبُّ الْجَمَالَ" کے نعرۂ محبوبیت سے خود کو رندِ سبوکش کہلائے۔ کبھی "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کے الوہی فرمان سے بندوں سے جبینِ نیاز خم کرائے تو کبھی "وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ" [۱]

---

[۱] اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الخ یقیناً ہم نے امانت پیش کی آسمانوں اور زمین کو لیکن وہ اس بارِ گراں کو اُٹھانے کے متحمل نہ ہو سکے اور انسان نے اُن کو اٹھایا یقیناً وہ 'ظلوم وجہول' ہے۔ آیۂ کریمہ سے بخوبی واضح ہے کہ وہ امانت اسرار و حکمِ الٰہی ہیں جن کے اٹھانے کے روادار کون و مکاں نہ ہوئے لیکن انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم جو باعثِ تخلیق عالم و آدم تھا وہ چونکہ ظلوم وجہول تھا یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور حق تعالیٰ کی ذات کے سوا ماسوا سے یکسر ناواقف و غافل چنانچہ ارشاد باری ہے "میں آسمانوں اور زمین میں نہیں سما سکتا لیکن قلبِ مومن مجھے پوری طرح سمو لینے کی صلاحیت رکھتا ہے"

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے　　کون و مکاں کہاں تری وسعت کو پا سکے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اُس سراپا ناز کو کیا کہیے جو معشوق ازلی کی پوشاک میں خود کو نہاں کیے ہوئے سو سو جتن کرے۔ کبھی عاشقوں کے ہر ہر بُن مُو سے رَبِّ اَرِنِیْ[1] کی تکرار کرائے تو کبھی کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً[2]

پیش کر رہے ہیں گو کہ اشعار کا ترجمہ کرنا مذاقِ شعری کے خلاف ہے تاہم اردو داں حضرات کیوں اس معرفت کا مزہ نہ چکھیں۔

(ترجمہ) حضرت عشق چاہتے ہیں کہ عاشق ہمہ دم سر بکف رہیں۔ عشق کے ہاتھوں میں ہر وقت تلوار رہتی ہے۔ عشق ہر ہر قدم پر اُس قلب کو تلاش کرتا ہے جو یادِ محبوب میں جھلسا ہوا ہو۔ عشق ہر وقت یادِ محبوب میں آنکھوں کو روتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ عشق شہباز کی طرح اچانک نمودار ہوتا ہے۔ عشق ایک ہی کمان سے سو سو شکار کر لیتا ہے۔ عشق زمین و آسمان دونوں ہی کی چمک دمک کا سبب ہے۔ عشق ناز کرتا ہے اُن دلوں پر جو ہر وقت عشقِ محبوب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ عشق کے قبضہ میں دونوں جہان ہیں۔ عشق کا خیمہ اُس ملک میں ہے جو لامکاں ہے۔ عشق ہی لامکاں کو مکاں کی سیر کراتا ہے۔ عشق وہ ہے جس نے روزِ ازل ہی ایک "کُنْ" سے ساری کائنات جلوہ گر کردی۔ عشق نور بھی ہے نار بھی۔ عشق پاک بھی ہے خاک بھی، عشق آب بھی ہے باد بھی۔ عاشق آخر کون ہے؟ ذوالجلال والاکرام کا عشق آخر کیا چیز ہے۔ اِسے بیان کی نہ طاقت ہے نہ ہی مجال۔

[1] رَبِّ اَرِنِیْ قولِ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ السلام (اے میرے رب مجھے اپنے دیدار کا شرف بخش) ایک ایسے عاشقِ شوریدہ سر کی طلب جو غیب کی غیبوبیت سے آشنا کر شہود کی وادیوں کی سیر کرنا چاہتا ہے لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے "لَنْ تَرَانِیْ" یعنی اے موسیٰ تم کو تابِ نظارہ ہی کہاں؟ اگر اپنے کو دیدار کا اہل سمجھتے ہو تو ذرا اس پہاڑ کی طرف نظر ڈال کر دیکھو جس پر تمہارے پروردگار کی ادنیٰ سی تجلی ہوئی ہے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور حضرتِ موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں ؎

جلالِ حسن نے محوِ جمالِ یار کیا　　جلایا طور کو موسیٰ کو بیقرار کیا

(آفق موہانی)

اور یہ موسیٰ کے جمالِ یار کی طرف محو ہونے کا ہی فیض تھا جس نے موسیٰ کو "کلیم اللہ" کا شرف بخش دیا اور یہ سب اسی جمالِ دل افروز کی نظرِ فیض اثر کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے جس کے لیے ارشادِ باری ہے کُنْ مُحَمَّدًا ...

کی ادائے دلبری سے عاشقوں کے ہوش اُڑائے۔ کبھی "لَن تَرَانِی" کی آتشِ سوزاں سے طالبوں کے دل جلائے تو کبھی فاحببتُ ان اُعرفُ کی مدھر تانوں سے دیوانوں سے زبانِ حال سے کہلوائے ؎

جب موسیٰؑ جلالِ احدیت سے جمالِ احمدیت کی طرف متوجہ ہوئے تبھی "وَ اَلقَیتُ عَلَیکَ مَحَبَّةً مِّنِّی وَ لِتُصنَعَ عَلٰی عَینِی" (میں نے تمھارے قلب میں اپنی محبت سمودی تاکہ تم کو عینیت حاصل ہو جائے) کی خلعت فاخرہ پہننے کو ملی۔ ہزاروں صلوٰۃ و سلام اُس ذاتِ قدسی صفات پر جس کی ذاتِ گرامی تمام انبیا علیہم السلام کے لیے معدنِ فیوض و برکات ہے ؎

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۲ے کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا مجھے اس کی چاہت ہوئی کہ پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ ہستی محمدی کوئی غیر نہیں کہ عدم سے وجود میں آئے بلکہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے ہی نور سے مخاطب ہو کر فرمایا "کُن مُحَمَّدًا" اور اس کے بعد جب ؎

محمدؐ بشانِ معلّٰی برآمد　　　بنورِ تجلی مجلّٰی برآمد

تو وَ اَشرَقَتِ الاَرضُ بِنُورِ رَبِّهَا (یعنی تمام زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھی) فرما کر کائنات کو اُجالے اور تابانیوں کا مرکز بنا کر تاریکی کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا۔ حق تعالیٰ کو جب حبِ ظہور ہوئی تو اس نے آئینۂ جمالِ محمدی بنا کر اپنے حُسنِ جاوداں کو اُس آئینہ میں دیکھا۔ دیکھ کر کبھی "سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی" کا نعرہ بلند کرایا تو کبھی "سُبحَانَ اللّٰهِ وَالحَمدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَکبَر" کے ذریعہ اپنی ربوبیت تامہ کو عام کیا۔ یہ آئینہ جس میں جمالِ یار کی تابانیاں رقص کر رہی ہیں مظہر ہے ع آئینہ میں دیکھ رخ آئینہ ساز کی

ارشاد باری تعالیٰ "اَللّٰهُ جَمِیلٌ" اس کا ثبوت کیسے فراہم ہو "وَ یُحِبُّ الجَمَالَ" سے بخوبی عیاں ہے کہ حق تعالیٰ آئینہ رسالت کو خلق فرما کر اپنا حسن و جمال اُس آئینہ میں دیکھ کر والہ و شیدا ہو جاتا ہے۔ تبھی ارشاد فرماتا ہے اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک شیشہ کی ہے جس میں شمع فروزاں ہو ؎

اے دوست مبارک ہو یہ حسن خود آرائی　　　آئینہ پہ نظریں ہیں نظروں میں ہے آئینہ

کی خلعتِ فاخرہ اپنے عاشقِ ازلی کو پہنائے۔ تو کبھی " وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ " کے دلکش نغمے اپنے حبیبؐ کو سنائے تو کبھی آقائے دو جہاں سرورِ کائنات منبعِ فیوض و برکات صاحبِ لولاک احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی خاکِ پا کے طفیل " وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ " کی نوید جانفزا سے مومنین کو سربلند فرماتے ہوئے اُن سے زبانِ حال سے کہلوائے ؎

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ　　لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقْنِیْ صَلَاحًا

(مجھ کو نیکوں سے محبت ہے گو کہ میں خود اُن میں سے نہیں ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔)

کبھی " لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا " کے اقرار سے قربِ محمدی کو شانِ عبودیت کا کمال فرمایا تو کبھی

ا؎ وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ (اللہ اور اس کا رسولؐ تمہارے اعمال دیکھ رہے ہیں) اللہ تبارک و تعالیٰ یہ فرما کر تمام مومنین کو یہ نویدِ جانفزا دے رہا ہے گو کہ علمِ غیب سوا پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا مگر مطابق آیۂ کریمہ وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ہمارے آقا و مولا اعمالِ امت پر ہمہ وقت نظر رکھنے والے ہیں چنانچہ محدثین اور عارفین فرماتے ہیں کہ حضور انورؐ اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور نافرمانیوں پر آزردہ۔ سبحان اللہ! کیا مقامِ عُلیا ہے ہمارے آقا و مولا کا کہ وہ غیب الغیوب جس کی ذاتِ مخفی تک مرغِ تخیل کی رسائی بھی محال ہے وہ اس طرح حضورؐ کے سامنے جلوہ گر کہ فرمانِ رسالت ہے۔" میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کیا۔" اللہ کی رحمتیں نازل ہوں مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ پر کیا خوب فرماتے ہیں ؎

اور کوئی غیب تمؐ سے نہاں کیا ہو بھلا　　جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

۲؎ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الخ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا ایک رات تاکہ وہ ہماری نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ سلطان المحبوبین حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر رضی اللہ عنہ اپنی تصنیفِ لاجواب " الشرف المبین فی ذکر معراج سید المرسلینؐ " میں فرماتے ہیں:

"اُدْنُ مِنِّیْ" کی صدائے مستانہ سے حبیب اور محب کے درمیان سارے حجابات اُٹھ جانے کو حق الیقین بنائے۔ طالب و مطلوب کا فرق مٹائے من و تو کے جھگڑے چکائے اور تصدیقِ رسالت کو عینِ توحید ٹھہرائے۔

"پھر حضرتِ ربّ العزت سے خطاب ہوا اُدْنُ مِنِّی (یعنی اے میرے محبوب میرے اور قریب آجائیے) آخر وہاں سے ترقی کر کے مرتبۂ دنٰی پر پہنچا اور وہاں سے درجۂ فَتَدَلّٰی پر اور وہاں خلوتکدۂ فکان قاب قوسین او ادنٰی میں باریاب ہو کر محرمِ اسرارِ الٰہی فاوحیٰ اِلٰی عبدہٖ ما اَوْحیٰ ہوا۔

سیمرغ روحِ ہیچکس از انبیا نہ رفت ۔۔۔ آنجا کہ تو بہ بالِ کرامت پریدۂ

ہر یک بہ قدرِ خویش بجائے رسیدہ است ۔۔۔ آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

نہ وہاں پردہ تھا نہ حجاب، نہ زمان نہ مکان نہ فرشتہ نہ انسان نہ تحت نہ فوق نہ شمال نہ جنوب۔ پروردگار کو آنکھ سے دیکھا اور اس کا کلام بے واسطہ سُنا۔ ایک کی رضا دوسرے کی رضا ہوئی اور ایک کا مقبول دوسرے کا مقبول ہوا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "دنٰی" یعنی آنحضرتؐ اپنے پروردگار سے بے کیف قریب ہوئے۔ "فتدلّٰی" یعنی حجاب کو اٹھایا اور اس کے اندر گئے اور پھر اُس حجاب کو بدستور چھوڑ دیا۔ وہاں کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش نہ تھی اور نہ حضرتؐ کو پھر کسی نے دیکھا اور حضرتؐ نے بے انتہا حجابات طے کیے "حَتّٰی کَانَ بَیْنَ الْمُحِبِّ وَالْمَحْبُوْبِ قَابَ قَوْسَیْنِ" یہاں تک کہ حبیب اور محبوب کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔ دو کمان سے مراد دو ابرو قرب باہم یعنی آنکھ کی سفیدی اور سیاہی ہے

مسیح برفلک چہارمیں قرار گرفت ۔۔۔ کلیم بر جبل طور اعتبار گرفت

غلام ہمت آنم کہ فوقِ کون و مکاں ۔۔۔ براقِ عزم جہانید و دستِ یار گرفت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے نفس کو آسمان پر چھوڑا اور قلبِ اطہر کو سدرۃ المنتہیٰ پر اور روح کو قاب قوسین پر۔ آپؐ کا سِر اور پروردگار باقی رہا۔ اُس وقت نفس نے کہا دل کہاں ہے اور دل نے کہا روح کہاں ہے اور روح نے کہا سِر کہاں اور سِر نے کہا دست کہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے نفس تیرے لیے نعمت و مغفرت ہے اور اے دل تیرے لیے عشق اور محبت اور اے روح تیرے لیے فضیلت اور قربت ہے اور اے سِر تو میرے لیے ہے اور میں تیرے لیے۔"

حقائق مخفی روشن کرائے ظلوم وجہول کو عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ کی خلعتِ فاخرہ پہنا اور اپنے حبیب کو اُس مقام پر فائز فرمائے جہاں نہ مکین ہے نہ مکان نہ زمین ہے نہ زمان مطلوب طالب بنے اور طالب مطلوب میں سمائے۔ ایسا کہ دونوں وارفتہ ہو کر ترانۂ احدیت گائیں ؎

وہ اپنے نشہ میں جھومتے ہیں خود اپنا منہ آپ چومتے ہیں	خراب مستی بنے ہوئے ہیں ہلاکِ مستی بنا رہے ہیں

(جگر مراد آبادی)

کبھی وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ[1] فرما کر مشتِ خاک کا اعزاز بڑھائے تو کبھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَه کے ذریعہ وہ امانت جس کے متحمل زمین و آسمان نہ ہو سکے اس کا قرعۂ فال ظلوم وجہول انسان کے نام کر کے بشر کو "یُوْحٰۤی اِلَیَّ" کا تاج پہنائے ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید	قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

دیوانہ کی کیا بات ہے؟ ہزاروں فرزانگیاں قربان اُس دیوانگی پر جو محبوب کے سوا ماسوا سے یکسر غافل و بے نیاز۔ یہ وہ منزل ہے جہاں عقل وخرد معذور۔ جہاں لیت و لعل کی گنجائش نہیں جہاں نہ تعقل ہے نہ تدبر۔ جہاں خود فراموشی کے جام عرفان و ایقان کی اُن منزلوں میں پہنچا دیتے ہیں کہ بہ ہائے معجز بیانِ حبیب کبریا صلعم سے ارشاد ہوتا ہے

---

[1] "اور میں نے اُس میں اپنی روح پھونک دی چنانچہ وہ اُس کے آگے سجدہ ریز ہو گئے"۔ یعنی اُس مشتِ خاک میں روحِ الٰہی پھونک دی اور اُس مشتِ خاک کو مسجودِ ملائکہ ٹھہرایا ؎

آدم کو ملک کہتے تھے کیا خاک بنے گا	سمجھے نہ کہ سر تا قدم ادراک بنے گا

(غوثِ ملت حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ)

کیا سجدہ کا معبدِ اعلیٰ آدم خاکی تھے۔ ہر گز نہیں۔ سجدہ دراصل اُس نورِ ازلی کا تھا جس کے لیے ارشاد ہوا "کُنْ مُحَمَّدًا" آدم علیہ السلام کی جبین کرامت آگیں میں چونکہ نورِ محمدیؐ کی تابانیاں رقص کر رہی تھیں اسی لیے وہ مسجودِ ملائکہ ٹھہرے ؎

آئینہ دار پرتو مہر ست ماہتاب	شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست

(غالب)

"کُنْ مُحَمَّدًا"[1] ؎

بے خودی کوچۂ جاناں میں لیے جاتی ہے　　دیکھیے کون مجھے میری خبر دیتا ہے

(عزیز لکھنوی)

محبت زندگی ہی زندگی ہے جو دل محبت سے نا آشنا وہ کافر سے بدتر۔ اَسْفَلَ السّافِلِین کا اطلاق اُسی پر اور جس دل میں محبت کی چاشنی موجود وہ نہ صرف کامیاب بلکہ اُس محبوبِ حقیقی کا محبوب جو فرماتا ہے "وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِیْ"

محبت باعثِ تخلیقِ آدم　　محبت باعثِ تعمیرِ عالم
کرشمہ تھا یہ معشوقِ ازل کا　　کہ حسن و عشق میں ہو ربط باہم

(ضبط کاکوروی)

عارفِ باکمال عاشقِ حسنِ لایزال حضرت مولٰنا جلال الدین رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

از محبت تلخہا شیریں شود　　وز محبت مسہا زریں شود

---

[1] "کُنْ مُحَمَّدًا" محمد کون؟ حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصّلوٰت کے اُس واقعہ کی طرف اشارہ جس میں حضورؐ کی فنائیتِ تامّہ اور جذبِ کامل یعنی ہمہ اوست کی منزل جہاں ؏ من نیم واللہ یاراں من نیم۔

روایت صحیحہ ہے کہ ایک بار حضور انور صلعم عالم سکر میں غرق تھے کہ اُم المومنین حضرتِ عائشہؓ حاضر ہوئیں فرمایا کون؟" عرض کیا عائشہ بنتِ ابی بکر۔ فرمایا "کون عائشہ؟" عرض کیا زوجۂ محمد رسول اللہ۔ فرمایا "کون محمدؐ؟"۔ یہ وہ مقام فنا ہے جہاں کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی ہر ذات فنا ہو جانے والی ہے اور اُس بزرگ و برتر پروردگار کا "وجہ" ہی باقی رہنے والا ہے ؎

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے پہ پڑے
تو اگر پردہ اُٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

از محبت دُردہا صافی شود — وز محبت دردہا شافی شود
از محبت بُن گلشن می شود — بے محبت روضہ گلخن می شود
از محبت نار نورے می شود — وز محبت دیو حورے می شود
از محبت سنگ روغن می شود — بے محبت موم آہن می شود
از محبت حُزن شادی می شود — وز محبت غول ہادی می شود
از محبت سُقم صحّت می شود — وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت خار سوسن می شود — وز محبت خانہ روشن می شود
از محبت مُردہ زندہ می شود — وز محبت شاہ بندہ می شود

محبت اور وہ بھی کس کی صالحین کی جو آیۂ کریمہ "وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ[1] وَرَسُوْلُہٗ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کے مطابق وارثِ علوم نبوی صلعم ہیں۔ اُن کی محبّت! اے کاش ان کی محبت حاصل ہو جائے تاکہ ہر رگ رگِ جاں بن جائے اور چاہتے والا کہہ اُٹھے ؎

میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں — رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے

اور جب یہ حاصل ہو گیا تو کہاں کا فراق اور کیسا وصال؟ طالب "دل بُرد" تو کہے گا مگر "نہاں شد[2]" کبھی نہیں کہہ سکے گا اس لیے کہ جب لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر جائے گا تو عینیت ہی عینیت رہ جائے گی اور بہ طفیل سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات وہ "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ[3]"

---

[1] اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور صالح مومنین تمہارے اعمال دیکھ رہے ہیں۔

[2] عارفِ کامل حضرت مولٰنا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں ؎

از پردہ بروں آں بُتِ عیّار برآمد — دل بردہ نہاں شد
ہر دم بہ لباسِ دگر آں یار برآمد — گہہ پیر و جواں شد

یہ مستزاد وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا وہ دلکش نمونہ ہے جسے سن کر عارفانِ باصفا وجد میں آ جاتے ہیں۔ محافلِ سماع میں یہ غزل عجب رنگ پیدا کر دیتی ہے۔

[3] حدیث سرورِ کائناتؐ "میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے۔ جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ

کی مجسّم تفسیر بن جائے گا۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی آگاہ ہو جاؤ یقیناً اللہ والے نہ تو انھیں کسی چیز کا خوف و ڈر ہے اور نہ ہی وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُن کی سرشت سے ہی خوف و حُزن کو نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ اِس کی بنیاد کیا ہے؟

آیۂ تطہیر پر نظر ڈالیے تو بخوبی سمجھ میں آجائے گا اور آیۂ کریمہ کی معنویت دل کی گہرائیوں کو منور و فروزاں کر دے گی۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

(یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے کہ اہل بیت اطہار کو دنیاوی کثافت سے بالکل پاک و صاف کر دے اور انھیں مکمل طیّب و طاہر کر دے) گویا طہارت کی اس منزل پر فائز کر دے جہاں کثافت و دنائت حرفِ غلط کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جو ایک کُنْ سے کُل کائنات کی تخلیق فرماتا ہے اُس نے اگر کسی امر کا ارادہ فرما لیا تو اُس امر کی گویا تکمیل ہو گئی چونکہ اس کا ارادہ تھا کہ رسول اکرمؐ کے مقدس گھرانے والے دنیاوی علائق سے بالکل الگ تھلگ ہوں لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اہل بیت اطہار ازل سے طاہر و مطہّر اور علائق دنیاوی سے یکسر فارغ تھے بلکہ جگر کے اس شعر کی تفسیر مجسّم ے

فارغ ز خزانے وہم از باغ و بہارے   ما ئیم و خیالِ رُخِ خورشید نگارے

چنانچہ آیۂ تطہیر کے مورد ثانی مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وعلیہ الصلوات والتسلیم کے بارے میں روایت مستند اور مسلّم ثابت ہے کہ آپ شکم مادر میں آنے کے بعد ہی والدہ ماجدہ کو بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے سے مانع رہے گویا قبل ولادت و ظہورِ ظاہری ہی آپ کی سرشت مبارک کے خمیر میں طہارت کاملہ کار فرما تھی اور ولادت خانۂ کعبہ ہی اس حقیقت کا ایک بیّن اور

کا گزر ہے اور نہ ہی کسی نبیِ مرسل کا" یہی وہ مقام ہے جس کے لیے ثانیِ حافظ شیرازیؒ مولوی محمد عاصم قیسؔ کاکورویؒ فرماتے ہیں ے

اے قیسؔ باتو لایک رنگ شو بہ مولیٰ   چوں عین تست لیلیٰ بگذار این و آن را

ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ سرتاج گروہ اولیا و اصفیا مولی علی علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ سارے سلاسل طریقت مولائے کائناتؑ کے توسط سے خاتم النبیین صلعم کی ذاتِ بابرکات تک پہنچتے ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کے یہ اشعار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نقل فرماتے ہیں ؎

من حاصل ایں خطاب گویم — مضمونِ ابوتراب گویم
خاک اند جماعتے کہ مُردند — ہستی بخدائے خود سپردند
از سطوتِ نور در شکستہ — در آبِ بقا فرو نشستہ
گردے نہ بپشتِ پائے ایشاں — در دو کفِ پائے خود چہ امکاں
سرحلقۂ خاکیاں علیؑ بود — سرسلسلۂ جہاں علیؑ بود
زاں بحر دو نہر بند بکشود — یک سو حسن و حبیب و داؤد
معروف سری و جنید بغداد — کزوے طُرقِ کثیر بکشاد
یک سوئے دگر لطیفۂ پاک — مستور بزیر پردۂ خاک
سبطین رسولؐ و زین عبادؑ — پس باقرؑ و صادقؑ و نکو زاد

ایں سلسلہ از طلائے ناب ست
ایں خانہ تمام آفتاب ست

(میں لفظ ابوتراب کا مضمون اور اس خطاب کا حاصل بیان کر رہا ہوں۔ ایک جماعت خاک کی طرح ہے جس کا نفس مُردہ ہے۔ ان لوگوں نے اپنی ہستی یکسر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دی ہے۔ نور کے غلبہ سے ان کا نفس شکستہ ہو چکا ہے یہ لوگ آبِ بقا میں جا بیٹھے ہیں۔ اِس لیے اُن کے پشتِ قدم پر دنیا کی ذرا سی بھی گرد نہیں پھر اُن کے تلوؤں پر گرد جمنے کا کیا امکان جبکہ وہ آبِ بقا میں بیٹھے ہیں۔ ان خاکیوں کے حلقہ کے سردار علیؑ تھے اور دنیا جہان کے سلسلۂ اولیاء کے سردار علی تھے۔ اِس بحرِ ولایت سے دو نہریں نکلی ہیں ایک وہ نہرِ طریقت ہے جس کا سلسلہ یہ ہے حسن بصری، حبیب عجمی، داؤد طائی، معروف کرخی، سری سقطی، جنید بغدادی، اور جنید بغدادی سے بہت سے راستے نکلے ہیں۔ دوسری طرف وہ نہرِ طریقت

ہے جو لطیف و پاک یعنی پاک و مطہر ذرّیت رسولؐ ہے اور یہ لطیف و مقدس جوہر پردہ خاک میں مستور ہے (یعنی اس پر فنائیت کا بے حد غلبہ ہے) یہ ہیں رسولؐ کے دو نواسے امام حسن، امام حسین، اور امام زین العابدین اور امام باقر اور امام جعفر صادق علیٰ جدّہم وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم یہ اولادِ رسول والا سلسلہ خالص سونے کی کڑیوں والا سلسلہ ہے۔ اس گھر کا ہر شخص آفتاب ہے۔)

(ترجمہ در مناقب اہل بیت مولفہ حضرت مولانا عبدالحق کوثر ندویؒ)

اولیاء امت چونکہ ذاتِ گرامی مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ میں فنا ہیں اور جذبِ دل کے سبب اُن کو اپنے پیراہن سے بوئے علیؑ آتی ہے ؎

رنگ لایا ہے یہ ضبطِ اُلفتِ گیسوئے دوست — آخر اپنے پیرہن سے پھوٹ نکلی بوئے دوست

(دلؔ شاہجہانپوری)

اللہ تعالیٰ نے خشیتِ رب کے سبب ان کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی خلعت فاخرہ پہنادی ہے۔ پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیرؒ فرماتے ہیں ؎

کَسَانِی خِلْعَۃً بِطِرَازِ عَزْمٍ — وَتَوَّجَنِی بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ

فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا — بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

(اُس تعؑ نے مجھے خلعت فاخرہ پہنائی اور علم و کمال کے تاج سے مجھے زینت بخشی۔

- چنانچہ میں نے تمام اقطاب سے کہا آؤ! میرے حال میں شامل ہو جاؤ تم سب میرے جوان ہو۔)

آیۂ کریمہ ملاحظہ ہو۔

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا٘ (محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو اُنھیں دیکھے گا

رکوع کرتے سجدہ کرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہیں اُن کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور اُن کی صفت انجیل میں۔ جیسے ایک کھیتی اُس نے اپنا پٹھا نکالا اور پھر اُسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اُن سے جو اُن میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔) (ترجمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ)

قتادہ نے کہا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی مثل انجیل میں یہ لکھی ہے کہ ایک قوم کھیتی کی طرح پیدا ہوگی وہ نیکیوں کا حکم دیں گے بدیوں سے منع کریں گے۔ کہا گیا کہ کھیتی حضورؐ ہیں اور اس کی شاخیں اصحاب اور مومنین۔

غور کیجیے صحابہ کرامؓ کے بعد اولیاء اللہ بھی "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کے زمرہ میں یقیناً اس لیے شامل ہیں کہ وہ متبع سنت نبویؐ ہیں۔ "اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" "تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" ان تمام ایمانی صفات کا اطلاق ان پر ہوتا ہے کیونکہ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کی آیۂ کریمہ اسی مقدمہ کا باب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو صفاتِ حسنہ نبوت و امامت کا وارث و امین بنایا ہے۔ قرآنی اعزاز رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا حقیقی اطلاق صرف ان ذاتہائے گرامی صفات کے حق میں ہے جن کے حق میں ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (یہ ان ہی کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں) کی قرآنی شرط پوری ہوتی ہو۔ چونکہ اولیاء اللہ کے قلوبِ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے بہ طفیل محمدؐ و آلِ محمدؐ ہر قسم کے خوف و ہراس سے محفوظ و مامون رکھا ہے اور اُن کا قلب جمالِ یار کی آماجگاہ ہونے کے سبب نہ تو کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ رنج وغم کی کیفیت اُس میں پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ وہ اس شعر کی تفسیر مجسّم ہیں ؎

غمِ دل کو خدا آباد رکھے　　　نشاطِ سرمدی برسا رہا ہے

(جگر مرادآبادی)

اور یہ نشاطِ سرمدی ہر قسم کے رنج والم، فکر وغم، ہجر کے اندیشے، فکرِ فردا، ذکرِ امروز، اُن کے ذکر سے یکسر فارغ کیے ہوئے ہے۔ وہ آیۂ کریمہ "يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ

اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝[ل] کی روشنی میں ہمیشہ فردوس مکیں اور عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ کی حلاوتِ ایمانی کے مزے لوٹ رہے ہیں. ان کو غیروں کی حرماں نصیبی پر قلق ہے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کی تفسیر بن جائے.

حضرت خداوند نعمت، آقائی و مولائی قبلتی و سندی غیاثی و مغیثی حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی نے اِس ننگِ اسلاف کو حکم دیا کہ کتاب مستطاب "انتصاح عن ذکر اہل الصلاح" موئلفہ حضرت وارث الانبیاء سلطان المحبوبین مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ کا اردو ترجمہ کروں. اپنی بے مائگی بے بضاعتی اور علم و فضل سے تہی دامنی اجازت ہی نہ دیتی تھی مگر ارشاد عالی کی تعمیل میں بہت ڈرتے ہوئے اِس وادیِ ایمن میں قدم رکھا اور اپنے قلم عاجز رقم سے ٹوٹا پھوٹا ترجمہ کر ڈالا۔

بچپن میں بسم اللہ کے بعد سے اس وقت تقریباً ۵۴ سال کی عمر تک جو بجز اتفسیر ہے اس شعر کی ہے

ہمہ با ہوا و ہوس ساختی　　　دمے با مصالح نہ پرداختی

(سعدیؒ)

ل اے نفسِ مطمئنہ لوٹ آ اپنے رب کے حضور اِس حالت میں کہ تو بھی اُس سے خوش اور وہ بھی تجھ سے نہال. میرے مقرب بندوں کی صف میں شامل ہو جا وہ دیکھ میری جنت تیری منتظر ہے." ہزاروں درود و سلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات قدسی صفت پر کہ نفسِ امّارہ جو مرکز ہے وحشتوں کا جس کے لیے نبی برحق حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں "میں اپنے نفس کو بھی الگ نہیں کرتا بے شک نفس تو بری باتوں کا ہی حکم دینے والا ہے علاوہ اُس کے جس پر میرے رب کی رحمت ہو. یعنی یہ اعزاز صرف اُسے حاصل ہے جس کو وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کا تاج خالقِ کائنات نے پہنا دیا ہو. امیر مینائی فرماتے ہیں

محمد مصطفیٰؐ سے حضرتِ یوسفؑ کو کیا نسبت　　　وہ مطلوبِ زلیخا تھے یہ محبوبِ خدا ٹھہرے

جو کچھ بھی عربی فارسی اور اُردو کی شُدبُد ہوئی، جو کچھ لکھنا پڑھنا آیا وہ صدقہ ہے خاکِ کفشِ پائے آقائے نعمت ولیِ عصر مرشدی و مولائی استاذی و ملاذی ملجائی و ماوائی حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر دام ظلہ العالی کی نظرِ کیمیا اثر کا ؎

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم　　طوطیائے چشم سازم دم بہ دم

کاش میری اندھی آنکھیں نور عینینِ علی مجتبیٰؑ کے طفیل بینا ہو جائیں ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

ان چند اوراق کو جنھیں مثل اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر ڈالا ہے جو بھی لغزشیں اور خطائیں نظر آئیں اُن سے درگزر فرمائیں تو خطا اور عطا دونوں کی معنویت کا حق ادا ہو جائے۔

عبدہٗ المذنب

احقر العباد عین الحیدر علوی الکاظمی کان اللہ و مرشدہٗ لہٗ

تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری　　۲؍ ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

حمدرا با تو نسبتے ست دُرست　　　　بر درِ ہر کہ رفت آں درِ تُست

آیتِ قرآنی وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (یقیناً ہر موجود شئے اللہ کی تعریف کی تسبیح خواں ہے) کے مطابق وہ ذرات جو علم کے پردہ سے عالم وجود میں آئے ہیں کچھ زبانِ حال سے اور کچھ زبانِ قال سے، سخنوری کے خزانہ سے لے کر جمع کر دیے ہیں تا کہ ہر وہ بات جو اپنی نسبت سے اگرچہ بلند تر ہو لوحِ دل اور لوحۂ باطن پر نقش ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے اور خالق کائنات کے شکر کا حق ادا کرے گو کہ اس کی حمد و ثنا جو اس کی ذات گرامی کے شایانِ شان ہے بیان سے باہر ہے اور سوا ترانۂ لَا اُحْصِیْ کے کسی چیز کا غلغلہ کان میں نہیں پڑتا ہے ؎

صد برگ زباں تراز ادای حمدش　　　　با برگ ہزار در نوای حمدش

کے شاخ قلم گل طرب بر ندہد　　　　گل کرد شگفتن از ہوای حمدش

(سیکڑوں پتے زبان بن جائیں تو بھی اس کی حمد و ثنا سے قاصر رہیں. ہزاروں پتے اس کی حمد و ثنا کی نوا بلند کر رہے ہیں. شاخ قلم سے کس طرح گل طرب بار آور نہ ہوں جبکہ کلی کا پھول بننا ہی اُس کی حمد و ثنا کی ہوا کی بدولت ہے۔)

لیکن چونکہ اُس سُبحانہٗ تعالیٰ کی بخشش عام کا تقاضا ہے کہ ہر وہ ادا جو موجودات کی تعریف سے ہوتی ہے قبولیت کا مژدہ پاتی اور مقبولیت کے صفو تکدہ میں عطا کے صلے پاتی ہے. اسی طرح اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ کے صومعہ میں فرماں برداری کے خط پر سر تسلیم خم کیے ہوئے کسی قدر الفاظ کے صورت خانہ سے اور رنگ آمیز معانی سے صورت ترکیب کی آگہی حاصل کی ہے تا کہ ہر ایک دائروں کے مرکز کو سامنے رکھ کر مہر خاتم پیغمبر علیہ السلام کی حقیقت کو سمجھ لے اور حلقۂ انگشتری ماسوا میں تمیز کر سکے. چنانچہ ہر وہ حلقہ جس میں خلوص کا نگینہ جڑا گیا قبولیت کی انگشت شہادت میں جگہ پا گیا اور جس نے عدم قبولیت کی انگلی میں جگہ پائی وہ آلودگی کی انگشت نمائی کا نشانہ ہوتے ہوئے ادبار کا شکار ہوا اللھم صلّ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ الّذین ھم نجوم الدین و بدور الیقین. امّا بعد ارباب بصیرت اور اصحاب اعتبار کی رائے ہے کہ

حرماں نصیبی کا مکمل ترین علاج صاحبانِ کمال کے ساتھ رہنا اور اربابِ ذوق کے کمال کا مشاہدہ اور اُن کی نشانیوں اور باتوں کا سُننا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والوں نے وقتاً فوقتاً اپنے بزرگوں کے آثار و اخبار اپنی محفلوں میں بیان فرمائے ہیں کیونکہ ان خداشناسوں کے حال وقال کا معائنہ طالب کو وہ ہمت بخشتا ہے کہ پیچیدہ گتھیوں کو حل کرتے ہوئے وہ طلب کے اعلیٰ مدارج طے کر لیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بڑے فائدے ہیں۔ اول یہ کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "اللہ اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہماری کوئی بات سُنی" لہٰذا اس حدیث سے تازہ روئی اور خوش عیشی منجانب اللہ دونوں کے حق میں ثابت ہوتی ہے سننے والے اور بیان کرنے والے کے لیے اور یہ شرف کتنا افضل ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ "فتوحات مکیہ" میں فرماتے ہیں کہ محدثین کا درجہ اعلیٰ ہے اور بروز حشر وہ انبیاء علیہم السلام کی صف میں کھڑے ہوں گے محدثین کے حق میں یہ دعا کلام نبویؐ کے حفظ کے سبب سے ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اولیا کی باتیں یاد رکھے اور دوسرے طالبین کو سُنائے اسے اولیاء اللہ کی ارواح کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ احیاء العلوم میں ہے کہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہٖ "اپنی قوم کا ولی گویا کہ اپنی امت کا نبی ہے" حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ شیخ وقت خویش　　چوں نبی باشد میان قوم خویش

قول اِن مِن اُمتہٖ را یاد گیر　　تا بہ اِلّا او خَلاَ فِیہَا نذیر

(پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اپنے وقت کا شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے۔ قولِ مبارک اِن مِن امتہٖ اِلّا خَلاَ فیہا نذیر یعنی ہر قوم میں ہم نے ایک ڈرانے والا بھیجا ہے کو یاد کرو)

دوسرے یہ کہ شیخ ربانی حضرت ابوالحسن خرقانیؒ فرماتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ بروز حشر جو لوگ میری زیارت کو آئیں گے ان کو شفاعت کی ضرورت ہوگی بلکہ ان کو مقام شفاعت عطا ہوگا تا کہ وہ دوسروں کی شفاعت کریں اور جو شخص میری باتیں دسمع قبول سے سُنتا ہے کل اللہ کے سامنے اُس کا یہ درجہ ہوگا کہ اُس سے حساب نہ ہوگا۔ ابو علی دقاقؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا مردانِ حق کی باتیں سننے میں کوئی فائدہ ہے آپ نے فرمایا کیوں نہیں اگر وہ شخص طالب ہوگا تو قوی ہمت ہو جائے گا اور اگر

نامرد ہو گا تو مرد ہو جائے گا۔ شیخ الاسلام عبد اللہ انصاریؒ نے وصیت کی کہ اکابرین زمانہ کی باتیں یاد رکھنا اور اگر ایسا نہ کرسکو تو ان کے نام ہی یاد رکھنا کہ اس سے تم کو فائدہ ہو گا اور مشائخ کی باتیں سننے میں بڑی سعادت ہے تم کو اچھی معلوم ہوں گی اور ان کی طرف دل کھنچے گا۔ شیخ ابو علی سیاحؒ کہتے ہیں کہ میری دو آرزوئیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کی باتوں میں سے کچھ سنوں یا اس کے مردوں میں سے کسی مرد کی زیارت کروں پھر فرمایا میں ایک جاہل آدمی ہوں نہ لکھ سکتا ہوں اور نہ پڑھ سکتا ہوں لہذا میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس کا ذکر کرتا رہے اور میں سنتا رہوں یا میں اس کا ذکر کروں اور کوئی دوسرا اسے سنتا رہے اور اگر بہشت میں اس کا ذکر نہ ہوا تو بوعلی کو بہشت میں مزہ نہ آئے گا۔ رشحات میں ہے کہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ نے فرمایا ہے اولیا اللہ کے پاک کلمات حضور رسالت مآب صلعم کے انوار کی کرنیں ہیں چنانچہ جس طرح قرآن و حدیث کی تعظیم واجب ہے اسی طرح اولیا اللہ کے کلام کو بھی ادب اور تعظیم سے سننا چاہیئے تاکہ اس سے فائدہ حاصل ہو۔ خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے فرمایا ہے کہ اگر میں یہ سنوں اور جان لوں کہ ختا میں کوئی کافر بھی اگر وہ اولیا کے بارے میں کوئی بات کر رہا ہے تو میں جاؤں گا اور اس کی خدمت میں رہوں گا اور اس کا یہ احسان مانوں گا۔

خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ سے لوگوں نے پوچھا جب زمانہ گزرے اور یہ گروہ اپنے کو پردہ میں چھپائے رکھے تو ہم کیا کریں کہ سلامت رہیں آپ نے فرمایا روزانہ ان کی باتوں کے آٹھ ورق پڑھ لیا کرو۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں جو مرید اپنے پیران سلسلہ کے حالات لکھے گا اس کا مرتبہ مقام اعلیٰ علیین میں ہو گا۔ نظام عالم کا دارومدار اور انسانی دینی اور دنیوی امور کا انتظام بھی انہیں سلاسل عالیہ سے ہے اور جب تک کوئی شخص ان سلاسل عالیہ سے وابستہ نہ ہو آسانی سے نجات نہیں پا سکتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز بندہ اپنے اعمال کی تہی دامنی کے سبب محتاج ہو گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے کیا تو فلاں محلّے کے فلاں عارف کو پہچانتا ہے وہ عرض کرے گا جی ہاں میں پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے بخش دیا۔ جب اولیا اللہ کی شناخت نجات اخروی کا سبب ہے تو حضرات سلاسل کے حالات یاد کرنے کا کیا کہنا۔ ملک العلما شہاب الدین عمر دولت آبادیؒ مناقب السادات کے آخر میں فرماتے ہیں "اے عزیز قیامت کا دن ایک سخت دن ہو گا وہاں امیر قیدی ہو گا اور بادشاہ فقیر اور سر الشان متحیر اور مدہوش ہو گا اولیا اور انبیا نفسی نفسی کہتے

ہوں گے حتیٰ کہ صفی اللہ حضرت آدمؑ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عَلَم کی طرف دوڑیں گے کہ اُس کی پناہ حاصل کریں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ حضورؐ سے شفاعت چاہیں گے اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شافع محشر ہوں گے اور جو بھی حضورؐ کے خاندان کا محب اور مخلص ہوگا وہ آپؐ کی شفاعت سے مشرف ہوگا اور حضورؐ کے خاندان کا مخالف اور اُن سے بغض رکھنے والا بدبختی سے سرنگوں ہوگا۔ سید اصفیاؐ سے محبت رکھنے والے اور آپ کی اولادِ امجاد سے دوستی رکھنے والے سرپر جنت میں سرور و مستی کے عالم میں ہوں گے اور اُن کے دشمن دوزخ میں مقہور اور ذلیل۔ عزیز من جسے بھی ایمان و عرفان کی دولت عطا ہوئی ہے اور اچھی عادتوں سے سجایا گیا ہے اُس کی روح کو سید ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ اطہار سے مونس کرادیا گیا ہے اور جب اللہ کوئی چیز چاہتا ہے تو اس کے اسباب پیدا فرمادیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ حضورؐ کے دین سے سعادت کی نعمت محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے طفیل میں عطا فرماتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقرا اپنے مریدوں کو شجرہ عطا فرماتے ہیں تاکہ ہر ایک کے مراتب ترتیب سے جان لیں اور بخوبی جان لیں کہ تمام عالم میں فقر اور مشیخت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے پیدا ہوئی ہے اور سادات کرام جو سرِ فقرا و لیا امیر المومنین امام المتقین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولادِ امجاد ہیں تمام عالم کے پیر اور پیرزادہ ہیں اور اگر کوئی شخص عالم کے تمام پیروں کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہو اور زہد تمام میں ان کا ہم پلہ ہو گیا ہو، صاحبِ کرامت ہو، غیب کی باتوں کی خبر بھی دیتا ہو اور ہوا پر اُڑنے کی مقدرت رکھتا ہو لیکن ان کے ادب میں سر بھی کمی کرے یا اُن سے ذرا سا بھی بدعقیدہ ہو تو وہ یقیناً گمراہ ہے اور جب وہ خود گمراہ ہوگا تو دوسروں کو کس طرح نجات دلائے گا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں حکایات المشائخ جند من جنود اللہ (مشائخ کے قصے اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے) لوگوں نے پوچھا کہ ان قصوں سے مریدوں کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ یعنی انبیا علیہم السلام کے قصے اور ان کی خبریں ہم تم کو سناتے ہیں اور ان کے احوال سے تم کو آگاہ کرتے ہیں تاکہ تمہارا دل ثابت قدم ہو جائے اور قوت میں اضافہ ہو۔ اور جب تمہارے دل کو کوئی رنج و غم پیش آئے اُن کے اخبار و احوال سنو اور غور و فکر کرو کہ جب اس قسم کے رنج و غم اُن کو در پیش ہوئے اور انھوں نے اُن پر صبر کیا اور توکل اختیار کیے رہے تو اس سے تمہارے دل کو بھی صبر کی دولت عطا ہوگی اور سکون نصیب

ہوگا اسی طرح پیروں اور اولیا اللہ کے قصے سُننے سے مریدین کے دل کی تربیت ہوتی ہے اور اُن کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو ثابت قدمی عطا ہوتی ہے اور بلاد امتحان اور ناکامی میں درویشانہ شان سے وہ قدم جمائے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو بھی اولیاء کا عزم عطا ہوتا ہے اور اُن کی سیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ مشائخ اور اولیاء اللہ کی باتوں سے اُن سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اُن سے محبت تم کو اُن کے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ حضور انور صلعم سے لوگوں نے پوچھا اُس شخص کے بارے میں جو اولیاء اللہ سے محبت تو رکھتا ہے لیکن ان کے کردار تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان کا حشر اُس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ ابو العباس عطاؒ فرماتے ہیں اگر تمھاری رسائی اُس تک نہیں ہے تو اُس کے دوستوں تک پہنچنے کی کوشش کرو کیونکہ اس کے دوستوں سے دوستی دراصل اس سے ہی دوستی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عبد اللہ رضؓ بن مسعود سے فرمایا اتدری ای الاسلام اوثق قال قلت اللہ ورسولہ اعلم قال صلی اللہ علیہ وسلم الولایۃ للہ والحب فیہ والبغض فیہ (کیا تم کو معلوم ہے کہ کونسا اسلام سب سے مضبوط ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اُس کے رسول ہی جاننے والے ہیں)۔ حضورؐ نے فرمایا دوستی اللہ کے لیے اور اسی کے لیے محبت اور اسی کے لیے بُغض)۔ اس گروہ کی حکایت سُننے میں سب سے معمولی فائدہ یہ ہے کہ جان لے گا کہ اس کے اپنے افعال و احوال اُن کی طرح بالکل نہیں ہیں اس سے وہ اپنے کردار کی خامیوں کو دور کرے گا اور اُن کے کردار کے آگے اپنے کو نہایت ہی کمتر پائے گا اور اس وجہ سے وہ غرور اور ریا سے بچے گا۔ اولیاء اللہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہے چنانچہ ابو الفرج ابن جوزیؒ نے مقدمہ صفوۃ الصفوۃ میں روایت کی ہے اور اسی کو عراقی، مجد شیرازی، عسقلانی، سخاوی، محمد بن یوسف دمشقی وغیرہ نے امام سفیان بن عیینہؒ سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ۔ نیکو کاروں کے ذکر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ حافظ ابو عمر بن عبد البرؒ نے کتاب العلم میں اور سفیان بن سعید ثوری نے کتاب الاستغناء میں اور صاحب مجمع الاحباب امام عبد اللہ بن مبارک سے اور ابن صلاح علوم حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابو عمرو اسمٰعیل بن نجید جن کا شمار کبارِ مشائخ میں تھا اور جو عبد اللہ بن امام احمد کے بزرگ اصحاب میں سے تھے اُن سے روایت ہے کہ انھوں نے ابو جعفر بن حمدان سے سوال کیا کہ میں حدیث کو کس نیت سے لکھوں انھوں نے

فرمایا کیا تم نے یہ حدیث روایت نہیں کی ہے "صالحینؒ کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔" انھوں نے جواب دیا کہ "ہاں" فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صالحین کے سرتاج ہیں۔" علامہ سیوطیؒ سخاویؒ امام غزالیؒ، محی الدین ابن عربیؒ کوکب دُرّی میں اس حدیث کے صحیح اور جلیل ہونے کے قائل ہیں۔

اور طبقات ہروی میں ہے "شیخ بغداد امام محمد بن منصور طوسی صوفی محدّث جو استاد حافظ عثمان بن سعید دارمیؒ کے ہیں ایک مجمع میں بات کر رہے تھے اور فرقۂ ملامتیہ کا ذکر ہو رہا تھا ایک شخص نے کہا ہمارے اور اُن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں امام نے فرمایا "صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے" اتنے میں بغیر بادل کے بارش ہونے لگی لوگوں نے کہا یہ فیوض کے معانی کی صورت تھی اسی لیے بغیر بادل کے برسی۔ اس زمانہ میں جہالت عام طور سے اور خاص طور سے صوفیہ کے طبقہ میں پھیل گئی ہے ایسا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے اسلاف اور بزرگوں کے نام کی تحقیق سے واقف ہی نہیں اور دُر اور دَر میں فرق نہیں کر سکتا۔ واقعی جس نے فرمایا بالکل موتی پرو دیے ہیں ؎

امروز قدر گوہر و خارا برابرست — بادِ سموم با دمِ عیسیٰ برابرست
چوں در مشام اہلِ جہاں امتیاز نیست — سرگین گاؤ و عنبرِ سارا برابرست

(آج کل گوہر اور پتھر کی قدر برابر ہے، زہریلی ہوا دمِ عیسیٰ کے برابر ہے۔ جب دنیا والوں کو خوشبوؤں میں فرق نہ رہا تو گائے کا گوبر اور عنبر برابر ہو گیا)

اُن کے تفصیلی اور مختصر حالات جان لینے، اُن کی تاریخ ولادت، تاریخ وفات اور ان کا مدفن معلوم کر لینے میں کیا جاتا ہے کیونکہ طالبوں کو اس سے فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ اُن کی ارواح مقدسہ کی خوشی نیز اُن کی عنایت و امداد کے باب کھل جانے کا سبب ہے اور جب لوگ ان حضرات کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں وہ حضرات بھی مطابق حکم تَخَلَّقُوا بِاَخلاقِ اللہِ اُس عالم میں اُس کو نیکی سے یاد فرماتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ چونکہ اِن حضرات کے محامد اور مناقب بہت کثرت سے ہیں اور معتقدین اور اخلاف نے طالبوں کی یاد دہانی کے لیے سیکڑوں طریقوں سے اُن کا ذکر کیا ہے لیکن چونکہ یہاں اسی لباس میں آسمان پر اُڑنے کا خیال اور تکمیلِ عرفان کے مرتبہ تک پہنچنے کا گمان ہے کتابوں کا مطالعہ بڑا دشوار ہے اور بزرگوں کے افعال و اقوال کی دریافت دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے والی ہے۔ صاحبِ گلشنِ راز کیا خوب فرماتے ہیں ؎

فتادہ سروری اکنوں بجہال — ازیں گشتند مردم جملہ برحال

(سرداری آج کل جاہلوں کو حاصل ہو گئی ہے اسی وجہ سے لوگ بدحال ہو گئے ہیں)

شارح کہتا ہے کہ حقیقتاً سرداری رہنمائی اور پیشوائی دین کی کاملین اور عارفین کی شان ہے جو جامع رسوم شریعت وطریقت اور احوال حقیقت ہیں اور ان کو قلوب انسانی کے کمالات اور قلب کے امراض کا علم بخوبی حاصل ہے یہاں تک کہ وہ نفوس کے طبیب ہو گئے ہیں اور امراض کا دفعیہ کرتے ہوئے تکمیل کر سکتے ہیں لیکن اب جبکہ وقت کا تقاضا ہے کہ سرداری اور رہنمائی جاہلوں کے ہاتھ آگئی ہے اور اسی وجہ سے تمام مخلوق بُری بُری عادتوں کا شکار ہو گئی ہے۔ بیوقوف اور گمراہ مشائخ پیدا ہو گئے ہیں جو رُشد وہدایت کا دعویٰ کرنے لگے ہیں۔ وہ درحقیقت راہ طریقت کے رہزن ہیں۔ الحاصل خاک راہ منتسبان عالی شان قلندراں احقر علی انور بن حضرت قدوۃ الاصاغر والاکابر جامع بین علمی الباطن والظاہر، صاحب مقامات عالیہ، مفاد لفظ قلندریہ مولانا شاہ علی اکبر قلندر بن لسان العارفین ترجمان المحققین شیخی ومرشدی وجدی حضرت مولانا شاہ حیدر علی قلندر قدس سرہٗ کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ پیران سلسلہ خاندانی کے ذکر اور ان کی تاریخ ولادت و وفات اور مدفن کے بارے میں زبان کھولوں اگرچہ مجھ گنہگار کو کیا طاقت کہ ان حضرات کے مبارک ناموں کو اپنی زبان سے ادا کروں اور اپنا شمار صاحبانِ خدا کے مداحوں کے زمرہ میں کرواؤں لیکن یہ آیۂ کریمہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو) کی روشنی میں اس کی تحقیق میں میں مشغول ہوا اور اس کا نام "انتصاح عن ذکر اھل الصلاح" رکھا۔ اللہ تعالیٰ اہل قبور کے دربار میں اسے قبولیت بخشتے ہوئے اس عاجز کی کوشش کو قبول فرمائے۔ یقیناً یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے وقت کو اس کے ذریعہ خوش کرتا ہے تو بہتر ہے اور اگر کوئی طالب ان حضرات کے تفصیلی حالات سے اپنی کلفت اور محرومی دور کرنا چاہے تو امید ہے کہ وہ مایوس نہ ہوگا۔

دارم امید از خدائے جہاں ۔ کہ دہد از قبول خویش نشاں
کند این را بہ لطف خویش قبول ۔ بر قبول خودش کند موصول
سوئے اہل دلش رواں سازد ۔ جائے او در میانِ جاں سازد
نیست جز لطف او کسے مارا ۔ وہو نعم الوکیل والمولیٰ!

(خداوند عالم سے مجھے امید ہے کہ وہ اسے قبولیت بخشے گا اہل دل کی طرف اسے جاری فرمائے گا اور اسے جان کے درمیان جگہ عطا فرمائے گا اُس کی مہربانی کے سوا ہمیں کسی کی

امید نہیں کیونکہ وہی بہترین وکیل اور مولی ہے)

یہ رسالہ آٹھ سلسلوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔ قلندریہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، طیفوریہ، فردوسیہ، مداریہ اور نقشبندیہ اور سلسلہ قلندریہ[1] کا سب سے پہلے ذکر اپنے خاندان کا اصلی سلسلہ ہونے کی وجہ سے ہے جس کی ابتدا حضرت جدّ مرشدؒ کے ذکر سے اور انتہا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس وجہ سے ہے کہ آخر کتاب میں شجرہ ہوگا اور ایک ضمیمہ جس میں چار پیروں اور چودہ خانوادوں کا ذکر ہوگا اور ایک خاتمہ جس میں الفاظ کا بیان اور وہ نسبت جس کا جاننا اس رسالہ میں ضروری ہے اور چند باتیں تصوف کے فوائد کے بیان میں جن کا جاننا صوفی کے لیے ضروری ہے۔

سلسلۂ عالیہ قلندریہ علویہ مکّیہ۔ ذکر رئیس الفضلا و راس الکملا صدر العلما بدر العرفا فرید دوراں بایزید زمانہ وحید العصر غوث الدہر مولانا و استاذنا حضرت شاہ تقی علی قلندر قدس سرہٗ

جاننا چاہیئے کہ آپ اپنے والد ماجد شاہ تراب علی قلندرؒ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ رجب ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۹ء) میں ہوئی۔ آپ زبدۂ علمائے ربانی، مقرب بارگاہ یزدانی اور ذہانت و ذکاوت قوت ادراک اور سلامت عقل میں تعریف سے کہیں بڑھ کر تھے۔ ابتدائی کتابیں حضرت مولانا شاہ حمایت علی قلندرؒ اور مولانا شاہ حیدر علی قلندرؒ سے پڑھیں اور متوسطات اور متاخرات جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول آسمانِ کمال کے شمس بازغ فلک جمال کے بدر منیر استاذ استاذی مولنا محمد مستعان کاکوروی علیہ الرحمۃ سے جو ملا اعلم سندیلوی کے شاگرد تھے۔ طریقۂ عالیہ قلندریہ بلکہ شریعت نبوی کے جیسے فیوض و برکات آپ کی ذات میں نظر آئے ایسے کہیں نہ دکھائی دیے اگرچہ دستِ ادراک آپ کے عظیم ذکر سے کوتاہ ہے لیکن فقر کا اعتقاد ہے کہ آپ جیسا صاحبِ نسبت اور

---

[1] سلسلہ عالیہ قلندریہ کے تمام بزرگوں کے مستند اور تفصیلی سوانح کے لیے نفحات العنبریہ من انفاس القلندریہ (اردو) اور اذکار الابرار (اردو) مولفہ حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ خلف اوسط حضرت مصنفِ انتصاح ملاحظہ ہوں۔ مترجم ۱۲

صاحبِ کمال اُس زمانہ میں کوئی نہ تھا آپ اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے جس میں تصنع اور بناوٹ کو کوئی دخل نہ تھا۔ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (لوگوں کے ساتھ نیکی کرو جیسے اللہ تمھارے ساتھ نیکی فرماتا ہے) کے حکم کے مطابق حُسنِ اخلاق اِس پایہ کا اور آیۂ کریمہ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم (اے نبی! بے شک آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں) کی تعمیل میں خوبی اشفاق اس درجہ کہ ہرگز کبھی اپنے نوکروں یا ملازموں سے اپنی خدمت کے لیے کچھ نہ فرمایا۔ ہر کام خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (بہترین روش اعتدال ہے) کی روشنی میں معتدل۔ آپ کی عمر شریف ستتر سال ہوئی۔ سنہ وفات ۷ ارجب ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) اور دن چہار شنبہ ہے۔ عارضۂ تپ محرقہ میں وصال پایا اور اپنے والد ماجدؒ کے روضہ میں مشرقی سمت مدفون ہوئے۔ چند روز بعد قاضی احمد علی خاں صاحب نے گول گنبد تعمیر کرا کر سعادت دارین حاصل کی۔ اُس کی زیارت سے فیوض و برکات حاصل کیے جاتے ہیں۔ حضرت مرشدنا مولٰنا شاہ علی اکبر قلندرؒ آپ کے سب سے عظیم خلیفہ اور رکن رکین دین متین حضرت مولوی شاہ رکن الدین قلندرؒ لاہرپوری بھی آپ کے عظیم خلیفہ تھے۔ تاریخ وفات مولوی غلام امام شہیدؒ کی ہے ؎

پیر کامل تقی علی ولی — رہبر و رہنمائے اہلِ یقیں
عالمِ باعمل یگانۂ عصر — در اصول و فروعِ شرعِ متیں
رخت بر بست ناگہان زجہاں — بہرِ گل گشت باغ علّیّیں
سالِ تاریخ رحلتش می جست — از دل پر تعب شہیدِ حزیں
گفت ہاتف کہ بے سرو پا شد — کرم فضل و ہم شریعت و دیں

۱۲۹۰ھ

(پیر کامل تقی علی ولیؒ جو اہل یقیں کے رہبر و رہنما شرع کے اصول و فروع میں عالم باعمل اور یگانۂ دوراں تھے۔ اچانک آپ نے اِس عالم سے باغ علّیّین کی طرف سفر فرمایا۔ غمزدہ شہیدؔ آپ کی تاریخ رحلت تلاش کر رہا تھا ہاتف غیب نے کہا کرم و فضل اور دین و شریعت سب بے سرو پا ہو گئے)

مولوی محمد محی الدین خاں ذوقؔ کاکوروی نے بھی تاریخ لکھی ہے ؎

پائے بروں زجادۂ آئیناں فلک — برداشت بندِ صبر زدل آہ ہر معتکف کشید

دردا کہ شحنۂ ستم چرخ بے خطا — دستِ نشاطِ عشرتیاں برکتف کشید
یعنی بہ سوئے شاہ تقی آمدہ ز حق — پیک اجل صدائے قم ولاتقف کشید
آں سالک طریق رضا بر پیام غیب — لبیک بر زبان ز دل معترف کشید
جُستم زغیب حالِ دلِ ذوق سینہ ریش — گفت از فراقِ شیخ تو گوئی الف کشید

(صبر کے بندھن آسمان نے اس طرح اٹھا لیے کہ ہر معتکف کے پاؤں زاویہ سے باہر نکل گئے۔ ہائے ایسا درد کہ ستم چرخ کے شحنہ نے بغیر کسی خطا کے خوش رہنے والوں کے سر سے خوشی کا ہاتھ اٹھا لیا یعنی شاہ تقی کے پاس اللہ کا قاصدِ موت آیا اور بلا کرے گیا۔ تسلیم و رضا پر اس راہ چلنے والے نے پیامِ غیب کی آواز پر دل سے لبیک کہا۔ میں نے زخمی جگر ذوق کا حال دل غیب سے تلاش کیا تو اس نے کہا کہ فراق شیخ سے الف کھینچ لیا (یہاں فراقِ شیخ کے اعداد ۱۲۹۱ ہوتے ہیں ا کے تخرجہ سے ۱۲۹۰ھ ہوتے ہیں)

ذکر سلطان العارفین وبرہان الواصلین قیّم طریقۂ مجتبیٰ قطب الحقیقۃ الاسنیٰ ثانی الشیخ الاکبر مولانا وجدّنا ومرشدنا حضرت شاہ حیدر علی قلندر نور اللہ مرقدہ الاطہر

آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ اور اپنے پیر طریقت حضرت شاہ علی مظہر قلندرؒ خلف وخلیفہ حضرت سید شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادیؒ کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت آٹھ ماہ شعبان المعظم ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) میں ہوئی۔ حضرت ذہانت، جودتِ طبع خوبیٔ صفات، حسنِ اخلاق اور سکوتِ دائم اور جوامع الکلم نیز فصاحت و بلاغت میں نادر زمانہ تھے۔ آپ کی ذات اقدس میں رذائل عنقا اور فضائل فطری تھے۔ احکام شریعت سے تزکیۂ ظاہر اور طریقت جبلّی کے آداب سے تصفیۂ باطن، سرگروہ صوفیا کے علوم میں بلند مرتبہ۔ خصوصاً مسئلۂ توحید میں اور یوں بھی تمام مسائل میں عجب شان رکھتے اور اصطلاحاتِ تصوف میں مہارتِ تامہ اور مسائل عقائد کی تحقیق میں بے مثل باریکیاں بیان فرماتے تھے۔ درسی کتابیں عمدۃ الاذکیا فدوۃ العلماء والاولیا اپنے عم محترم حضرت مولانا شاہ حمایت علی قلندرؒ سے پڑھیں۔ ریاضات ومجاہدات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار

ہو جائے۔ حضرت والا کا مفصل حال "تکملۂ روض الازہر مسمّٰی بہ "حوض الکوثر" میں ابتدا سے انتہا تک میں نے لکھا ہے جسے دیکھنا ہو اُس میں دیکھ لے۔ اسی سبب سے حضرت اپنے مرشد و والد کی عنایات بے غایت سے بہرہ یاب ہوتے ہوئے مصطفوی راز و نیاز اور مرتضوی سوز و گداز سے آگاہ ہوئے اور خدارسی و خدارسانی کی خلعت فاخرہ سے مشرف ہوئے۔ ع ایں دولتیست کنوں تا کرا دہند ۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ آپ کے بلند مقامات اور مبارک کرامات صبح روشن کی طرح پھیلے ہوئے اور چہار دانگ عالم میں سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر و باہر ہیں دیکھنے والی آنکھ چاہیئے اور ادراک کرنیوالا دل تا کہ دیکھے اور سمجھے۔ زبان اس بیان سے قاصر اور قلم کی ضبط تحریر سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہ ؎

گر بگویم تا قیامت وصف او　　　ہیچ آں را غایت و مقطع مجو
در بشر روپوش گشتہ آفتاب　　　فہم کن واللہ اعلم بالصواب

(اگر میں قیامت تک ان کی تعریف کرتا رہوں تو بھی اس کی حد و انتہا تلاش نہ کرسکوں.
انسان میں آفتابِ کامل چھپا ہوا تھا بس اسی سے سمجھ لو واللہ اعلم بالصواب)

ماہِ شوال کی بیسویں شب کو قریب نصف شب جمعہ کے دن فالج کے عارضہ میں ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء کو وفات ہوئی ؎

رفت آں سلطانِ معنی بے فتور　　　رقص رقصاں سوئے آں دریائے نور

(وہ سلطانِ معنی بغیر کسی دشواری کے اُس دریائے نور کی طرف رقص کرتا ہوا چلا گیا)

اور شنبہ کے دن بعد ظہر حضرت مرشدی ؒ کے روضہ کی حریم میں مغرب کی جانب مدفون ہوئے۔ قاضی احمد علی خاں صاحب مرحوم نے اُس پر گنبد بنوا دیا ہے اُس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکات حاصل کیے جاتے ہیں آپ کی عمر شریف اُناسی ۷۹ سال ہوئی۔ قطعۂ تاریخ وفات از مولوی حکیم لطف اللہ صاحب ؎

ایں حضرت حیدر قلندر مشرب　　　اے لطف کہ بود قطب وقت و واحد
برداشتہ دل چو شد ز دار فانی　　　مردانہ نمود قطع راہ مقصد
تاریخ بہ معنوی و صوری گفتم　　　ہشتاد و چہار و یک ہزار و دو صد

(اے لطف حضرت حیدر قلندر مشرب نے جو اپنے وقت کے قطب اور یگانہ تھے جب دار فانی سے کوچ کیا تو راہ مقصد کو مردانہ وار طے فرمایا۔ معنوی اور صوری تاریخ میں نے

۱۲۸۴ھ کہی)

دیگر از مولوی حبیب علی صاحب ؎

درعزائے حضرت حیدر علی | آنکہ فقر از نسبت او شاہ شد
مصرع پر دُر درا بر کش حبیب | مُرشدم حقا فنا فی اللہ شد

(حضرت حیدر علی کی تعزیت میں جن کی نسبت سے فقر کو شاہی مل گئی اے حبیب یہ پُر در مصرعہ کہہ میرے مرشد واقعی فنا فی اللہ ہو گئے)

از مولوی محی الدین خاں صاحب ذوقؔ کاکوروی ؎

وقتے ست کز انقلاب دوراں | شادی و الم بہم برآمد
ہر قطرہ کہ ریخت دیدۂ تر | از بہرِ نثار گوہر آمد
ہر برق لبے بخندہ بکشود | ہر ابر بدیدۂ تر آمد
خاکسترِ غم بروئے مرآت | صیقل گرِ حسن جوہر آمد
در تعمیہ و بہ تخرجہ ہم | طبعم پئے سال رہبر آمد
خورشید گرفت منزلِ ماہ | از زاویۂ افق برآمد

(ایسا وقت ہے کہ انقلابِ دوراں سے خوشی وغم ساتھ ساتھ آئے۔ ہر قطرہ جو دیدۂ تر سے نکلا آپ پر نثار ہو کر گوہر بن گیا ہر برق لب خندہ زن ہوا، ہر ابر دیدۂ تر بن گیا۔ آئینہ پر غم کی خاک جوہر کا صیقل گر بن کر آئی تعمیہ اور تخرجہ کے لیے میری طبع سال وفات کے لیے رہبر بن گئی۔ سورج نے چاند کی جگہ لے لی اور افق کے گوشہ سے نمودار ہوا)

ذکر حضرت قدوۃ الاصاغر والاکابر مرشدِ شیخ و شاب ذو سلسلۃ الازہر جدا بی و مرشدی و مولٰنا شاہ تراب علی قلندر روح اللہ روحہ الاطہر

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱۸۱ھ/۶۸-۱۷۶۷ء میں ہوئی۔ ابتدائے شعور سے ہی تحصیل علم وفضل

کے شوقین تھے۔ بچپن ہی میں اپنے حسنِ ادب اور سلیقہ کی وجہ سے اپنے والد ماجد کے منظورِ نظر ہو گئے بلکہ حضرت والدِ ماجد آپ کو دیکھ کر مثل شگوفہ کے کھل اُٹھتے۔ ایسے باپ کے نصیب کا کیا پوچھنا جس کا ایسا فرزند دلبند ہو۔ عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں ملّا قدرت اللہ بلگرامی اور مولوی معین الدین بنگالی سے پڑھیں اور بقیہ کتابیں قدوۃ العلماء الراسخین مولٰنا حمید الدین کاکوروی سے جو اپنے وقت کے جلیل القدر علماء میں تھے، پڑھیں۔ بعض رسالے قاضی القضاۃ نجم الدین علی خاں سے اور ہدایہ کی دو آخری جلدیں مولوی فضل اللہ نیوتنی سے پڑھیں۔ حصولِ علم کے ہی زمانہ میں معارف و حقائق کا کسب اور علوم صوفیہ کی مشغولیات آپ کا معمول رہیں۔ اپنے درس کے ساتھیوں میں باریک ترین نکتوں کا حل اور آپ کی قوت ادراک مسلّم تھی۔ سلوک و طریقت و حقائق کی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور تقریباً تیس سال ان کی خدمت میں حاضر رہ کر مقامات سلوک طے کیے اور اربابِ طریقت کے مقررہ ریاضات و مجاہدات پر عامل رہے اور یدہٗ کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی مثل ہے) کے کلمہ سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ آپ اپنی تصنیف "کشف المتواری فی حال نظام الدین قاری" میں فرماتے ہیں "فقیر کو سلاسل سبعہ میں اجازت خلافت اور امورِ فقر کی تعلیم و تربیت اولاً اپنے والد ماجدؒ سے ثانیاً اپنے مرشد حضرت شاہ مسعود علی قلندر قدس سرہٗ سے اور ثالثاً حضرت شاہ عبد اللہ قلندر لاہر پوریؒ سے جو حضرت شاہ عبد الرحمٰن قلندر لاہر پوریؒ کے بھتیجے اور خلیفہ ہیں ہے اور سلسلہ نقشبندیہ میں بھی اپنے والد ماجد سے مجاز ہوں جن کو مولوی احمدی خلیفہ شاہ عدل عرف شاہ لعل بریلویؒ سے بالمعاوضہ ملی ہے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ قادریہ اویسیہ کا جو حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے شاہ علی اکبر مودودیؒ کو ملا اور اُن سے خواجہ حسن صاحب کو ملا اس میں بھی یہ فقیر مجاز ہے" نیز حضرت کو سلاسل خاندانی کی اجازت و خلافت حضرت شاہ خدا بخش قلندرؒ خلف اصغر حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ الٰہ آبادی سے بھی حاصل تھی چنانچہ آپ نے اپنی کتاب "اصول المقصود" میں اس کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ حضرت کی کافی تصانیف ہیں جن میں سے اکثر چھپ چکی ہیں اور دو ایک باقی ہیں۔ آپ کی ظاہری و باطنی ہیبت و جلال اس قدر تھا کہ کچھ بھی لکھا جائے تو ایک طویل کتاب تیار ہو جائے۔ طالب کو آپ کے حالات "روض الازہر فی مآثر القلندر" میں معلوم کرنا چاہیے۔ اگر آپ کی ذات عالی کو تہذیب اخلاق کا معدن اور عموم اشفاق کا مخزن کہا جائے تو بجا ہے۔ پنجشنبہ کے روز ۲ جمادی الاولیٰ دوپہر کے وقت اچانک داہنی سمت فالج کا حملہ ہوا اور یکشنبہ کی رات قریب فجر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء) کو وفات پائی اور ظہر کے

وقت اپنی والدۂ ماجدہ اور اہلیہ صاحبہ کے مزاروں کے بیچ دفن ہوئے۔ قاضی احمد علی خاں صاحب نے ایک عظیم الشان عمارت بلند گنبد تعمیر کرائی اُس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔ عمر شریف چورانوے ۹۴ سال ہوئی۔ آپ کے خلفا بہت ہوئے۔ سب سے عظیم و رفیع خلفا آپ کے دونوں صاحبزادگان ہوئے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات از مولوی محی الدین خاں ذوق ؎

سوز کدام حادثہ سر زد کہ این سپہر — جانِ حزیں بشعلۂ ماتم کباب کرد

دانم کہ بدر اوجِ حقیقت تراب شاہ — زینجا بعزم خُلد مگر پا تراب کرد

(کس حادثہ کا سوز ہے کہ اس آفتاب نے اِس جانِ حزیں کو شعلۂ ماتم سے کباب کر دیا میں جانتا ہوں کہ آسمانِ حقیقت کے ماہِ کامل تراب شاہ اس عالم سے خلد بریں کی جانب روانہ ہوئے)

مولوی ہادی علی صاحب اشکؔ نے عربی زبان میں یہ تاریخ کہی ؎

مقتدی الخلق راح من دنیا — عاد نحو المعاد محملۂ

قال فکری لعامِ رحلتہٖ — قل بروض الجنان منزلۂ

(خلق کے مقتدی دنیا سے تشریف لے گئے اور اپنے محمل کو معاد کی طرف موڑ لیا۔ میری فکر نے سالِ وفات پر کہا۔ "کہہ کہ باغ جنت آپ کی منزل ہے")

از منشی محمد رضا صبرؔ ؎

پیر ما چون زجہانِ گزراں کرد سفر — شد ز بارِ المش پشت دوتا چرخ کہن

گفتم از روئے بکا مصرعِ سالِ تاریخ — پیر من، مرشد من، ہادی من، قبلہ من

(ہمارے پیر نے جب اس عالم سے سفر فرمایا آپ کے غم کے بار سے آسمانِ کہن کی پیٹھ دوہری ہو گئی روتے ہوئے میں نے آپ کی تاریخ وفات کا مصرع کہا "میرے پیر، میرے مرشد، میرے قبلہ اور میرے ہادی۔")

جاننا چاہیئے کہ سلسلہ قلندریہ کے بہت سے شعبے ہیں اور اس کا سب سے معتبر شعبہ مجائیہ ہے جو حضرت شاہ مجتبیٰ قلندر لاہرپوریؒ کے واسطے سے پہنچتا ہے اور اس شعبے کے بھی بہت سے شعبے ہیں جس میں سب سے مشہور شعبہ باسطیہ ہے جو حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادیؒ تک پہنچتا ہے اور اس

کے بھی بہت شعبے ہیں۔ حضرت مرشد کا تعلق دو شعبوں سے ہے ایک شعبہ مسعودیہ سے جو سید السادات حضرت شاہ مسعود علی قلندرؒ کے پیر بیعت کے ذریعہ حضرت مرشد تک پہنچا اور دوسرا شعبہ کاظمیہ جو سید الاوتاد محمد کاظم قلندرؒ کے واسطے سے پہنچتا ہے جیسا کہ اپنے منظوم شجرہ میں حضرت مرشدی فرماتے ہیں ؏ از دو شہنشاہ گردیدم مجاز (دو شہنشاہوں سے مجھے اجازت ملی) اس سے مراد حضرت شاہ مسعود علی قلندرؒ اور حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ ہیں۔

ذکر سید العارف یکتائے زمانہ جامع مکارم اخلاق مرضی الشمائل فی الآفاق قبلۃ الاتقیاء صفوۃ العلماء شیخ شیوخ امام عالم مولانا شاہ محمد کاظم قلندر علوی نور اللہ روحہ الاطہر

آپ حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادیؒ کے جلیل القدر خلفا میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۷رجب المرجب روز دوشنبہ ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ء) میں ہوئی۔ ذہانت و ذکاوت جودت ادراک خوبی صفات اور حسنِ اخلاق میں نادر آفاق اور یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کی ذات والاصفات رذائل سے معدوم اور فضائل سے معمور تھی۔ احکام شرعی سے تزکیۂ ظاہر اور طریقت جبلّی کے آداب سے تصفیہ باطن حاصل تھا۔ شروع کی کتابیں حافظ عبد العزیز کاکوروی اور عمدۃ العلماء الراسخین مولانا محمد حمید الدین کاکوروی نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھیں اور متوسطات اور منتہیات رئیس الاذکیا سید غلام یحییٰ بہاری اور ملّا حمد اللہ سندیلوی سے پڑھیں۔ درحقیقت آپ کے علوم وہبی تھے اور علوم ظاہری کا حصول سنت الٰہی کی حفاظت تھی۔ متقدمین صوفیہ کی کتابیں جیسے تعرف ابوبکر کلاباذیؒ، قوت القلوب ابوطالب مکیؒ، رسالۂ امام قشیریؒ، کشف علی غزنویؒ وغیرہ وغیرہ۔ اور متاخرین میں سے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، غوث اعظم محی الدین عبد القادر جیلانیؒ، شیخ محی الدین ابن عربیؒ، مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؒ وغیرہ وغیرہ کی کتابیں مستقل آپ کے مطالعہ میں رہتیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی روش راہِ سلوک میں بہت پسند فرماتے۔ طریقۂ علیہ قلندریہ علویہ میں حضرت کو عظیم الشان اور بلند حال عطا ہوا تھا اور اگر کوئی شخص اتباعِ سنّت اور اجتناب بدعت پر پوری طرح عامل نہ ہوتا تو وہ آپ کے معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اللہ تعالیٰ نے عوام و خواص سب کے دلوں میں عظیم قوت اور زبردست عظمت آپ کی پیدا کی تھی اور آپ کو مرتبۂ قطب الاقطاب اور ولایت عظمیٰ کے درجات عطا فرمائے تھے۔ فقہا، فقرا، اور

طالبانِ علم تمام عالم سے آپ کی طرف کھنچ کر آتے۔ آپ کے قلب مبارک سے حکمت کے محیط چشمے زبان فیض ترجمان پر جاری ہوتے اور علاماتِ قدرت و اماراتِ ولایت کے علامات ظاہر و روشن کر دیے گئے تھے۔ جود و تصرف کے خزائن آپ کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ آپ کے تصرف سے تمام لوگ غلط راستے سے صراطِ مستقیم پر لگ گئے، آپ کے ہم عصر تمام مشائخ و اکابر آپ کے فضائل اور ولایت کے معترف تھے اور آپ کی تعظیم و تکریم بجالاتے تھے۔ دین و شریعت کی جو برکتیں آپ کی توجہ سے ظاہر ہوئیں اُن کے آثار اب بھی باقی ہیں جو آپ کے کمالِ باطنی کی دلیل ہے رضی اللہ عنہ۔ آپ کے ریاضات و مجاہدات، کرامات و محاسنِ اخلاق و محامدِ اوصاف، آدابِ ظاہر و باطن اور ورع و تقویٰ آپ کے مرتبۂ ولایت کی بلندی اور قطبیت کے مرتبہ کی ایک واضح دلیل ہیں۔

"فصول مسعودیہ" میں جو سید السادات شاہ باسط علی قلندرؒ کا ملفوظ ہے لکھا ہے کہ حضرت (شاہ محمد کاظم قلندرؒ) دس سال تک اپنے مرشد طریقت کی خدمت میں حاضر رہے علم حقیقت کی تحصیل اور اذکار و افکار و دعوت اسما کی تکمیل اچھی طرح فرمائی اور سلاسل سبعہ کی اجازت سے سرفراز ہوئے اور صاحب سرِ عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر لقب پیر و مرشد سے پایا۔ اپنے وطن میں رہ کر ایک عالم کو طاعات و مجاہدات کے انوار علوم دینی کے افادہ اور معارف یقینی کے استفاضہ سے مستفیض فرمایا۔ غرضیکہ خاندان قلندریہ باسطیہ میں مثل آفتاب درخشاں تھے آپ کے کمالات اظہر من الشمس ہیں جو محتاج بیان نہیں۔ کتاب "اصول المقصود" "مجاہدات الاولیاء" اور مثنوی شیخ فیض بخش صاحب" جو آپ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے آپ کے حالات کے لیے بہت کافی ہیں۔ ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں تپ کی بیماری میں ۱۲ ربیع الآخر روز چہار شنبہ ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) میں وفات پائی۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ کو سید محمد عدل عرف شاہ لعل بریلوی کے معتبر خلیفہ مولوی احمدی صاحب ساکن کرسی سے اجازت بالمعاوضہ ملی یعنی حضرت والا نے اُن کو سلسلۂ قلندریہ کی اجازت دی اور انھوں نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ کی آپ کے بڑے خلفاء میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ میر محمد قلندرؒ اور آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت مولنا شاہ تراب علی قلندرؒ و حضرت مولنا شاہ حمایت علی قلندرؒ تھے۔ اِن حضرات کے علاوہ آپ کے دیگر خلفاء کی تفصیل کتاب "اصول المقصود" میں ہے۔ مزار شریف تکیہ شریف کے اندر اپنے والدین کے پائین ہے کچھ عرصہ بعد آپ کے مخلص مرید شیخ لعل محمد نے ایک عالیشان عمارت اور بلند روضہ بنوا دیا جواب بھی لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ تاریخ وفات از حضرت پیر و مرشد شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ ؎

شاہ کاظم قدوۂ اہلِ صفا　　صاحب سرو امامِ عارفاں
چوں ز دنیا رفت واصل شد بحق　　از فراقش ماتمے شد الاماں
شد بفکر سال تاریخش تراب　　از برائے یادگارِ طالباں
ہاتف غیب از سر افسوس گفت　　حیف رحلت کرد آں قطب زماں

۱۲۲۱ھ

(اہل صفا کے سردار شاہ کاظم جو صاحب سِر اور امام عارفاں تھے جب دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کی جدائی میں ایک ماتم برپا ہوا۔ آپ کی سن وفات طالبوں کی یادگار کے لیے تراب نے نکالی۔ ہاتف غیب نے افسوس کرتے ہوئے کہا افسوس قطب زمانہ نے رحلت فرمائی۔ یہاں افسوس کے سر یعنی الف کا تخرجہ ہے)

ذکر سید اجل قدوۂ ارباب طریق زبدۂ اصحاب تحقیق سلالۂ سادات کرام نتیجۂ اولیا اکابر عظام نورِ ازہر و نورِ اظہر سیدنا حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی قدس سرہٗ

آپ کی ولادت باسعادت یکشنبہ کے روز ۲۳ محرم الحرام ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ء) کو ہوئی۔ آپ اپنے والد گرامی حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ اور جانشین تھے۔ سن تمیز کی ابتدا سے عالم جوانی تک اپنے والد ماجد کی گود میں تربیت پائی اور اورکمال حاصل کیا۔ کتاب و سنت کے علوم کے عالم اور شریعت و طریقت و حقیقت میں کامل تھے۔ کتب تصوف و دیگر علوم کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی اور اسرار باطن بھی آپ سے حاصل کیے۔ آپ کے تمام معارف دراصل آپ کے والد ماجد کے معارف ہیں، جو آپ کے آئینۂ باطن میں عکس پذیر ہیں اور آپ کے تمام علوم گویا کہ آپ کے والد گرامی کے علوم ہیں۔ آپ کے تمام کمالات عطیہ ہیں جن میں کسب کو دخل نہیں آپ کا کوئی وقت رات دن میں سے طاعات و عبادات سے خالی نہ رہتا۔ آپ کے والد ماجد نے تمام درویشی امور اور اسرار و اذکار قلندری سے آپ کو مالا مال فرما دیا لیکن بیعت کی رسم اور اجازت و خلافت، اپنے مرشد زادہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن قلندرؒ خلف و خلیفہ سیدنا شاہ الہدیہ احمد قلندر

قدس سرہٗ سے بطریق ادب وسنت آبائی کروائی اُس کے بعد اپنی زندگی میں اجازت وخلافت اور جانشینی عطا فرمائی اور حضرت اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد پچیس سال رُشد وہدایت کی مسند پر فائز رہے۔ آپ کی وفات ۲۵ جمادی الاولیٰ روز دوشنبہ ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) کو ہوئی عمر شریف پچپن سال کی ہوئی۔ آپ کا مزار شریف موضع دمگڑھ میں اپنے چچا حضرت شاہ محمد واصل کے برابر مشرق میں ہے اور آپ کے مشہور ترین خلیفہ جن سے سلسلۂ عالیہ قلندریہ باسطیہ کی ترویج ہوئی۔ وہ حضرت مولٰنا و مرشدنا شاہ تراب علی قلندر کاکوروی رح تھے۔ اگر اس سے زیادہ حالات درکار ہوں تو کتاب "اصول المقصود" کا مطالعہ کیا جائے۔

ذکر عمدۃ المشائخ والاقطاب امام الائمہ فرد الاحباب سید السادات، مسند السعادات رابط النعم و باسط الایادی ملقب بہ اسرار اللہ وکلید عرفاں سیدی شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی رح

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) میں ہوئی۔ آپ سید رضوی نیشاپوری خلاصۂ دودمانِ سیادت اور سلالۂ اہل علم وعبادت تھے۔ صغر سنی میں ہی تحصیل علم کے ارادہ سے وطن مالوف سے ہجرت فرمائی اور کئی سال تک اپنے استاد سے علوم عقلی ونقلی کا سبق لیتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد قسمت نے حضرت شاہ الہدیہ احمد قلندر لاہر پوری کی خدمت میں پہنچا دیا۔ چند سال آپ کی خدمت بابرکت میں رہتے ہوئے بیعت وارادت اور اذکار وافکار قلندریہ کی تعلیم سے مشرف ہوئے۔ ایک روز حضرت قلندر صاحب نے فرمایا کہ علم ظاہر جو اتنی محنت سے تم نے حاصل کیا ہے اور قریب فراغت کے پہنچ چکے ہو اب ایسا کرو کہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر جو بقیہ علم ہے اس سے بھی فارغ ہو لو۔ چنانچہ حضرت سید صاحب دوسرے ہی روز صبح کو رخصت ہو کر حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور پانچ سال ان کی خدمت میں رہ کر ہدایہ کی دونوں آخری جلدیں، شرح مواقف، حاشیہ سید زاہد ہروی اور دوسری معقول وحدیث وتفسیر کی کتابیں اُن سے پڑھیں اور سند صحیح حاصل کی۔ دوبارہ حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تصوف وحقائق کی کتابیں اُن سے پڑھیں اور تکمیل اسماد کے لیے چلے کھینچے۔ حتیٰ کہ اسرار محمدیؐ و مرتضویؑ سے مالامال ہوتے ہوئے مقصد اصلی پر فائز ہوئے اور اجازت وخلافت سبعہ سلاسل سے سرفراز ہوئے۔ اپنے وطن مالوف میں مامور کیے گئے اور ایک عالم کو فیض ارشاد سے سیراب فرمایا۔ حضرت کو عالم ارواح سے حضوری

ہمیشہ حاصل رہتی جو بھی چاہتے عالمِ ارواح سے دریافت فرمالیتے۔ حضرت کو عجیب مقام اور استعداد حاصل تھا۔ بہت کم اولیاء اللہ کو ایسی نسبت اور قدرت حاصل ہوتی ہے۔ آپ کے ریاضات و مجاہدات کی تفصیل "مناقب الاصفیا، فصول مسعودیہ، اصول المقصود اور مجاہدات الاولیاء" میں درج ہے۔ حضرت کی وفات ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف بیاسی سال ہوئی۔ قطعۂ تاریخ وفات از مولوی عبداللہ جونپوری ہے

حضرت مظہر حق قطب زماں غوث جہاں ۔۔۔ رخت از دار فنا بست سوئے باغ ارم
وقت روز و مہ و سال از تو چو پرسند بگو ۔۔۔ شب شنبہ سحرا ہفتدہم عید دُوُم

(حضرت مظہر حق قطب زماں غوث جہاں اس دار فانی سے باغ ارم کی طرف کوچ کر گئے وقت دن، مہینہ اور سال اگر تم سے پوچھا جائے تو کہہ دو شنبہ کی رات صبح ہوتے ہوئے ۱۷ ذی الحجہ)

حضرت کی مزار شریف پر جو موضع دمگڑھ میں الہ آباد سے چند میل کے فاصلہ پر ہے مہاراجہ ٹکیت رائے نے جو آپ کے مخصوص خادم تھے نہایت نفیس روضہ ہزارہا روپے کی لاگت سے بنوایا اُس کی زیارت سے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔ آپ کے عظیم خلفاء میں سے جو کمالات ظاہری و باطنی اور صاحب تصانیف ہوئے ہیں اُن میں عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر کاکوروی، مولنا عبدالقادر جونپوری، مولنا فضل علی ساکن ترو ہا، مولنا شاہ حفیظ اللہ امیٹھوی ہیں۔ دوسرے خلفاء کا حال "فصول مسعودیہ" اور "مناقب الاصفیا" میں تلاش کریں۔

ذکر شیخ علامہ عارف الفہامہ مشہود لہٗ بالقطبیہ العظمیٰ شیخ امجد سمیّ حبیب اللہ الصمد قطب العارفین و غوث العالمین سیدنا شاہ الہدیہ احمد قلندر لاہر پوری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ مجتبیٰ عرف شاہ مجا قلندر کے سگے بھتیجے اور حضرت شاہ فتح قلندر کے خلیفہ ہیں۔ شروع میں علوم ظاہری اپنے شہر کے علماء سے حاصل کرنے کے بعد اپنے عہد کے مشائخ کی خدمت میں مرشد کی تلاش میں روانہ ہوئے آخر کار حضرت شاہ فتح قلندرؒ کی بیعتِ ارادت میں داخل ہو کر علوم باطنی کی تکمیل اور طریقت کا کماحقہٗ کسب فرماتے ہوئے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور قلندر پور سے رخصت ہو کر لاہر پور

میں مقیم ہو گئے۔ ایک عالم آپ کی ذات بابرکات سے مستفیض ہوا۔ کرامات وتصرفات اور ریاضات ومجاہدات اس قدر ہیں کہ تحریر میں گنجائش نہیں۔ اپنے وقت کے قطب تھے۔ "فصول مسعودیہ" میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت شاہ فتح قلندرؒ نے شاہ بہاالحق خیرآبادی سے جو شاہ فتح قلندرؒ کے خلیفہ اور شاہ الہدیہ احمد قلندرؒ کے خالہ زاد بھائی تھے، فرمایا "مبارک ہو اس وقت تمہارے خالہ زاد بھائی کو حضرت رسالت پناہ صلعم اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے قطبیت کی خلعت عطا ہوئی ہے اور جناب پنجتن پاکؑ سے بھی۔ حضرت کا خطاب قطب العارفین اور غوث العالمین تھا۔ خود فرماتے تھے کہ مجھے یہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حاصل ہوئے۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں سے بہت خاص تعلق تھا۔ آپ کے حالات عجیب وغریب ہیں۔ آپ کی وفات ۲۲ ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۵ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار لاہرپور میں حضرت شاہ مجا قلندرؒ کے مزار کے ابر جانب مشرق ہے۔ مولانا عبدالقادر صاحب جونپوریؒ نے تاریخ وفات کہی ہے ؎

شاہ الہدیہ احمد سیرت ۔۔۔ وارثِ مرتبۂ قاب دو قوس
بہر سالِ سفرِ آنحضرت ۔۔۔ خواں زقرآں یرثون الفردوس

۱۱۴۷ھ

(شاہ الہدیہ حضور انور صلعم کی سیرت سے مشابہ مرتبۂ قاب قوسین کے وارث۔ آنحضرت کی رحلت کا سال میں نے قرآن سے "یرثون الفردوس" (وہ فردوس بریں کے وارث ہیں) سے نکالا)

آپ کے خلفاء سید الہدیہ ہرگامی، قاضی مبارک گوپاموی (شارح سلّم ومحشّی زواہد ثلاثہ) اور شاہ عزت اللہ نواسۂ شاہ شرف الدین یحییٰ منیری، مولانا محمد مقیم، سید مراد رسول، مولانا نظام الدین، مولانا اکرام اللہ، مولانا عبدالغفور الہ آبادی، مولوی محسن قدوائی، شاہ عزیز اللہ دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی جو فرزندان خواجہ باقی باللہ میں سے تھے، اور آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالرحمٰن قلندر وغیرہ ان میں سے اکثر عالم ومدرس وصاحب تصانیف گزرے ہیں جس کی تفصیل "اصول المقصود" اور مناقب الاصفیاء میں درج ہے۔

ذکر عارف الجلیل والکامل النبیل عارج معارج الکشف والشہود ناہج مناہج الکون والوجود سیدنا شاہ فتح قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ مجتبیٰ عرف شاہ مجا قلندر لاہرپوریؒ کے کامل ترین خلفاء میں سے اور حضرت شاہ عبدالقدوس قلندر جونپوریؒ کے بھتیجے تھے۔ اوائل میں اپنے عم بزرگوار کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے اور آخر میں عم محترم کے وصال کے بعد اُن کے حکم کے مطابق حضرت شاہ مجا قلندرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادۂ کمالات فرماتے ہوئے اجازت و خلافت سلاسل سبعہ سے مشرف ہوئے آپ کی ذات گرامی سے طریقۂ قلندریہ کی جتنی اشاعت و ترویج ہوئی اتنی اور کسی سے نہ ہوئی۔ ہزارہا لوگ دور دراز کے شہروں سے آکر درجۂ کمال و تکمیل پر فائز ہوئے۔ منقول ہے کہ جب حضرت شاہ مجا قلندرؒ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تکمیل پا چکے تو ایک روز حضرت قلندر صاحب نے آپ سے دریافت فرمایا کیا تم کو اتنی قدرت حاصل ہو گئی یا نہیں کہ حضرت عبدالعزیز مکیؒ کو بیدار کر لو۔ عرض کیا حضور ایک شخص کو بیدار کرنے کو فرما رہے ہیں اگر حکم ہو تو لاہرپور سے جونپور تک تمام مُردوں کو زندہ کر دوں اور یہاں سے وہاں تک حشر برپا کر دوں۔ حضرت نے فرمایا۔ بس۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے لیکن اس کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مصلحت وقت نہیں ہے۔ حضرت شروع میں ایک پہاڑ پر ایک پتھر کی ٹیک لگا کر ریاضت میں مشغول ہوئے اور مدت دراز تک اُسی ایک جگہ پر اُسی حالت میں رُکے رہے جنبش بھی نہ کی یہاں تک مشہور ہے کہ ایک بار پیغمبر خدا صلعم نے حکم دیا کہ اے قلندر پہاڑ سے اُترو اور لوگوں کو ہدایت دو۔ جب حضرت نے پیٹھ کو اس پتھر سے الگ کرنا چاہا تو ممکن نہ ہوا کیونکہ کھال اس میں چپک گئی تھی الگ نہ ہوتی تھی۔ غرضیکہ آپ کے کرامات و ریاضات و مجاہدات اس قدر ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ حضرت شاہ مجا قلندرؒ کے خلفاء میں سے کوئی بھی ایسا صاحب تصرف اور صاحبِ قدرت نہیں گزرا ہے۔ ایک دفتر درکار ہے جس میں آپ کے مناقب لکھے جائیں۔ حضرت کی وفات ۲۲ شعبان ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) میں ہوئی۔ تاریخ وفات "دخل الجنہ" سے نکالی گئی۔ آپ کی مزار شریف قلندرپور (اعظم گڑھ) میں ہے۔ آپ کے صاحبان کشف و کرامت مریدین تمام عالم میں چار ہزار ہوئے جن میں قاضی عبداللہ شریحی، شاہ ابو محمد، شاہ محمد آصف حسینی، سید محمد مکی، سید ابراہیم حسینی، شاہ الہدیہ احمد قلندر لاہرپوری وغیرہ ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "اصول المقصود"، "فصول مسعودیہ"

اور "مناقب الاصفیاء" سے رجوع کریں۔

ذکر شیخ عالم ربّانی مرشد ہادی صمدانی قطب الحقیقۃ الاسنیٰ سید العرفا ملقب بہ غیب بہ محی الدین ثانی سیدنا شاہ مجتبیٰ المعروف بہ شاہ مجا قلندر لاہرپوری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ عبدالقدوس قلندرؒ جونپوری کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔ سلسلۂ عالیہ قلندریہ نے آپ کی ذات گرامی سے رونق ورواج پایا۔ آپ کا نسب حضرت عبداللہ بن عباسؓ تک پہنچتا ہے۔ نقل ہے کہ حضرت اپنے مرشد کی خدمت میں اٹھارہ دن تک رہ کر قلندریہ، قادریہ اور چشتیہ اذکار واشغال میں مصروف رہے۔ اذکار کی کثرت اور پوری قوت کے ساتھ ذکر جلی کرنے کے سبب ایک روز قے ہوگئی اور بہت خون آیا یہاں تک کہ وہ موذی مرض جسے سل کہتے ہیں اور مدت سے آپ اُس مرض کے مریض تھے اُس کا سارا مادّہ دفع ہوگیا اور مکمل صحت حاصل ہوگئی۔ قطبِ عالمؒ نے وقتِ رخصت فرمایا کہ کیمیا کا نسخہ مجھے معلوم ہے اور خاندان قلندریہ معمول کے مطابق جانتے تھے اور اطمینان قلب کے لیے سیکھتے ہیں کہ عندالضرورت کام آئے۔ آپ نے عرض کیا حضور سلامت رہیں سب سے بڑا کیمیا یہ ہے کہ نئے سے پُرانا ہوجائے اور ممکن سے واجب ہوجائے۔ اس کیمیا کا نسخہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے بس یہی کافی ہے اور وہ کیمیا جس سے سونا بناتے ہیں اُس کی مجھے ضرورت نہیں میں اُسے نہیں سیکھوں گا۔ قطب عالم اُن کے اس استغنا اور عالی ہمتی سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "مجا تمہارا مرتبہ مجھ سے بڑھ کر ہے کیونکہ میں نے سیکھا اور عمل میں نہ لایا اور تم سیکھ بھی نہیں رہے ہو عمل کیا کروگے۔ آخر کار قطب عالم کی اجازت سے لاہرپور تشریف لائے اور آبادی سے باہر ایک محدود جگہ پر ایک مختصر مکان ٹھیک کیا اور وہاں مقیم ہوئے جو آپ کا اپنا تھا۔ رات دن ذکر وفکر میں مشغول رہتے۔ آپ کے کشف وکرامات ومجاہدات اس قدر ہیں کہ بیان سے باہر ہیں اگر "مناقب الاصفیا" "مرادالمریدین" "فصول مسعودیہ" اور "اصول المقصود" کا مطالعہ کیا جائے تو قدرے معلوم ہوسکتے ہیں۔ آپ کی عمر شریف ترسٹھ ۶۳ سال ہوئی۔ آپ کی وفات ۵ ربیع الآخر ۱۰۸۴ھ (۱۶۷۳ء) ہے۔ آپ کا روضۂ انور لاہرپور میں خیرآباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ مزار شریف سنگ مرمر کی ہے اور نواب عزت خاں دہلوی نے روضۂ شریف بنوادیا ہے۔ یہ آپ کے خلیفہ حضرت شاہ یوسف قلندر امیٹھویؒ کے

مخلص مریدوں میں سے تھے۔ آپ کے خلفا بہت ہوئے۔ شاہ عبدالرسول کچھندوی، شاہ عبدالرسول ترکی، شاہ عبدالرسول بنارسی، شاہ فتح قلندر جونپوری، شاہ محمد ماہ قلندر الہ آبادی، شاہ یوسف قلندر امیٹھوی، شاہ ابو نجیب قلندر امیٹھوی، شاہ جنید ثانی نبیرہ بندگی نظام الدین امیٹھوی، شاہ عباس قلندر، شاہ قاسم دہلوی، شاہ بہاالحق بن شاہ فتح قلندر، قاضی معین الدین المعروف بہ قاضی مینا مہونوی، شاہ عبدالنبی اکبر آبادی، شاہ محمد رفیع، شاہ محی الدین بلگرامی، شاہ مظفر اودھی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ وغیرہ۔

ذکر شیخ امام عمدۃ الابرار قدوۃ الاخیار قطب الہدیٰ کہف الوریٰ شیخ عبدالقدوس قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ قطب عالم شیخ اسلام شاہ عبدالسلام قلندر جونپوری رح کے خلف رشید اور راست خلیفہ ہیں۔ آپ کے مناقب اور کمالات بہت ہیں۔ باوجود کمالات کے ہمیشہ خمول و گمنامی، بے تعلقی اور ماسوا سے انقطاع آپ کا معمول تھا۔ حجۃ العارفین میں ہے کہ شاہ عبدالسلام رح نے اپنی وفات سے پہلے شیخ عبدالقدوس رح سے متعدد بار فرمایا کہ میرے بعد قطبِ زمانہ شاہ عبدالرحمٰن جانباز قلندر لاہرپوری رح کی خدمت میں جانا چاہیے چنانچہ آپ مدتوں قطبِ جہاں کی خدمت میں رہے اور علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے ہوئے اربابِ ولایت کے مقامات عالیہ پر فائز ہوئے اور وطن واپس تشریف لائے۔ راستہ میں لکھنؤ سے گزرے شیخ محمود قلندر لکھنوی آپ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آگئے اور عزت و تکریم کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرایا اور خاطر تواضع کی۔ وہاں سے آپ امیٹھی تشریف لے گئے۔ شیخ عبدالرزاق بن مخدوم خاصہ خدا پہلے سے ہی آپ کے استقبال کو موجود تھے، بڑے احترام کے ساتھ آپ کو اپنے گھر لائے اور ضیافت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ امیٹھی کے قیام میں شیخ نظام الدین امیٹھوی نے آپ کی صحبت میں بڑے فوائد اور فیوض حاصل کیے اس کے بعد شیخ عبدالقدوس رح جونپور آئے اور گمنامی کی بڑی کوشش کی۔ بہت کم لوگ یہ جانتے تھے کہ آپ قطب زمانہ ہیں علاوہ جونپور کے چند مشائخ کے۔ آپ کھانے کے لقمہ میں بڑی احتیاط فرماتے، قوت حلال کے حصول اور کسب ریاضت کو مخفی رکھتے ہوئے روزی حاصل فرماتے اور اپنے فقر پر پردہ ڈالے رہتے لیکن چونکہ آپ قوی نسبت تھے لہٰذا پوشیدہ نہ رہ سکے، شہرت ہو گئی اور آپ تمام عالم کے مرجع ہو گئے۔ نقل ہے کہ ایک روز ایک مہمان آئے آپ نے گھر

جاکر بیوی سے کہا کہ مہمان کے لیے روٹی پکاؤ وہ بولی لکڑی تو ہے نہیں کیا بالوں پر پکا دوں. حضرت نے آٹا گوندھ کر روٹی بناتے ہوئے اپنے سر مبارک پر رکھا اور ایسا حبس دم کیا کہ اُس کی گرمی سے روٹی پک گئی اور مہمان کے پاس لے گئے. مہمان خود صاحبِ باطن تھے وہ سمجھ گئے، بہت خوش ہوئے. نقل ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے روز شیخ عبدالکریم نامی سے فرمایا کہ جونپور کے بزرگوں کو خبر کردو کہ میری نماز جنازہ کے لیے آئیں انھوں نے پس و پیش کیا جب دوبارہ فرمایا تو وہ گئے اور لوگوں کو خبر دی. واپس آکر دیکھا کہ روح پرفتوح اعلیٰ علیین کو سفر کرچکی ہے. آپ کی تاریخ وفات یکشنبہ کے روز ۱۲ شوال ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) ہے. آپ کی عمر شریف ایک سو دس سال سے زائد ہوئی. مزار شریف علّن پور میں اپنے والد اور جد کے مزارات کے قریب ہے.

آپ کے خلفا بہت ہیں جن میں ایک دیوان عبدالرشید جونپوریؒ ہیں جن کے فضائل و مناقب علمی و عملی اظہر من الشمس ہیں. دوسرے قدوۃ العلما شیخ عطاءاللہ ولد مولوی غلام نقشبندیؒ سجادہ نشین شاہ پیر محمد لکھنوی نیز سید راجی احمد مانکپوری جو اپنے وقت کے کامل ولی اور شیخ حسام الحق مانکپوری کے سجادہ نشین تھے اور ملا محمد نعیم ساکن بدو سرائے اور ملا بدلی بھی قطب عالم کے مسترشدین میں سے تھے. قطب الاقطاب سے بیعت رکھتے تھے اور ان دونوں بزرگوں کے کمالات علمی و عملی مشہور ہیں اور شیخ شمس الدین محمد جونپوری مخدوم الملک کے جد بھی قطب عالم کے مسترشدین میں سے تھے.

ذکر شیخ اعظم و مرشد معظّم شمس سماء الولایۃ الکبریٰ مرکز دائرۃ ہدایۃ العظمیٰ شیخ الاسلام شاہ عبدالسلام قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ اپنے والد ماجد کے مریدین اور سلاسل کی اجازت و خلافت اور تعلیم و تربیت بھی انھیں سے ہے. بعض لوگوں کے قول کے مطابق اپنے دادا حضرت شاہ قطب الدین بینا دل قلندرؒ سے بھی اجازت و خلافت ہے. مرادالمریدین میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے شجرہ میں حضرت شیخ محمد قطب قلندر کا نام داخل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شیخ اسلام شاہ عبدالسلام قلندر نے اپنے دادا کا زمانہ پایا ہوگا. اس لیے کہ "صراط المستقیم" کے مطابق حضرت شاہ بینا دل قلندرؒ ۸۸۰ھ / ۱۴۸۳ء میں حیات تھے اور اس کے بعد بھی عرصہ تک حیات رہے ہیں. مخدوم شیخ عبدالرزاق بن مخدوم خاصۂ خدا

۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء سے پیشتر جونپور جاکر حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر مستفید ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت کی عمر مبارک ایک سو پندرہ سال تھی چنانچہ کئی جگہوں پر اس کا ذکر ہے۔ "محبوب القلوب" "مناقب حضرت بندگی" "خزانۂ بندگی" (جو تینوں کتابیں حضرت بندگی نظام الدین امیٹھوی کے حالات میں ہیں) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالسلام قلندرؒ کی تربیت اور تلقین بلا کسی واسطہ کے اپنے جدِ بزرگوار سے ہوئی ہو۔ آپ بہت ریاضات و مجاہدات اور کشف و کرامات کے مالک ہوئے ہیں چنانچہ نقل ہے کہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ آپ کے پاس جونپور حاضر ہوئے اور بولے کہ میں نے شیر شاہ کو مارنے کے لیے کتنی مرتبہ چلّے کیے اور اس کے لشکر پر اس کا اثر بھی ہوا لیکن بادشاہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کو اس کے وقت کا علم نہیں ہے اور فرمایا کہ فلاں وقت بادشاہ ہلاک ہوجائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ آپ کی وفات ۱۵ ذی قعدہ کو ہوئی۔ آپ کی مزار شریف مخدوم شیخ محمد قطب قلندرؒ کے مزار کے قریب مغرب کی سمت موضع علّن پور ضلع جونپور میں ہے۔ آپ کے صاحب کشف و کرامات خلفا بہت ہوئے جن میں شاہ عبدالرحمٰن جانباز قلندر لاہرپوریؒ جد حضرت شاہ مجا قلندر لاہرپوریؒ اور شاہ محمود قلندر لکھنویؒ (جنھوں نے طویل عمر پائی اور بہت لوگ اُن سے فیضیاب ہوئے) شیخ نظام الدین امیٹھوی سالہا سال آپ کی خدمت میں رہے ہیں اُن کی قبر لکھنؤ میں بنگالی باغ میں زیارت گاہ خلائق ہے اور شاہ عبدالرزاق بن مخدوم خاصۂ خدا ساکن امیٹھی بھی آپ کے خلیفہ ہیں چنانچہ شیخ عبداللہ ولد شیخ عبدالرزاق "خزانۂ بندگی" کے دوسرے باب میں لکھتے ہیں میرے شیخ و والد کو کئی جگہ سے خلافت ملی ہے ایک تو شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا معروف بہ مخدوم شیخ خاص دوسرے شیخ الاسلام شاہ عبدالسلام معروف بہ شیخ علّن قلندر جونپوری تیسرے بندگی نظام الدین امیٹھوی سے اور سلطان محمود جد مادری مُلّا محمود جونپوری بھی آپ کے خلفا میں سے تھے۔

ذکر شیخ امام عمدۃ السالکین نخبۃ الواصلین کاشف اسرار الصوری والمعنوی سیدنا شیخ محمد قطب قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ قطب الدین بینا دل قلندرؒ جونپوری کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ بیعت و تربیت

اور اذکار و اشغال و مراقبات، اسرار سلسلۂ عالیہ قلندریہ نیز دیگر سلاسل جن کی تفصیل کتابوں میں ہے اپنے والد ماجد سے حاصل کیے اور مدت العمر ریاضات اور مجاہدات میں گزار دی۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور رات رات بھر عبادت میں مشغول رہنے والے تھے۔ فقر کے امور میں اپنے والد ماجد کے خلف الصدق اور براہ راست خلیفہ تھے اور تمام سلاسل میں بانواعہا و انہا جہا والد ماجد کے بعد ان کی مسند ارشاد پر فائز ہو کر ایک عالم کو فیض پہنچایا۔ آپ کی روش گمنامی، تنہائی اور عالم سے بے تعلقی تھی اپنا حال پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش فرماتے۔ حضرت پر جذب و سُکر کی حالت اکثر طاری رہتی۔ اکثر اوقات مراقبہ میں سر زانو میں ڈالے رہتے جیسا کہ حضرت خضر رومی قلندرؒ کا معمول تھا۔ آپ زندہ کرنے اور مار ڈالنے پر دسترس رکھتے لیکن لوگوں کی نظر سے اپنے کو پوشیدہ رکھتے اور مخلوق کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے۔ توحید کے مسئلہ میں بہت کافی بیان فرماتے اور اکثر فرماتے کہ ابتدائے حال میں میرے پاس اثبات توحید کی دو دلیلیں تھیں اب بڑی جدوجہد کے بعد سولہ شافی دلائل مجھے دریافت ہو گئے ہیں۔ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک دُرویشی دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک تو تہذیب اخلاق دوسرے اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت۔ آپ کی عمر شریف نوّے ۹۰ سال ہوئی۔ وفات ۹ ذی قعدہ کو ہوئی سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی مزار شریف اپنے والد کی مزار شریف کی پائین علن پور میں جو فی الحال جوگیا پور اور شیخ پور کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے خلفاء مریدین بہت ہوئے۔ معتبر اور مشہور خلفا میں ایک آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبد السّلام قلندرؒ ہیں۔

ذکر عارف جلیل واصل جمیل قدوۂ اہل کشف والشہود اسوۂ ارباب عرفان والوجود حامل اسرار نبوی سیدنا شاہ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب کی اولاد میں ہیں۔ ولادت باسعادت ۷۷۶ھ (۱۳۷۴ء) میں ہوئی۔ آپ کو غوث زماں سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ سے اجازت و خلافت تھی۔ "مراد المریدین" میں لکھا ہے کہ جب سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ سرہرپور پہنچے جو جونپور کے قریب ہے تو حضرت قطب الدین بینا دل قلندرؒ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا فرمایا "میری یہ ساری سیر و سفر اس بچہ کی تربیت باطنی کے لیے ہے۔" اس کے بعد تربیت میں مشغول ہو گئے جب کام ختم ہو گیا تو سلسلۂ قلندریہ اور دیگر سلاسل کی امانات

۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء سے پیشتر جونپور جاکر حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر مستفید ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت کی عمر مبارک ایک سو پندرہ سال تھی چنانچہ کئی جگہوں پر اس کا ذکر ہے۔ "محبوب القلوب" "مناقب حضرت بندگی" "خزانۂ بندگی" (جو تینوں کتابیں حضرت بندگی نظام الدین امیٹھوی کے حالات میں ہیں) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالسلام قلندرؒ کی تربیت اور تلقین بلا کسی واسطے کے اپنے جدِ بزرگوار سے ہوئی ہو۔ آپ بہت ریاضات و مجاہدات اور کشف و کرامات کے مالک ہوئے ہیں چنانچہ نقل ہے کہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ آپ کے پاس جونپور حاضر ہوئے اور بولے کہ میں نے شیر شاہ کو مارنے کے لیے کتنی مرتبہ چلّے کیے اور اس کے لشکر پر اس کا اثر بھی ہوا لیکن بادشاہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کو اس کے وقت کا علم نہیں ہے اور فرمایا کہ فلاں وقت بادشاہ ہلاک ہوجائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ آپ کی وفات ۱۵ ذی قعدہ کو ہوئی۔ آپ کی مزار شریف مخدوم شیخ محمد قطب قلندرؒ کے مزار کے قریب مغرب کی سمت موضع علّن پور ضلع جونپور میں ہے۔ آپ کے صاحب کشف و کرامات خلفا بہت ہوئے جن میں شاہ عبدالرحمٰن جانباز قلندر لاہرپوریؒ جد حضرت شاہ مجا قلندر لاہرپوریؒ اور شاہ محمود قلندر لکھنویؒ (جنھوں نے طویل عمر پائی اور بہت لوگ اُن سے فیضیاب ہوئے) شیخ نظام الدین امیٹھوی سالہا سال آپ کی خدمت میں رہے ہیں اُن کی قبر لکھنؤ میں بنگالی باغ میں زیارت گاہ خلائق ہے اور شاہ عبدالرزاق بن مخدوم خاصۂ خدا ساکن امیٹھی بھی آپ کے خلیفہ ہیں چنانچہ شیخ عبداللہ ولد شیخ عبدالرزاق "خزانۂ بندگی" کے دوسرے باب میں لکھتے ہیں میرے شیخ و والد کو کئی جگہ سے خلافت ملی ہے ایک تو شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا معروف بہ مخدوم شیخ خاص دوسرے شیخ الاسلام شاہ عبدالسلام معروف بہ شیخ علّن قلندر جونپوری تیسرے بندگی نظام الدین امیٹھوی سے اور سلطان محمود جد مادری مُلّا محمود جونپوری بھی آپ کے خلفا میں سے تھے۔

ذکر شیخ امام عمدۃ السالکین نخبۃ الواصلین کاشف اسرار الصوری والمعنوی سیدنا شیخ محمد قطب قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ قطب الدین بینا دل قلندرؒ جونپوری کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ بیعت و تربیت

اور اذکار و اشغال و مراقبات ، اسرار سلسلۂ عالیہ قلندریہ نیز دیگر سلاسل جن کی تفصیل کتابوں میں ہے اپنے والد ماجد سے حاصل کیے اور مدت العمر ریاضات اور مجاہدات میں گزار دی۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور رات رات بھر عبادت میں مشغول رہنے والے تھے۔ فقر کے امور میں اپنے والد ماجد کے خلف الصدق اور براہ راست خلیفہ تھے اور تمام سلاسل میں بانواعہا وانہاجہا والد ماجد کے بعد ان کی مسند ارشاد پر فائز ہو کر ایک عالم کو فیض پہنچایا۔ آپ کی روش گمنامی، تنہائی اور عالم سے بے تعلقی تھی اپنا حال پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش فرماتے۔ حضرت پر جذب و سکر کی حالت اکثر طاری رہتی۔ اکثر اوقات مراقبہ میں سر زانو میں ڈالے رہتے جیسا کہ حضرت خضر رومی قلندرؒ کا معمول تھا۔ آپ زندہ کرنے اور مار ڈالنے پر دسترس رکھتے لیکن لوگوں کی نظر سے اپنے کو پوشیدہ رکھتے اور مخلوق کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے۔ توحید کے مسئلہ میں بہت کافی بیان فرماتے اور اکثر فرماتے کہ ابتدائے حال میں میرے پاس اثبات توحید کی دو دلیلیں تھیں اب بڑی جد و جہد کے بعد سولہ شافی دلائل مجھے دریافت ہو گئے ہیں۔ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک درویشی دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک تو تہذیب اخلاق دوسرے اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت۔ آپ کی عمر شریف نوّے (۹۰) سال ہوئی۔ وفات ۹ ذی قعدہ کو ہوئی سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی مزار شریف اپنے والد کی مزار شریف کی پائین علن پور میں جو فی الحال جوگیا پور اور شیخ پور کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے خلفاء مریدین بہت ہوئے۔ معتبر اور مشہور خلفا میں ایک آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالسلام قلندرؒ ہیں۔

ذکر عارف جلیل واصل جمیل قدوۂ اہل کشف والشہود اسوۂ ارباب عرفاں والوجود حامل اسرار نبوی سیدنا شاہ قطب الدین بینا دل قلندر جونپوری قدس سرہٗ

آپ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب کی اولاد میں ہیں۔ ولادت باسعادت ۷۷۶ھ (۱۳۷۴ء) میں ہوئی۔ آپ کو غوث زماں سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ سے اجازت وخلافت تھی۔ "مراد المریدین" میں لکھا ہے کہ جب سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ سرہر پور پہنچے جو جونپور کے قریب ہے تو حضرت قطب الدین بینا دل قلندرؒ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا فرمایا "میری یہ ساری سیر و سفر اس بچہ کی تربیت باطنی کے لیے ہے۔" اس کے بعد تربیت میں مشغول ہو گئے جب کام ختم ہو گیا تو سلسلۂ قلندریہ اور دیگر سلاسل کی امانات

اُن کے سپرد کیں اور قطب الدین بدیع دل قلندرؒ کو سرانداز غوثی کا لقب عطا فرمایا اور خود روانہ ہوگئے۔
آپ کا لقب بینا دل اس وجہ سے ہوا کہ آپ کے ظاہری آنکھیں نہ تھیں اور جو چیزیں آنکھ والے آنکھ سے
نہ دیکھ سکتے وہ بھی آپ باطنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ سرانداز غوثی کا لقب اس لیے پایا کہ سلسلۂ قلندریہ میں
ایک ذکر ہے جسے "ذکر غوثیہ" کہتے ہیں حضرت نے یہ شغل پایۂ تکمیل کو پہنچادیا چنانچہ حضرت شاہ مجا قلندرؒ نے
"انیس العاشقین" میں اسی کسب کا تذکرہ فرمایا ہے کہ حضرت غوث العالمین قطب الدین بینا دل قلندر کو آسمانوں
اور زمینوں کی سیر اسی کے کسب سے حاصل تھی اور ذکر کرنے کے دوران آپ کا سر مبارک جدا ہوجاتا تھا یہ
مرتبہ غوث کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت کو سلسلۂ قلندریہ مکیّہ علویہ، طیفوریہ، چشتیہ، قطبیہ، نظامیہ، قادریہ،
سہروردیہ، نظامیہ کی اجازت سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ سے اور سلسلہ فردوسیہ کی اجازت وخلافت
شیخ حسین بن معز بن شمس بلخیؒ سے حاصل ہے۔ اکابرین قلندریہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب شیخ حسین بن معزؒ
کو کشف سے معلوم ہوا کہ شاہ قطب الدین بینا دل قلندرؒ کی امانت ہمارے پاس ہے تو شہر پور جا کر
علوم و اعمال اذکار سلسلۂ فردوسیہ کی تعلیم و تلقین آپ کو کی اور یہ تعلیم و تلقین حضرت سید نجم الدین
غوث الدہر قلندرؒ کی ملاقات سے بیشتر ہوئی۔ چنانچہ مولوی بحر العلوم والمعارف مولانا عبد القادر
جونپوری اپنے رسالۂ منظوم میں لکھتے ہیں کہ شیخ حسین بن مُعز اذکار کی تلقین کے بعد فرماتے ہیں ؎
گفت کار شما بساز دراست ؛ سیدی کو کنوں بغار حراست (فرمایا تمھارا کام درست فرمائے گا میرا
وہ آقا جو اس وقت غارِ حرا میں ہے) آپ کو سلسلۂ سہروردیہ بہائیہ کی اجازت و خلافت (جو شیخ
بہاء الدین زکریا ملتانی سے منسوب ہے) شیخ شمس الدین بدھن ظفر آبادی سے ہے وہ ظفر آباد حضرت
قلندر صاحب کے گھر آئے اور اذکار قلندریہ کی درخواست کی۔ قلندر صاحب نے فرمایا کہ اس بڑھاپے میں
کیسے ہوسکتے ہیں۔ اُس کے بعد گھر گئے اور وہاں سے سلسلۂ سہروردیہ کی اجازت جو اپنے پاس تھی لکھ کر
بھیجی چنانچہ مولوی معنوی اپنے منظوم رسالہ میں فرماتے ہیں ؎

آمد از قطب خواست وصعب انگاشت ؛ رفت وا ہدا نمود انچہ بداشت

(قطب کے پاس سے آئے اور کچھ مانگا اُسے بہت دشوار سمجھا آپ گئے اور جو کچھ
بھی تھا وہ ہدیہ فرمادیا)

آپ کی وفات ۲۵ شعبان المعظم ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء) کو ہوئی۔ عمر شریف ایک سو انچاس (۱۴۹) سال

سے بھی پانچ روز زیادہ ہوئی۔ پتھر کا مزار شریف جونپور کے محلہ علن پور میں جواب جوگیا پور کے نام سے مشہور ہے واقع ہے۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ میرا فاتحہ گوشت پر نہ کرنا بلکہ شکر ملے ہوئے دہی یا کھیر پر جس کو یہاں سکھرن کہتے ہیں فاتحہ کیا جائے۔ آپ کے خلفا بہت ہیں بعض کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ قصیدہ کبری کے شارح شاہ نظام الدین قلندر بہاری مخدوم شاہ عماد جو بحر العلوم والمعارف مولوی عبدالقادر جونپوری کے جدّ ہیں، سید فضل اللہ معروف بہ سید گوشائیں قطبی منیری جو حضرت غوث الثقلین سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی کی اولاد امجاد میں ہیں، شاہ داؤد سرمست قلندر جو حضرت کے داماد بھی ہیں، شاہ نصیر قلندر، شاہ نور قلندر بن شاہ نصیر قلندر اور وہ اپنے والد کے بھی خلیفہ تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ نصیر قلندر نے آپ کی علوِ مرتبت دیکھی تو فرمایا دو آفتاب ایک جگہ نہیں رہ سکتے اور اسی وجہ سے آپ شہر پور میں مقیم ہو گئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ اخبار الاخیار میں جو یہ لکھا ہے کہ شاہ نور قلندر شاہ داؤد قلندر کے مرید ہیں اور شاہ بیرک نے ان سے تربیت پائی ہے وہ شاہ نور دوسرے ہیں جن کا مزار باندہ میں ہے۔ دوسرے امیر سید وجہ الدین حسینی قادری عرف امیر سید گوشائیں سمندر، توحید اور ابراہیم صوفی وغیرہ جن کے نام کی تفصیل طول عمل ہے اگر ان سب کا تفصیلی حال درکار ہو تو اصول المقصود، فصول مسعودیہ، مناقب الاصفیا، مراد المریدین وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

ذکر سلطان السالکین برہان الواصلین سیّدِ سعید قطبِ حمید سیدنا سیّد نجم الدین غوث الدّہر قلندر قدس سرہ

آپ کی ولادت ۶۳۷ھ (۱۲۳۹ء) میں ہوئی۔ آپ حسینی سادات میں سے ہیں۔ نسب شریف امام زید شہید علیہ السلام فرزند امام عالی مقام زین العابدین علیہ السلام سے ملتا ہے چنانچہ اصول المقصود اور دوسری معتبر کتابوں میں ہے کہ آپ کے جدِّ بزرگوار سید مبارک غزنوی رح شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رح کے خلفا میں سے ہیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد ماجد آپ کو لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے دیکھ کر فرمایا مُہوَ مِنّا (وہ ہم میں سے ہی ہے)، جب گھر واپس آئے تو ایسے بیمار ہوئے کہ گویا مُردہ ہیں لیکن والد نے دفن کرنے میں تامّل کیا اور فرمایا شیخ نے اس کے حق میں فرمایا ہے وہ ہم میں سے ہی ہے لہٰذا اس کو شیخ سے

کچھ حصہ ملے گا اور اس سے پہلے وہ مر کیسے سکتا ہے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کیا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ سکتہ ہو گیا ہو اُس کے بعد احباب سے فرمایا آؤ دیکھا جائے وہاں تشریف لے گئے اور چادر چہرہ سے ہٹائی اور فرمایا ٹھیک ہے۔ اُس کے بعد آپ کو ہوش آ گیا اور آپ رونے لگے۔ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ نے آپ کی تربیت فرمائی، اپنا خلیفہ بنایا اور غزنیں میں رشد و ہدایت کے واسطے بھیج دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ پہلے حضرت سلطان الاولیاء سید نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور ریاضات و مجاہدات کیے لیکن کشودِ کار نہ ہوا تب حضرت سلطان الاولیاؒ نے فرمایا اس وقت ایسا معلوم ہوا ہے کہ تمہاری تکمیل سند المجذوبین حجۃ المحبوبین سید خضر رومیؒ کے ہاتھ سے ہو گی جو سرزمین روم میں قلندریہ سلسلہ کے مقتدا و پیشوا ہیں وہاں جاؤ اور اُن سے طلب کرو۔ حضرت سید ملک روم پہنچے اور روم کے ایک بازار میں دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت جن کا پیشوا ایک صاحب عظمت و ہیبت اور صاحب جلال بزرگ ہے جا رہی ہے اور حلیہ وہی ہے جو سلطان الاولیاؒ نے بتایا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ نورانی بزرگ اور یہ جماعت کون ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ سند المجذوبین سید خضر رومیؒ ہیں اور یہ جماعت قلندروں کی ہے۔ حضرت سید صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ جان لینے کے بعد میں نے حضرت کے پائے مبارک پر اپنا سر رکھ دیا حضرت سیدؒ نے کچھ پوچھے بغیر فرمایا نجم الدین جئت سالماً غانماً (اے نجم الدین تم خوب آئے) اُس کے بعد فرمایا ہمارے بھائی نظام الدین اچھے ہیں؟ میں نے ادب سے عرض کیا کہ شیخ بخیریت ہیں۔ پھر فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہارے شیخ نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے تم خوب آئے تم کو میں نے قبول کیا جب اپنی منزل پر واپس تشریف لائے تو مجھ کو اپنی نعش کے نیچے جگہ عطا فرمائی اور خود بیٹھ گئے۔ نعش مبارک جو تھی وہ حضرت کی ذات تھی جو مراقبہ میں تھی۔ آپ کی خدمت میں حاضر رہ کر بر سہا برس میں نے سفر کیا اور منازل طے کیے۔ زمین کے چپہ چپہ پر میں گھومتا رہا۔ آپ کے احکام کی تعمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اُس کے بعد حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں ہندوستان حاضر ہوا۔ حضرت نے کوئی تربیت اور تلقین نہ فرمائی تھی کہ قلندریہ جماعت کو چھوڑ کر امام الاولیا، حجۃ الاصفیا مولانا معین الحق والدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسم اعظم کی دعوت میں مشغول ہوا یہاں تک کہ یہ خبر حضرت سید صاحب کے گوش مبارک میں پڑی اور احباب سے فرمایا کہ جاؤ اور سید نجم الدین کو لے آؤ کہ وہ غیر خدا کی مشغولی کر رہا ہے لوگ آ کر مجھے حضرت کی خدمت میں لے گئے آپ نے مجھے نان گوشت اور شوربہ

کھانے کا حکم دیا کیونکہ اُس تعلیم میں یہ سب چیزیں ترک کر دی تھیں پھر تنہائی میں مجھے یاد فرمایا میری تربیت اور اذکار کی تلقین کما حقہٗ فرمائی۔ یقیناً تعلیم و تلقین کے وقت مجھے سلطان نظام الدین اولیاؒ بدایونی اور حضرت سید السادات خضر رومیؒ میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوا لیکن درِ بستہ کا کشود تو حضرت سید صاحب کے ہاتھوں مقدر ہو چکا تھا چنانچہ اُس کے بعد مزید پانچ برس میں حضرت سید المجذوبین کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ آپ نے مجھے خلافت عطا فرمائی اور میرے سینے میں وہ سب انڈیل دیا جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سینۂ مبارک میں بھر دیا تھا اُس کے بعد مجھے رخصت فرمایا۔ وہاں سے میں مکّہ گیا اور رسالۂ غوثیہ میں ہے کہ حضرت غوث نے تینتیس ۳۳ حج کیے۔ مروی ہے کہ حضرت غوث کی جبین کرامت آگیں پر ایک نقش اُبھر آیا تھا جسے ہر شخص دیکھتا تھا اور وہ نشان قطب الاقطاب کا لفظ تھا۔ جب حضرت غوث کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے ایک ہاتھ پہلو پر مارا اور الحق، کا لفظ زبان پر جاری فرمایا رحمتِ باری نے فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مقتدر (سچائی کی جگہ پر اُس مالک مقتدر کے حضور میں) کے سایہ میں ۲۰ ذی الحجہ روز چہار شنبہ ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء) کو ڈھانپ لیا۔ تاریخ وفات از مولوی معنوی مولٰنا عبدالقادر جونپوریؒ ؎

والنجم اذا ہوی چو خواندم ز امام — آغاز ندارد ایں کلام و انجام
از بہر امام نجم دیں غوث الدّہر — تاریخ وفات فہم کردند کرام

(آیۂ والنجم الخ یعنی جب ستارہ غروب ہوا میں نے امام سے پڑھی اِس کلام کا آغاز اور انجام نہیں ہے۔ امام نجم الدین غوث الدّہرؒ کی تاریخ وفات بزرگانِ کرام نے سمجھ لی)

آپ کی عمر شریف دو سو سال ہوئی۔ مشائخ چشت میں حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ کو آپ نے دیکھا ہے۔ سید اشرف جہانگیرؒ، شیخ کبیر سُرہر پوریؒ اور سید عبدالرزاق نور العینؒ حضرت غوث کی ملاقات کو حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت کی مزار شریف مانڈو پہاڑ پر حوض چند لاؤ کے مقام پر واقع ہے۔ اصول المقصود میں ہے کہ حضرت کی قبر مبارک صوبۂ مالوا میں گڈھ مانڈا کے قریب موضع فالیچہ میں ہے جو نو نہرہ کی گھاٹی کے قریب ہے۔ وہیں سلطان غوری کا محل اور ایک بہت بڑی حوض ہے اُسی حوض کے مغرب سمت حضرت کا مرقد مبارک ہے جس کے مشرقی سمت مذکور محل واقع ہے۔ اُس حوض کو تالاب چند لاؤ کہتے ہیں جو تالاب بی بی باندی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے خلفاء میں اس

دیار میں دو اشخاص ہوئے ایک شاہ حسین شہر ہرپوری صاحب رسالہ غوثیہ " دوسرے شاہ قطب الدین بینا دل قلندر قدس سرہ۔ شیخ اڈھن بن شیخ بہار الدین جونپوری کو بھی آپ سے سلسلہ چشتیہ اور قلندریہ کی اجازت و خلافت تھی۔

ذکر امام ہمام سید التابعین سند العارفین سید اعظم سلالہ اولادِ رسولِ اکرم سیدنا الاکبر خضر رومی قلندر قدس سرہ

آپ سرزمین روم کے ساکنِ قدیم شاہ عبد العزیز مکی قلندر کے عظیم ترین خلیفہ ہیں۔ نسبتِ چشتیہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے حاصل فرمائی۔ جس وقت حضرت سید صاحب قدس سرہ روم سے دہلی پہنچے خواجہ صاحب اپنا خرقہ لے کر حضرت کے پاس آئے چونکہ حضرت خواجہ صاحب کی عمر کم تھی اور سید صاحب بوڑھے تھے لہذا سید صاحب نے فرمایا دوستو! دیکھو یہ لڑکا ہم سے دل لگی کر رہا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا میں یہ خود سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ جو حکم ملا ہے اس کے مطابق عمل کر رہا ہوں اس کے بعد حضرت سید صاحب کو طریقۂ چشتیہ حاصل کرنے کا حکم ملا یہاں تک کہ آپ خود خواجہ صاحب کے مکان تشریف لے گئے اور طریقۂ چشتیہ مع خرقہ اور ٹوپی کے خواجہ صاحب سے حاصل کیا۔ اذکارِ چشتیہ دیکھنے کے بعد فرمایا " چشتیوں نے خدا کو مفت حاصل کر لیا " قاضی محمد تقی قلندر کے ملفوظ مراد المریدین میں لکھا ہے کہ سید صاحب چرم پوش تھے اور قلندریہ کشکول اپنے پاس رکھتے جو کوئی شخص کچھ پیش کرتا اُس میں ڈال لیتے اور سیر و سفر میں جس شخص کو جس چیز کی خواہش ہوتی آپ اُسی کشکول سے وہی چیز نکال کر اُس کے حوالے فرماتے۔ سید صاحب سے بہت سے کرامات و خوارق عادات ظاہر ہوئے۔ آپ کی تربیت بلا کسی واسطے کے شیخ عبد العزیز مکی سے ہوئی۔ سید صاحب کی عمر شریف چھ سو سال ہوئی۔ سیدنا حضرت شاہ باسط علی قلندر نے لکھا ہے کہ حضرت سید خضر رومی کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے شروع کی ہے اور وفات ۱۶ رجب ۷۰۵ھ (۱۳۰۹ء) اور عمر تین سو پچاس سال ہے۔ حضرت کا روضہ اُسی شہر میں ہے جہاں سلطان شمس الدین کے بھانجے غانجی شہید کا روضہ ہے۔ مناقب الاصفیا میں ہے کہ آپ کی مزار شریف روم میں ہے۔ حضرت کی وفات کے بعد مولانا بحری جو آپ کے خادمِ خاص اور عرب و عجم کے سفر میں رفیقِ راہ

تھے آپ کی اجازت کے مطابق آپ کے قائم مقام ہوئے۔ جس وقت حضرت نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ سفر حجاز سے واپس ہوئے اور مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو وہاں مولٰنا بحری کو سید صاحب کی جگہ پر پایا۔ مولٰنا بحریؒ نے حضرت نجم الدین غوث الدہر سے عرض کیا یہ آپ کی جگہ ہے۔ سید صاحب نے فرمایا تم اپنی جگہ پر رہو کیونکہ ہم سیر و سیاحت والے لوگ ہیں۔ "رسالۂ غوثیہ" میں ہے کہ سید صاحب نے دو سادات کی تربیت فرمائی ہے اور اپنا خلیفہ کیا ہے جس میں دونوں کامل اور مکمل ہوئے ہیں ایک سید نجم الدین غوث الدہر قلندر جنھوں نے عرب و عجم کا سفر فرمایا اور جہاں تشریف لے گئے وہاں ہزاروں لوگوں کو بیعت سے مشرف فرمایا دوسرے سید بحری رحمۃ اللہ جو آپ کی خدمت میں بہت عرصہ تک رہے اور صاحب کرامات و خوارقِ عادات تھے۔ چاندی کے ٹکڑے پر لعاب دہن لگا کر آگ میں ڈال دیتے اور وہ سونا ہو جاتا۔ یہ خبر سید صاحب کو ہوئی بلایا اور لوگوں سے فرمایا ان کی کملی لے لو اور ان سے کہہ دو کہ یہاں نہ رہیں بلکہ فرنگیوں کے ملک میں جا کر رہیں۔ وہاں وہ کافی عرصہ تک زندہ رہے۔ حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ بھی سید بحری قلندر کے خلفائیں سے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سید خضر رومی قلندر کے مرید ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا سلسلہ امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک اویسیہ سلسلہ سے اور ملاقات روحانی سے پہنچتا ہے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ شیخ شرف الدین پانی پتیؒ جن کی کنیت بوعلی اور لقب قلندر ہے زبردست صاحب عقل اور اس سلسلہ کے عظیم مجانین نتقرا میں سے اور اس طائفہ کے بزرگوں اور بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ وہ علم تصوف اور توحید میں اپنے وقت کے فرد تھے اس زمانہ کے اولیاء اللہ اُن سے رجوع کرتے۔ سلطان نظام الدین اولیاؒ کے ہمعصروں ہیں، علوم ظاہری و باطنی کے عالم اور ریاضات و مجاہدہ میں ممتاز تھے۔ علماء ظاہر اپنی کمی عقل کی وجہ سے ان کے منکر تھے۔ نسبت ارادت اور فیض مولٰنا شمس تبریز اور مولٰنا جلال الدین رومی قدس سرہما سے تھا چنانچہ اپنے بعض مکتوبات میں فرماتے ہیں "روم میں مولٰنا شمس تبریز اور مولٰنا روم کی خدمت میں میں حاضر ہوا ہوں اور اُن سے فیض حاصل کر کے میں پانی پت میں مقیم ہوا ہوں۔" آپ کی مزار مبارک پانی پت میں مشہور و معروف اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ جو قبر آپ کی کرنال میں ہے وہ اصلی نہیں ہے۔ فقیر دوبار زیارت کو پہنچا اور کشف ہوا کہ آپ اُس مزار میں آسودہ ہیں۔ یہ رباعی آپ کی ہے ؎

آوازۂ عشق ما بہر خانہ رسید ۔۔۔ دردِ دل ما بخویش و بیگانہ رسید

از دست غم عشق تو ہر جا کہ روم — گویند زراہ دور دیوانہ رسید

(ہمارے عشق کا شہرہ ہر ہر گھر تک جا پہنچا۔ ہمارا درد دل اپنوں اور غیروں سب کو معلوم ہو گیا تیرے غم عشق کے ہاتھوں جس جگہ بھی میں جاتا ہوں گلی اور در در سے لوگ کہتے ہیں دیوانہ آ پہنچا)

صاحب "مراد المریدین" نقل کرتے ہیں کہ شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ نے علم ظاہر کے حصول و تکمیل کے بعد نعمتِ باطنی حضرت قطب ہند خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ سے حاصل کی۔ آپ کے دوسرے مرشدِ طریقت حضرت نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ ہیں۔ شیخ عبدالحق محدثؒ اخبار اخیار میں کہتے ہیں کہ شرف الدین پانی پتیؒ جن کو شاہ بو علی قلندر بھی کہتے ہیں اولیائے مجذوبین میں بہت مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شروع عمر میں آپ نے علم حاصل کیا اور ریاضات و مجاہدات کیے اور آخر میں مجذوب ہو گئے اور تمام کتابیں پانی میں ڈال دیں۔ آپ کی نسبتِ ارادت کسی ایک شخص سے مشہور نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نظام الدین اولیاؒ کے مرید ہیں اور بعض کہتے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کے اور ان دونوں میں سے کسی بات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ آپ کا ایک مکتوب عشق و محبت پر ہے جو مشتمل ہے توحید کے حقائق و معارف، ترک دنیا، طلبِ آخرت اور محبت مولیٰ پر۔ اور وہ اختیار الدین کے نام کہا جاتا ہے۔ اور ایک رسالہ عوام میں مشہور ہے جسے "حکمنامہ شیخ شرف الدین" کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام الناس کی ایجادات میں سے ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ذکر سلطان التابعین، برہان العارفین ممہد قواعد الطریقۃ العلیۃ الصوفیہ بانی اساس سلسلۂ قلندریہ حضرت شیخ عبدالعزیز مکی معروف بہ عبداللہ علمبردار قدس سرہٗ

جان لو کہ سلسلۂ عالیہ قلندریہ حضرت سے ہی منسوب ہے اور جو شخص اس خاندان کے حلقۂ ارادت میں ہے اسے قلندری کہتے ہیں۔ حضرت موصوف اصحاب صُفّہ میں سے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اولاد میں تھے حضورِ اکرم صلعم کی بعثت سے پہلے ظہورِ نبوی صلعم کے منتظر تھے۔ جب آنحضرتؐ کا ظہور ہوا تو آپ مشرف بہ اسلام ہو کر اصحابِ صُفّہ میں شامل ہوئے جو جمال باکمالِ نبوی صلعم کے عاشقوں کا گروہ تھا جس نے حجرۂ مبارک کے قیام

کو دونوں جہاں کی نعمت سمجھتے ہوئے تمام عالم سے روگردانی کرلی اور سفر و حضر میں علاوہ خدمت گزاری کے اور کسی چیز سے کام نہ رکھا۔ رسالۂ غوثیہ میں ہے "ان کے ہاتھ میں نبی صلعم کا علَم مبارک تھا۔" اسی وجہ سے آپ علَم بردار کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسماء الرجال میں آپ کے نام کا ذکر نہ ہونا آپ کی موجودگی کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اسماء الرجال میں بہت سے صحابۂ کرام کا ذکر نہیں ہے سوا اُن اصحاب کے جو راویانِ حدیث رہے ہیں۔ مراد المریدین میں ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ پایا اور نصاریٰ کے عالم و مقتدا رہے نیز سید الانبیاءؐ کی صحبت سے مشرف ہو کر فیوض و برکات اور اسرارِ شریعت و طریقت و حقیقت حاصل کر کے اہلِ اسلام کے امام و پیشوا رہے ہیں۔ آپ کی ہمت کا قبلہ سوا ذاتِ حق کے اور آپ کی توجہ کا کعبہ سوا ذاتِ مطلق کے اور کوئی نہیں ہے اور یہی آپ سے نسبت رکھنے والوں کا حال ہے۔ اور اس طریقہ کا کمال و تکمیل دیدہ و دانستہ تکلف اور تصنع خودی اور خودنمائی کا ترک ہے۔ شریعت کی پیروی ہر حال میں اِن کے پیشِ نظر رہی ہے ؎

زاہد ار راہ بہ رندی نہ برد معذور است   عشق کارے ست کہ موقوفِ ہدایت باشد

(اگر زاہد رند کے راستہ پر نہ پہنچ سکے تو وہ معذور ہے کیونکہ عشق ایک ایسی چیز ہے جو ہدایت پر موقوف ہے)

حضرت پیر و مرشد برحقؒ فرماتے ہیں ؎

تراب از حق ہمیشہ خواہد بحفظ شرع و طریق احمدؐ   خدائے دیدن خدائے گفتن بذکر و فکر خدائے ماندن

(تراب حق تعالیٰ سے ہمیشہ حفظِ شریعت اور طریقِ احمدؐ کا طالب ہے۔ اللہ کو دیکھنا اللہ اللہ کرنا۔ ہر وقت اللہ ہی کے ذکر و فکر میں گم رہنا)

حضرت عبدالعزیز مکّی ایک ہی شخص ہیں متعدد نہیں۔ ملفوظ بندگی نظام الدین امیٹھی چشتی میں جس کے مرتب شاہ عبداللہ بن شاہ عبدالرزاق بن مخدوم شیخ خاصۂ خدا ہیں تحریر فرماتے ہیں "اس سلسلۂ قلندریہ کی ابتدا شیخ عبدالعزیز مکّی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علمبردار رہے ہیں، ہے۔ آپ کے حال میں روایات کا بڑا اختلاف ہے بعض کتابوں میں ہے کہ آپ نے چاروں خلفا سے بیعت کی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضور اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں کسی سفر میں حضورؐ کے ہم رکاب تھے مراقبہ میں ایسے ڈوب گئے کہ وہاں سے نقل و حرکت ہی نہ فرمائی۔ حیدرِ کرار اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ کے زمانہ میں ہوش میں آ کر آپ کی خدمت سے مشرف ہوئے نیز آپ سے

بیعت کے بعد آپ کے خلیفۂ برحق ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابرین قلندریہ کی کتابوں میں دو طریقوں سے سلسلہ قلندریہ درج ہے یکہ قلندریۂ مکیہ جو بلا کسی واسطے کے سرورِ انبیا صلعم تک پہنچتا ہے دوسرے قلندریۂ علویہ جو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے ہے۔ چند اشعار کتاب "ربط المشائخ" سے جو علامۂ دوراں مولانا عبدالقادر جونپوری کی تصنیف ہے جس سے اِس مقصد پر روشنی پڑتی ہے درج کر رہا ہوں ؎

خواجہ عبدالعزیز عبداللہ ۔۔۔ آں علمدارِ مصطفیٰؐ زسپاہ
بانبی بود در سفر بہ وفاق ۔۔۔ در مکانے گرفت استغراق
تا زمانے کہ حیدر صفدر ۔۔۔ سوئے صفین راند بالشکر
شغب لشکرش بہ گوش رسید ۔۔۔ بہ رفاقت در آمد و بدوید
گفت کو مصطفیٰؐ و لشکرِ اُو ۔۔۔ من خدائے غلام و چاکرِ اُو
قوم گفتند رفت از دنیا ۔۔۔ وز پسِ روسہ مرد از خلفا
ایں وصی ولیست و شیرِ خدا ۔۔۔ کیس علی مرتضیٰ امیرِ ہُدیٰ
تا بہ دولت بہ آں جناب رسید ۔۔۔ بیعتش کرد و خدمتش بگزید
ہر کہ فہمید سرِّ مُرتضوی ۔۔۔ خواند مارا قلندرِ علوی

(خواجہ عبدالعزیز عبداللہ جو جنگ میں حضور اکرمؐ کے علم بردار رہے ہیں ایک بار نبی اکرمؐ کے ساتھ سفر میں تھے ایک جگہ حالتِ استغراق میں ہوگئے۔ عرصۂ دراز تک اسی حالت میں رہے حتیٰ کہ حیدر کرار صفین کے لیے لشکر لے کر تشریف لے جا رہے تھے لشکر کا شور و غل سُن کر ہوش میں آگئے دوڑ کر پہنچے اور دریافت کیا کیا محمد مصطفیٰؐ کا لشکر ہے ؟ میں تو حضورؐ کا حلقہ بگوش غلام ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضورؐ اِس عالم سے رحلت فرما چکے اور حضورؐ کے بعد تین خلفا بھی انتقال فرما چکے یہ حضورؐ کے جانشین حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا ہیں جو رُشد و ہدایت کے امام ہیں چنانچہ آپ خدمتِ مرتضوی میں حاضر ہوئے آپ سے بیعت کی اور آپ کی خدمت میں رہے جو بھی سرِّ مرتضوی سے واقف ہوگیا اس نے ہم کو قلندر علوی کہنا شروع کیا)

اس سے بات صاف ہوگئی کہ حضرت عبدالعزیز مکی رض کو حضور رسالت مآبؐ سے بلاواسطہ بیعت وفیض حاصل ہے اور شیرِ خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے بھی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے واسطہ کو بعید از عقل نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کتابوں کے مطابق سلسلہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیق رض کے واسطے سے بھی ہے اور جناب امیرعؑ کے واسطے سے بھی۔ چنانچہ ایک طریقہ سے حضرت علی کا وسیلہ ہے اور دوسرے طریقہ سے نہیں ہے۔ اس قسم کی باتوں کا بھروسہ بزرگوں کی کتابوں پر کرنا چاہیئے نہ کہ آج کل کے فقرا کی افواہوں پر جو خود ہی علم وعمل دونوں سے بالکل عاری ہیں۔ اگر ان اکابرین کا تفصیلی حال درکار ہو تو ملفوظات قلندریہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جس میں تفصیل کافی موجود ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (قرآن حکیم) (اہل ذکر سے پوچھو اُن چیزوں کے بارے میں جن کو تم نہیں جانتے)۔

حضرت موصوف کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ کی عمر شریف ایک ہزار سال اور دوسری روایت کے مطابق چھ سو سال ہے۔ زیادہ مشہور دوسری روایت ہے۔ آپ کی درازیِ عمر کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "اِصابہ فی تمیز الصحابہ" میں حضرت سلمان فارسیؓ کو حضرت عیسیٰعؑ کا ہم عصر لکھا ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰعؑ کی نبوت کے زمانہ کی دریافت ہیں۔ جامع الاصول میں اہلِ علم نے سلمان فارسیؓ کی عمر ساڑھے تین سو سال لکھی ہے بعض لوگوں نے آپ کی عمر ڈھائی سو سال لکھی ہے۔ شیخ محمد طاہر پٹنی صحاح ستہ کی شرح مجمع البحار میں لکھتے ہیں کہ قس بن ساعدہ حضورؐ کی بعثت سے پیشتر ہی ایمان لے آئے تھے اور حضورؐ کی بعثت کی بہت پہلے سے بشارت دے چکے تھے۔ آپ کا شمار عرب کے ذہین اور حکما میں تھا آپ کی عمر سات سو سال بتائی گئی ہے۔ حضرت خضرعؑ حضرت الیاسعؑ اور اصحابِ کہفؓ آنحضرت صلعم سے پیشتر ہو چکے ہیں جن کا وجود اور بقا اب بھی تحقیق سے ثابت ہے۔ شیخ محی السنہ بغویؒ معالم التنزیل" میں فرماتے ہیں" انبیاء علیہم السلام میں سے چار زندہ ہیں دو زمین پر حضرت خضرعؑ اور حضرت الیاسعؑ، اور دو آسمان میں حضرت ادریسعؑ اور حضرت عیسیٰعؑ۔ بابا رتن ہندی کا قصہ جو چھٹی صدی ہجری میں ظاہر ہوئے اور جنھوں نے حضورؐ کے دیدار سے مشرف ہونے کا دعویٰ فرمایا" نفحات الانس" میں مذکور ہے۔ صاحبِ قاموس علامہ مجدالدین شیرازیؒ نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔ مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے لطائف اشرفیہ میں رتن ہندی سے اپنی ملاقات کا حال بیان کیا ہے اس پر فخر کیا ہے اور ان سے خرقہ حاصل کرنے کی نسبت کو ثابت کیا ہے۔ مولنا بحر العلوم شیخ عبدالعلی محمدؒ فرنگی محلی شرح مسلم الثبوت

میں فرماتے ہیں" بابا رتن ہندی کا ذکر بُرے الفاظ میں ہرگز نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اگر اُن کا وجود صحیح ہے تو گناہ کبیرہ کے مرتکب کیوں بنیں" مزید تحریر فرماتے ہیں" مثل رتنِ ہندی کے جن کو اولیاءِ قلندریہ کے اکابرین نے حضرت عبداللہ علمبردار کے مثل صحابیِ رسول ہونا ثابت کیا ہے اور خرقہ کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بات وہ اسنادِ متصل سے ثابت کرتے ہیں اور عجب قصے اُن سے منسوب کرتے ہیں اُن کی عمر چھ سو سال لکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق جھوٹ کو منسوب ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اولیاء اللہ اور صاحبِ کرامات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلطیوں سے محفوظ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اُن کی بقا اور درازی عمر میں کوئی شخص تردد نہیں کر سکتا نہ تو شیعہ جو امام مہدی کے وجود کے قائل ہیں نہ ہی کوئی سُنّی جو انبیاء کے وجود کے قائل ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ حضرت والا آخر میں مقام پٹن میں جو پیرانِ پٹن کے نام سے مشہور ہے تشریف لائے اور لوگوں سے فرمانے لگے کہ میں سردابہ میں داخل ہوتا ہوں تم اُس کو اُوپر سے مٹی یا گچ سے بند کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ایک مدت تک آپ اُسی سردابہ میں رہے۔ جب حضرت کے سردابہ میں سے نکلنے میں چند روز باقی رہ گئے تھے شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ جن کو کسی مسئلہ کے عقدہ کشائی کی ضرورت تھی قطب ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دربار سے حکم ہوا کہ تم دونوں پاک پٹن حاضر ہو اور حضرت شاہ عبدالعزیز مکیؒ کے سردابہ کے گرد کی خاک اور گھاس پھوس کو اپنی داڑھیوں سے جھاڑ کر صاف کرو کیونکہ ان کے برآمد ہونے میں چند ہی روز باقی ہیں وہی تمہاری اس گتھی کو حل فرمائیں گے۔ ان دونوں بزرگوں نے حکم کے مطابق عمل کیا حتیٰ کہ حضرت قلندرؒ باہر تشریف لائے اور دونوں بزرگوں کی عقدہ کشائی فرمائی۔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے زمین کی درخواست کی جو حضرت والا نے عطا فرمائی۔ لہٰذا حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کی مزار اُسی جگہ ہے آپ کی عمر اٹھانوے سال ہوئی اور ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) میں وصال ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ کا وصال ۶۰۶ھ (۱۲۰۹ء) میں ہوا۔ اس کے بعد حضرت قلندرؒ نے فرمایا کہ میں فی الحال دوبارہ سردابہ میں داخل ہوتا ہوں کوئی شخص بھی سردابہ کو نہ کھولے۔ اب میں حضرت امام مہدیؑ کے زمانہ میں برآمد ہوں گا۔ بارہ ذی الحجہ کو آپ روپوش ہوئے اور اُسی روز آپ کا عرس ہوتا ہے۔ اس شانِ قلندری، مقامِ سکر و غلبۂ حال کے باوجود کبھی شریعت کے ایک نکتہ سے بھی فروگذاشت نہ ہوئی۔ حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجا قلندر لاہر پوری جو اس خانوادہ کے سرحلقہ ہیں ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں" صوفی ایک قدم بھی سرورِ انبیاءؐ کی پیروی کے دائرہ سے باہر

نہیں نکل سکتا ہے

بود آں مرد کہ از بہر تمامی　　کند با خواجگی کارِ غلامی

(مرد در حقیقت وہ ہی ہے جو مکمل طور پر حالتِ خواجگی میں بھی غلامی کرے)

کیونکہ صوفی کو صفائی باطن کا مرتبہ اسی اتباع سنت نبوی کے سبب، حاصل ہوا ہے اور وہ لوگ جو اتباع شریعت کے پھندہ سے اپنی گردن کو آزاد کیے ہوئے اور جو ان اوصاف سے بیگانہ ہیں۔ وہ نہ صوفی ہیں اور نہ قلندر۔ شیخ احمد علائی رح "شرح عوارف میں فرماتے ہیں" ایک ایسی قوم ہے جو شیطانی ہے قلندریہ صورت کا روپ دھارے ہوئے اپنے آپ کو ملامتیہ فرقہ کا کہتے ہیں اور صوفیا کا لباس پہن رکھا ہے تاکہ بے چارے عوام کو گمراہ کریں کہ وہ صوفی ہیں حالانکہ وہ کسی وجہ سے بھی صوفی ہرگز ہرگز نہیں"۔ مولینا عبدالوہاب شعرانی "ارشاد الطلبتہ المریدین" میں فرماتے ہیں "اپنے آپ کو ان خرقہ پوشوں کی صحبت سے دور رکھو جو اپنے آپ کو مشائخ میں شمار کرتے ہیں یا اُن کا پیر کہتے ہیں کوئی ملامتیہ ہے تو کوئی قلندریہ، کوئی حیدریہ ہے تو کوئی بسطامیہ وغیرہ۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر ہر ہر چیز میں مشائخ کے مسلک کے مخالف ہیں۔ کیونکہ مشائخ کا ہر ہر فعل کتاب و سنت کی ترازو میں تلا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اے میرے ساتھیو! تم پر فرض ہے کہ اپنے آپ کو کتاب و سنت کے درمیان مقید کر لو اور بدعتوں سے پرہیز کرو۔"

ذکر اصل الاصول السلسلۃ الّتی اصلہا ثابتٌ و فرعہا فی السّماء امام الائمہ باب مدینۃ العلم والحکمۃ فاتح ختم الخلافۃ من خاتم النّبوۃ خاتم الولایۃ الکبیر سید الاولیاء الشّہیر حامل رایۃ محمّدیہ فی الدنیا والآخرۃ سید المحبّین والمحبوبین الّذی قد ورد فیہ تنصیصاً و تخصیصاً انّہٗ یحبّ اللّٰہ و رسولہٗ و یحبّہ اللّٰہ و رسولہٗ بل احب الخلق الی اللّٰہ بعد سید العالمین قدوۃ السّائحین فی ملکوت السّماوات علی المتوطنین فی المعالی

المقامات المنتہیٰ الیہ خرقہ کل طالب مطلوب کل راغب قطب دائرۃ المقاصد والمطالب مولیٰ للنا

ومولی الکل سیدنا ابوتراب ابی الحسن والحسین سیدی علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

(ذکر اُس سلسلہ کے اصل الاصول کا جس کی اصل قائم ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں ہیں تمام اماموں کے امام شہر علم وحکمت کے باب، نبوت کے نگینہ سے خلافت کے نگینہ کے فاتح، ولایت کبریٰ کے سرتاج۔ اولیاء کرام کے قافلہ سالار، دنیا وآخرت میں علم محمدیؐ کے حامل۔ محبتین ومحبوبین کے سردار جن کے حق میں خاص طور سے آیت نازل ہوئی "وہ اللہ اور اس کے رسول کا شیدائی بھی ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس کے شیدائی ہیں بلکہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد تمام مخلوق ارضی وسماوی میں سب سے زیادہ محبوب، ملکوت سماوات میں اُن راکعین وساجدین کے شہریار جو بلند ترین مقامات کے ساکن ہیں ہر طالب کے خرقہ کی طلب آپ ہی تک ہے، ہر چاہنے والے کے محبوب ومطلوب مقاصد ومطلب کے دائرہ کے قطب ہمارے اور کل کائنات کے مولیٰ سیدنا ابوتراب ابی الحسن والحسین میرے آقا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ)

حضور والاؓ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ لقب مرتضیٰ اور اسد اللہ بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف اور والدۂ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ ولادت باسعادت مکّہ معظمہ میں خانۂ کعبہ کے اندر جمعہ کے دن ۱۳ رجب المرجب واقعۂ عام الفیل کے تیس سال بعد ہوئی۔ بعضوں کا قول ہے کہ ولادت خانۂ کعبہ میں پہلے سال ہوئی۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت سن مبارک گیارہ سال تھا۔ بعض لوگ تیرہ سال کہتے ہیں۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائے۔ ۳۵ھ (۶۵۵) یا ۳۶ھ (۶۵۶) میں مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مدت پانچ سال تین ماہ اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق چار سال نو ماہ ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوتراب کی وجہ مسلم نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنی یہ کنیت سب سے زیادہ محبوب تھی اور یہ نام

پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز پیغمبرؐ حضرت فاطمہؓ زہرا کے گھر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ کو نہ پایا تو پوچھا علی کہاں ہیں؟ عرض کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی اور وہ باہر چلے گئے۔ حضور انورؐ نے ایک شخص آپ کو دیکھنے کے لیے بھیجا اُس نے واپس آ کر عرض کیا "یا رسول اللہ وہ مسجد میں محو خواب ہیں"۔ حضورؐ وہاں تشریف لے گئے۔ علی مرتضیٰ ابھی حالتِ خواب میں ہی تھے چادر الگ ہو گئی تھی اور جسم اقدس پر مٹی لگ گئی تھی۔ حضورؐ نے مٹی جھاڑی اور فرمایا "اے ابوتراب اٹھو"۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

خاک شو خاک تا بروید گُل　　　که بجز خاک نیست مظہرِ کُل

(خاک ہو جاؤ خاک تاکہ جب ملے خاک میں دانہ تو شگوفہ نکلے۔ علاوہ خاک اور کچھ مظہرِ کُل نہیں ہے)

آپ کی وفات سنہ۴۰ھ (۶۶۱ء) میں ۲۱ رمضان المبارک دوشنبہ کی شب میں ہوئی۔ ایک قول میں سترہ تاریخ ہے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ جمعہ کے دن زخم لگا اور اتوار کی شب میں وصال ہوا۔ مولانا جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفا میں بھی یہی لکھا ہے اور ابن حجر مکی نے بھی صواعق محرقہ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ ابن ابی شیبہ کا قول ہے کہ جمعہ کے دن ۲۱ تاریخ کو آپ نے زخم کھایا اور اتوار کو وصال فرمایا۔ زید بن وہب اور شعبی کہتے ہیں آپ کے زخم ۱۹ تاریخ کو لگا اور آخری عشرہ رمضان کی پہلی رات وصال فرمایا۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور شرجیل بن سعد کہتے ہیں کہ آپ جمعہ کے روز ۱۷ کو واصل بحق ہوئے۔ آپ کی عمر شریف ترسٹھ ۶۳ یا پینسٹھ ۶۵ سال ہوئی۔ مزار اقدس نجف اشرف میں واقع ہے۔ شواہد النبوت میں ہے کہ امیرالمومنین حضرت علیؓ نے حضرات امام حسین و امام حسن علیہما السلام کو وصیت فرمائی کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھ کو پلنگ پر رکھ کر نجف پہنچا دینا وہاں ایک سفید پتھر ملے گا جو نور سے منور ہوگا اُسے کھود کر نکالنا اور مجھے وہیں دفن کر دینا۔ ملا عبدالغفور لاری کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کی مزار اقدس بلخ میں اُس موضع میں ہے جو امیرالمومنین کے آستانہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس معاملہ میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کوفہ کے قصر امارت میں اپنے گھر کے صحن میں دفن کیے گئے۔ ابوبکر بن عباس کہتے ہیں کہ آپ کی مزار کو خوارج ملعونین کے کھود ڈالنے کے خوف کی وجہ سے خفیہ رکھا گیا۔ شریک کہتے ہیں کہ حضرت امامؑ آپ کے جسد اطہر کو مدینہ شریف لے گئے والله اعلم بالصواب۔ حضور کے فضائل و مناقب شمار سے باہر ہیں۔ واقعی آنحضرت علیہ السلام علم و عمل اور شجاعت میں سب سے افضل ہیں چنانچہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حسن العقیدہ میں فرماتے ہیں " اگر گہری نظر سے مشاہدہ کوئی عاقلِ دانا کرے تو دیکھ لے گا کہ حضرت کی صرف ایک یہی فضیلت کہ " انا و علی من شجرۃٍ واحدۃٍ " (میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں) ایک ایسی نادر فضیلت ہے کہ کوئی بھی دوسرا اس کو چھو تک نہیں سکتا۔ کیونکہ دوسرے ہر شخص کی کوئی نہ کوئی اپنی جگہ پر فضیلت و بزرگی ہے اور اس حدیث میں تو جناب امیر علیہ السلام کی نسبت یکتائی و یک جہتی اور دونوں کے مابین خفیف سا بھی فرق نہیں ہے۔ جان لو کہ جناب امیرؑ کی محبت تمام مومنوں پر فرمانِ الٰہی " قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ " (کہہ دیجے اے نبیؐ! میں تم لوگوں سے اپنی نعمتوں کا کوئی اجر نہیں مانگتا علاوہ اس کے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو) کی روشنی میں واجب لازمی اور فرضِ عین ہے آپ کی محبت ایمان ہے ۔

از مہر علی کسیکہ یابد عرفاں ۔۔۔ نامش ہمہ دم نقش کند بر دل و جاں
ایں نکتۂ طرفہ بیں کہ اربابِ کمال ۔۔۔ یابند ز بیّناتِ نامش ایمان

(علی کی محبت کا عرفان جسے نصیب ہو جائے جو ہمہ دم آپ کے نام نامی کو دل و جان پر نقش کرلے یہ عجیب نکتہ دیکھو کہ صاحبانِ کمال ان کے نام کی آیات سے ایمان پاتے ہیں)

اسی محبت کو میں فخر و مباہات کا سبب اور اپنے خاتمہ بخیر ہونے کا ذریعہ سمجھ رہا ہوں ۔

بس کہ تابد مہرِ حیدر ہر دم از سیمائے من ۔۔۔ آسماں را سرفرازی باشد از بالائے من
چوں سخن گویم ز معراجش کہ آں دوشِ نبی ست ۔۔۔ پائے در دامن کشد فکرِ فلک پیمائے من
بہر وصافی او سرتا قدم گشتم زباں ۔۔۔ تا نہ گردد غیرِ مدحش ظاہر از اعضائے من
طبعِ من پاک ست چوں دریا ز فیضِ مرتضیٰ ۔۔۔ ابرِ گوہر بار جوید فیض از دریائے من
گر نہ بودے ذوالفقارِ مہرِ او در دستِ دل ۔۔۔ طعمہ می کردے مرا ایں نفس اژدرہائے من
خاکِ راہش در دو چشمِ من بجائے سُرمہ ہست ۔۔۔ نیک دیدم آفریں بر دیدۂ بینائے من
نے منِ تنہا بہ مدحش سرفرازی می کنم ۔۔۔ غیر ازیں ہرگز کسے نشنید از آبائے من
اے صبا در گردنت خاکم بہ بر سوئے نجف ۔۔۔ بعدِ مُردن چوں فرو ریزد ز ہم اعضائے من

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں " فرقۂ اہلِ سنت جو جناب مرتضوی کے خاص شیعہ ہیں

دل و جان سے خاندان نبوی کے فدائی ہیں اور وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اہل بیتؑ کے ہر ہر فرد کی محبت ہر مسلم و مسلمہ پر فرض عین اور لازم و داخلِ ارکانِ ایمان ہے۔

حضرت آقائے نعمت (مولانا شاہ تراب علی قلندر) طاب ثراہ کی محبت اور اہل بیت اطہار کے فضائل سے اعتقاد نیز اُن کے اقوال و احوال سے تمسک اور اُن کی ارواح مقدسہ سے امداد طلبی جس حد تک میں نے دیکھی ہے اگر لکھوں تو دفتر کے دفتر پُر ہو جائیں پھر بھی مکمل نہ ہو سکیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

جو دل سے ورد کرے شاہِ بوتراب کا نام　　جہاں میں خاک شفا خاک اس کے کیوں نہ بنے

پہنچی ہے فریاد تیری ساقیِ کوثر تلک　　تشنہ کامی سے تراب اپنے تو کیوں کھاتا ہے غم

پشتی پہ ہے ہمیشہ ترے شاہِ مجتبیٰ　　تجھ پر تو اے تراب علیؑ کا کرم ہے نت

کہ تیرا جدِ اعلیٰ حیدرؑ کرار ساقی ہے　　تراب البتہ تجھ کو واں ملیں گے جام کوثر کے

جاننا چاہیئے کہ جناب امیرؑ کے فضائل کی احادیث بے شمار ہیں۔ حاکمؒ امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے اصحاب میں کسی کی بھی اتنی فضیلتیں نہیں ہیں جتنی حضرت علیؑ بن ابی طالب کی اور اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو آپ کی سبقتِ اسلام اور رسوخِ ایمانی دوسرے آنحضرت صلعم کی اتنی قرابتِ قریبہ۔ آپ صلہ رحمی میں تمام لوگوں سے بڑھ کر اور حقوق مراتب میں سب سے زیادہ فرض شناس تھے۔ اس کے علاوہ جب عنایتِ الٰہی شاملِ حال ہوئی تو جناب امیرؑ کو آنحضرت صلعم کے آغوشِ تربیت میں جا کر ڈال دیا چنانچہ مرتبۂ قرابت دوبالا ہو گیا اور کشف و کرامات کو آپ کے شامل حال کر دیا گیا۔ اُس کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کے بعد آپ کی فضیلت اور بھی دو چند ہو گئی۔ اسمٰعیل قاضی، نسائیؒ اور بو علی کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں کسی کے حق میں اتنی احادیث صحیحہ فضائل کی نازل نہیں ہوئیں جتنی حضرت علیؑ کے حق میں۔ بعض متاخرین فرماتے ہیں "چونکہ اہل بیت اطہار حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ذریت سے ہیں اسی سبب آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی 'ازالۃ الخفا' میں

جناب امیرؑ کے فضائل کے بارے میں فرماتے ہیں "اے علیؓ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ لیکن میرے بعد نبوت نہیں ہے" یہ حدیث متواتر اور مستند ہے جس کے راوی سعد بن ابی وقاص، اسماء بنت عمیس، علی ابن ابی طالب اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ اور یہ حدیث بھی متواتر ہے "میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے اے اللہ اُس سے محبت فرما جو علی سے محبت کرے اور اُسے دشمن رکھ جو علی سے دشمنی کرے۔ زید بن ارقمؓ، بریدہؓ، عمران بن حصینؓ اور عمرو بن شاسؓ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی خبر متواتر ہے کہ جب یہ آیت "بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اہل بیت سے کثافت دور فرمادے اور ان کو مکمل طور پر طیب و طاہر کردے۔" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے پنجتن پاک کے حق میں دعا فرمائی۔ اس حدیث کے راوی سعدؓ، ام سلمہؓ، واثلہؓ، عبداللہؓ بن جعفر اور انس بن مالکؓ ہیں۔ اور یہ بھی حدیث تواتر سے ثابت ہے کہ فتح خیبر کے روز آپؐ نے جناب امیرؓ ہی کو جھنڈا عطا فرمایا اور فرمایا میں علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا شیدائی ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اُس کے شیدائی ہیں۔ عمرؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم میں عامر بن سعدؓ بن ابی وقاص اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان نے اُن سے کہا کہ تم کو کون چیز روک رہی ہے علی کو گالی دینے سے۔ سعد نے جواب دیا مجھ کو وہ تین حدیثیں یاد ہیں جو حضورؐ نے علیؓ کے حق میں فرمائی ہیں لہٰذا میں ہرگز علی کو گالی نہ دوں گا اس لیے کہ ان میں سے ایک فضیلت بھی اگر مجھے نصیب ہوتی تو مجھے دولت کونین سے بڑھ کر عزیز ہوتی۔ ایک تو یہ کہ ایک بار آنحضرتؐ نے کسی غزوہ میں حضرت علی کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑا اور حضرتؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے یہ سُنکر فرمایا "اے علی کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ لیکن میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ اور میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سُنا ہے خیبر میں کہ میں علم اُس شخص کو دوں گا جو خود بھی اللہ کا محبوب ہے اور وہ بھی اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہے الخ۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی فقل تعالوا الخ تو رسول اللہؐ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہما السلام کو بلوایا اور فرمایا "اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں" ترمذی اور حاکم بُریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے دوستی کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ بھی ان چاروں کو

دوست رکھتا ہے۔" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُن کے نام بیان فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا "اُن میں سے ایک علیؓ ہے۔" ترمذی ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے تمام صحابہؓ کرام کے درمیان بھائی چارگی کروائی اور علی مرتضیٰ حاضر ہوئے آبدیدہ آنکھوں کے ساتھ کہ یا رسول اللہ آپ نے تمام اصحاب کے مابین بھائی چارگی قائم کروائی اور مجھ کو اس سے محروم رکھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔" ترمذی ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم منافقوں کو اُن کے علی سے بغض رکھنے کی وجہ سے پہچان جاتے تھے۔ طبرانی اور حاکم، ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت آنحضرتؐ کو غصہ آتا تو سوا حضرت علیؓ کے کسی کو بات کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ ترمذی اور حاکم، ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا علیؓ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔ اس حدیث کے اسناد حسن ہیں۔ ابو یعلیٰ اور بزاز، سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ "جس نے علی کو تکلیف پہنچائی اس نے درحقیقت مجھ کو تکلیف پہنچائی۔" طبرانی حدیث حسن میں اُم سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا "جس نے علیؓ کو دوست رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا اُس نے اللہ تعالیٰ کو دوست رکھا۔ اور جس نے علیؓ سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اُس نے اللہ سے دشمنی کی۔ حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے سُنا جس نے علیؓ کو گالی دی اُس نے مجھے گالی دی۔" عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "بھائیوں میں سب سے بہترین علیؓ ہیں اور چچاؤں میں سب سے بہتر حمزہؓ اور علیؓ کا ذکر عبادت ہے۔" خطیب انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "مومن کے نامۂ اعمال کا عنوان علی بن ابی طالب کی محبت ہے۔" ترمذی اور نسائی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "یقیناً جنّت ان تین آدمیوں کی منتظر ہے علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "جس کا میں مولیٰ علی بھی اس کا مولیٰ" اُم عطیہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو کسی جنگ میں بھیجا تو یہ فرمایا "اے اللہ مجھے موت نہ دے جب تک کہ علی کو مجھے نہ دکھا دے۔" اُم سلمہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "نہیں محبت کرے گا علیؓ سے مگر مومن اور نہیں بغض رکھے گا علیؓ سے مگر منافق۔ آپ کے بقیہ فضائل ابن حجر کی 'صواعق محرقہ' اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فاروقی کی 'ازالۃ الخفا' میں ملاحظہ ہوں مختصراً یہ سمجھ لو کہ حضرت علیؓ کے کثرتِ فضائل کا سبب یہ تھا کہ اعلیٰ ترین انسانی اخلاق جو انسانِ کامل میں ہونا چاہیئے شجاعت، قوت

حمیت اور وفا میں سے آپ اُن سب کے بدرجۂ اتم مالک تھے لہٰذا بخشش ایزدی نے اُن تمام اخلاق کو اپنی مرضیات میں صرف پایا۔

ذکر خاتم الانبیاء المرسلین سید الاولین والآخرین مولٰنا و مولی الثقلین محبوب رب المشرقین والمغربین شمس السالکین سراج العارفین مصباح المقربین محب الفقرا والغربا والمساکین الذی قال اللہ تعالیٰ وتبارک فی مدحہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ؎

اوست ایجادِ جہاں را واسطہ　　درمیان خلق و خالق رابطہ

شاہبازِ لامکانی جانِ او　　رحمۃ للعالمیں درشانِ او

لایمکن ثناءہٗ من العالمین بل من ملائکۃ المقربین سیدنا ابو القاسم محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(ذکر انبیاء و مرسلین کے نگینہ، اگلے اور پچھلے لوگوں کے سردار ہمارے مولیٰ اور دوجہاں کے آقا۔ مشرقین و مغربین کے پروردگار کے محبوب، سالکوں کے آفتاب عارفوں کے ماہتاب۔ مقربین کے چراغِ روشن فقرا غربا اور مساکین کے چاہنے والے جس کی ذات والاصفات کی شان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ "ہم نے آپ کو تمام کائنات کے لیے رحمتِ عام بنا کر بھیجا" آپ ہی ایجاد دو عالم کا واسطہ ہیں۔ خالق و مخلوق کے درمیان آپ ہی کا وسیلہ ہے آپ کی جانِ پاک شاہبازِ لامکانی ہے آپ ہی کے حق میں رحمۃٌ للعالمین نازل ہوا۔ نہ صرف تمام کائنات آپ کی تعریف سے عاجز بلکہ اللہ کے مقرب فرشتے بھی آپ کی حمد و ثنا نہیں کر سکتے سیدنا و مولٰنا ابو القاسم محمد ابن عبد اللہ نورٌ من نورِ اللہ اللہ کا درود و سلام آپ پر

اور آپ کی مقدس آل پر نازل ہو۔)

تمام اہل سیر اور تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل و ابراہیم اور نوح و شیث علیہم السلام آنحضرت صلعم کے اجداد گرامی ہیں اور آنحضرتؐ کے اسمہائے گرامی بہت ہیں جن میں ننانوے نام بہت مشہور ہیں۔ توریت میں آنحضرتؐ کا نام نامی احمد اور ضحوک اور انجیل میں حامد اور فارقلیطا ہے۔ اور آسمان میں حضورؐ کا نام نامی احمد اور محمود ہے۔ تمام علماء اور سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت طلوعِ صبح صادق کے بعد آفتاب نکلنے سے پیشتر دوشنبہ کے روز ہوئی۔ لیکن سال مہینہ اور تاریخ میں اختلاف ہے۔ عام سیرت نگار اور مورخین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم واقعۂ عام الفیل میں پیدا ہوئے پچپن یا چالیس دن کے بعد اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ دونوں واقعے ایک ہی روز واقع ہوئے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ واقعۂ عام الفیل کے تیس سال بعد یا چالیس سال بعد آپ اس عالم میں تشریف لائے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ تمام علماء عام طور سے اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ماہِ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ حضورؐ رمضان میں پیدا ہوئے۔ مشہور یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی۔ بعض لوگ دوسری اور آٹھویں بھی کہتے ہیں جبکہ بعضوں کا قول ہے کہ اس ماہ کا پہلا دوشنبہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نوشیروانِ عادل کے عہد میں تولّد ہوئے جبکہ اُس کی حکومت کو بیالیس سال گزر چکے تھے۔ صاحب جامع الاصول وغیرہ کا کہنا ہے کہ سکندر رومی کی وفات کے آٹھ سو بیاسی ۸۸۲ سال بعد آپ اس عالم میں تشریف لائے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت سے ہمارے پیغمبرؐ کی ولادت باسعادت تک چھ سو سال کی مدت ہے۔ زیادہ تر محدثین اور سیرت نگار کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم پر وحی کا سب سے پہلا نزول ۳ ربیع یا ۸ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کے روز ہوا جبکہ آپ کی عمر شریف اکتالیس سال تھی۔ بہت سے محدثین اور مورخین کا کہنا ہے کہ نزولِ وحی کا رمضان المبارک کے مہینہ سے آغاز ہوا۔ دورِ آخر کے بعض علمائے محدثین کا کہنا ہے کہ وحی کے نزول کی ابتدا ماہِ ربیع الاوّل اور شروع رمضان المبارک میں حالتِ خواب میں ہوئی۔ آنحضرت صلعم کے معجزات جو ظاہر ہوئے بکثرت ہیں جن میں نزول قرآن، چاند کا شق ہونا، اہل یمامہ کے اُس بچہ کا باتیں کرنا جو اُسی روز پیدا ہوا تھا، ہرن کا باتیں کرنا، گدھ کی گواہی دینا وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور جتنے معجزات آنحضرت صلعم سے سرزد ہوئے اتنے کسی بھی دوسرے نبی سے سرزد نہیں ہوئے۔ آنحضرتؐ کی معراج ماہ ربیع الاوّل میں نبوت کے بارہویں سال ہوئی اور ۲۷ رجب کو بھی منقول ہے۔ ۱۸ ربیع الآخر اور ۱۷ رمضان کی بھی

روایتیں موجود ہیں۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ صفر کی ستائیس تاریخ یا شروع ربیع الاوّل میں بعثت کے تیرہویں یا چودھویں سال ہوئی۔ بہت سے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ آپ دوشنبہ کے روز مکہ معظمہ سے باہر تشریف لے گئے اور بعض لوگ جمعرات کے دن کہتے ہیں زیادہ مستند یہ قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے جمعرات کو تشریف لے گئے اور غار سے مدینہ منورہ کی سمت دوشنبہ کو روانہ ہوئے واللہ اعلم۔ تمام سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ پیغمبرِ خدا صلعم مدینہ منورہ میں دوشنبہ کے روز داخل ہوئے ماہِ ربیع الاوّل میں اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ ربیع الاوّل کی کونسی تاریخ تھی بعض لوگ شروع مہینہ کہتے ہیں تو بعض ۱۲ ربا ۱۳ ربیع الاوّل کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاوّل کو صبح کے وقت ہوا جبکہ ہجرت نبوی کو گیارہ سال گزرے تھے۔ بعض لوگ سہ شنبہ اور بعض چہارشنبہ کا دن بھی کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپؐ کا سن شریف تریسٹھ ۶۳ سال ہوا۔ باقی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ

یہ سلسلہ سید السادات حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ چونکہ اس سلسلہ کے حضرات کا ذکر حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر تک سلسلہ عالیہ قلندریہ میں بیان کیا جا چکا ہے لہٰذا اس سلسلہ کا آغاز اُن حضرات سے شروع کیا جاتا ہے جو حضرت سید صاحبؒ کے بعد ہیں۔

ذکر سید السادات منبع فیض و کراماتِ ابدی سیدنا حضرت نظام الدین غزنویؒ

آپ غزنیں سے منسوب ہیں جو ایک مشہور و معروف شہر ہے۔ آپ اپنے والد ماجد کے خلیفۂ رشید، حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ کے والد ماجد اور شیخ صدر الدین عارف سہروردیؒ کے ہمعصر ہیں۔ آپ کا سن و تاریخ ولادت یا سنہ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

ذکر شیخ الشیوخ قدوۂ اماجد واعالی سیدنا نورالدین مبارک غزنویؒ

آپ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد ماجد آپ کو شیخ الشیوخ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ایسا ہی سید نجم الدین غوث الدہر قلندر کے حال میں بھی لکھا ہے۔ مراد المریدین میں ہے کہ حضرت موصوف شیخ الشیوخ کے بھانجے بھی ہیں۔ شیخ نے آپ کو تربیتِ رُشد و ہدایت کے بعد اپنا خلیفہ کیا اور رُشد و ہدایت کے لیے غزنیں روانہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے چونکہ آپ زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت کے اوصاف سے موصوف تھے اس لیے سلطان شمس الدین التمشؒ نے آپ کو دہلی کا شیخ الاسلام مقرر کیا اور آپ میر دہلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ شیخ اجل شیرازیؒ نام کے تھے اور حضرت سید نورالدین مبارکؒ نے سب سے پہلے بچپن میں اُن سے نعمت حاصل کی اور اُس کا یہ واقعہ ہے کہ شیخ اجل کے مریدین میں ایک تاجر تھے، ایک روز انھوں نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک شیر خوار بچہ ہے اُس کو حضور کوئی نعمت عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کل جب میں صبح کی نماز ادا کروں تو اپنے بچّہ کو لے آنا اور میری داہنی سمت لے کر کھڑے ہو جانا۔ اتفاقاً سید نورالدین مبارک کے والد ماجد بھی اُس وقت موجود تھے جب شیخ اجل کی زبان سے یہ بات سنی تو اپنے دل میں کہا کہ کل میں بھی اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوں گا۔ جب صبح کی نماز کا وقت آیا تو وہ تاجر بہت دیر کے بعد آیا اور سید نورالدین کے والد نماز سے پیشتر ہی اپنے بچے کو لے کر مسجد پہنچ گئے۔ اور نماز کے بعد شیخ کی داہنی سمت کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے ان کی طرف نگاہ کی اور نعمتِ ولایت اُن کے سپرد فرما دی۔ چنانچہ یہ سب برکت و نعمت شیخ اجل کی نظر کیمیا اثر کا فیض ہی تھا گو کہ دوبارہ سید نورالدین شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی تکمیل اُن سے کروائی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ صاحب اخبار الاخیار کے مطابق آپ کی تاریخ وفات ۱۳ ربیع الثانی ۶۳۲ھ (۱۲۳۴ء) ہے۔ ایک روایت میں ۶۴۷ھ (۱۲۴۹ء) ہے۔ آپ کا مقبرہ درون شمسی واقع مہرولی، دہلی کے مشرقی سمت ہے۔ آپ کو سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ دونوں کی اجازت حضرت شیخ الشیوخؒ سے حاصل ہے۔

ذکرِ منبعِ عیونِ مجاہدہ مطلع انوار الرّیاضہ سیّدی شیخ الشیوخ سیّدنا شہاب الدین سُہروردیؒ

لفظ سہرورد "س" کے پیش کے ساتھ عراق کے ایک شہر کا نام ہے۔ آپ کی کنیت ابوحفص ہے لقب شیخ الشیوخ اور نام عمر بن محمد البکری ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمد قریشی سہروردی ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ اپنے وقت کے قطب، غوث، عالم باعمل، فاضل و کامل اور پیشوائے دوراں تھے۔ آپ کا مسلک شافعی تھا، بغداد کے مشہور ترین متاخرین میں آپ شمار کیے جاتے تھے۔ ارباب طریقت دُور اور نزدیک سے آپ سے مسائلِ طریقت کے فتوے حاصل کرتے۔ آپ اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے مُرید تھے۔ غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی صحبت سے مشرف ہوئے اور فوائدِ عظیم حاصل فرمائے۔ غوثِ اعظم اکثر بشارت فرمایا کرتے "اے عمر تم عراق کے آخری سب سے مشہور آدمی ہو گے"۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے چچا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی زیارت کو حاضر ہوئے اور میں ان کے ہمراہ تھا، مجھ سے بولے موجود رہو کہ آج ہم ایک ایسے شخص کی خدمت میں چل رہے ہیں جس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ جلوان کے فیوض و برکات حاصل کرو۔ جب میں وہاں جاکر بیٹھ گیا تو شیخ ابو نجیبؒ نے عرض کیا "حضور والا میرا بھتیجا علم کلام میں مشغول رہتا ہے میں ہر چند اس کو منع کرتا ہوں مگر باز نہیں آتا۔ حضرت غوث الثقلین میری طرف مخاطب ہوئے کہ اے عمر کونسی کتاب تم نے یاد کی ہے۔ میں نے عرض کیا فلاں کتاب۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر رکھا اور بخدا مجھ کو اُس کتاب کا ذرا سا بھی حصّہ یاد نہ رہ گیا۔ اُس کے تمام مسائل میرے ذہن سے محو ہو گئے اور میرا سینہ علم لدنّی سے معمور ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی مجھے نصیب ہوا وہ سب شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی برکت سے ہے۔ حضرت نورالدین مبارک غزنویؒ، حضرت بہاء الدین ذکریا مُلتانیؒ، شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازیؒ، شیخ حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ وغیرہ آپ کے مسترشدوں و خلفا میں تھے۔ شیخ الشیوخ کی ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ (۱۱۴۴ء) میں اور وفات ماہ محرم ۶۳۲ھ (۱۲۳۴ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار شریف بغداد شہر کے اندر ہے۔ عمر شریف ترانوے سال ہوئی۔ آپ کی بکثرت

تصانیف ہیں جن میں سب سے عمدہ تصنیف "عوارف المعارف" ہے جو اب بھی حضرات صوفیہ کے درس میں شامل ہے۔

ذکر شیخ اعظم مرشد افخم، قطب ولایت، نجم ہدایت، خلاصۂ سلسلۂ محمدیہ، سلالۂ برکات احمدیہ، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت موصوف شیخ ابو سعید مبارک مخزومیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ 'نفحات الانس'، اور 'سفینۃ الاولیاء'، کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت رمضان کی پہلی شب کو ۴۷۱ھ (۱۰۷۸ء) میں ہوئی۔ ایک روایت میں ۴۷۰ھ ہے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ماہ ربیع الآخر ۴۷۱ھ (۱۰۷۸ء) ہے۔ آپ حنبلی مسلک تھے اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کا محی الدین کے لقب سے ملقب ہونے کا سبب یہ واقعہ ہے کہ فرماتے ہیں "ایک جمعہ کو میں بغداد سے باہر کسی شہر گیا راستہ میں ایک بہت ہی کمزور جثہ کا مریض مجھے دکھائی دیا جس کی رنگت اُڑی ہوئی تھی۔ بیمار میری طرف متوجہ ہوا اور بولا "اے عبد القادر السلام علیکم" میں نے کہا وعلیک السلام اللہ کے بندے۔ اُس نے کہا میرے قریب آجاؤ۔ میں اُس کے قریب گیا۔ اُس نے کہا مجھ کو بٹھا دو۔ بیٹھتے ہی فوراً اس کا جسم تازہ و توانا اور چہرہ روشن ہو گیا۔ مجھ سے کہنے لگا مجھ کو پہچانتے ہو میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا میں تمھارے جدّ امجد کا مذہب ہوں لیکن تم سے پہلے ضعیف ہو گیا تھا اور شدید بیماری کی حالت میں مبتلا جیسا کہ تم نے دیکھا۔ اب خداوند تعالیٰ نے مجھ کو تمھارے وجود مسعود کی برکت سے دوبارہ زندہ کر دیا اور تم محی الدین ہو (دین کو زندہ کرنے والے)۔ میں ان کو چھوڑ کر جامع مسجد آیا۔ ایک شخص نے میرے پاؤں کے پاس جوتیاں رکھیں اور کہا "اے محی الدین"۔ جب میں نماز ادا کر چکا تو مخلوق چاروں طرف سے میرے گرد اکٹھا ہونے لگی، میرے ہاتھ پیر چومنے لگی اور کہنے لگی "اے محی الدین" زمین پر حضرت کا یہ لقب ہے اور آسمان میں 'اشہب'، اور 'غوث الثقلین' ہے۔

آپ کا تصرف انسان و جنات اور فرشتوں پر تھا اور جس طرح انسان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اسی طرح جنات بھی حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوتے۔ آپ کی عمر شریف نوّے سال ہوئی۔ وفات جمعہ کے روز بعد نمازِ عشاء ۱۱ ربیع الآخر ۵۶۱ھ (۱۱۶۶ء) یا ۵۶۲ھ (۱۱۶۶ء) میں ہوئی۔ آپ کا باقی حال دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ آپ کے خلفا میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ ابو محمد یونس قصّار ہاشمیؒ اور شیخ ابو الحسن علی بن جامعؒ وغیرہ ہیں۔

فائدہ:۔ آپ کو جیلی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کی اصل شہر جیل ہے جو ملک طبرستان کے اُس پار ہے۔ بعضوں کا قول ہے کہ جیل دجلہ کے کنارے ایک مقام ہے ایک دن کے راستہ کے برابر واسط کی سمت اور مدائن کے نزدیک بھی ایک جگہ جیل نام کی موجود ہے[۱]۔ آپ کی نسبت جیل سے جن لوگوں نے کی ہے ان میں سے ایک "روضۃ النواظر" کے مصنف ہیں جو اپنے وقت کے اکابرین میں ہیں اور ان کا قول سند ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا وطن وہاں نہیں بلکہ آپ چند روز وہاں ٹھہرے ہیں۔ صاحبِ "معجم البلدان" نے لکھا ہے کہ آپ موضع بشیر کے ہیں جو گیلان کے اطراف میں واقع ہے واللہ اعلم[۲]۔

ذکر امام اولیاء، مقتدائے اصفیاء، مرشدِ غوث الثقلین حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومیؒ

لفظ مخزومی زاء سے اور راء سے بھی مخرم بغداد کا ایک محلہ ہے اور مخزوم عرب کے ایک قبیلہ سے منسوب ہے۔ ایسا ہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں فرمایا ہے اور "نکات الاثیریہ علی الاحادیث الجزریہ" میں حافظ بن ناصر بن ابی سعیدؒ کہتے ہیں آپ کا اسم گرامی

۱؎ ان دونوں موضعوں کی نسبت سے آپ کو گیلی جیلانی اور گیلانی کہتے ہیں۔

۲؎ حضرت غوث پاکؓ کے تفصیلی حالات کے لیے مولف علیہ الرحمۃ والرضوان کی نادر و ضخیم (دو جلدوں) تصنیف "الدر المنظم فی مناقب غوث الاعظم" کا مطالعہ فرمائیں جو تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہے۔ (مترجم)

مبارک بن علی بن حسین بن بدار البغدادی مخزمی ہے۔ اور ایسا ہی امام ابن عربی کے رسالہ الخرقہ" میں بھی درج ہے۔ یہ بغداد کا ایک مشرقی محلّہ ہے جسے یزید بن مخزم کی اولاد میں سے کسی نے آباد کیا اور اس کی موافقت خمی، ذہبی، شمس بن جزری، ابن ناصر الدین، یافعی، ردّاد، شیخ علی متقی اور مولانا عبدالحق دہلوی نے کی ہے۔ اور یہ سلسلہ کھنچ کر قشتاشی اور کُردی تک گیا ہے۔ نفحات اور حاشیہ میں ہے کہ مشہور سندیہ ہے کہ وہ مشہور و مذکور ہے" جیلیہ فی بلاد الہندیہ میں"۔ راقم الحروف کا کہنا ہے کہ مستند یہ ہے کہ اگر 'ر' سے کہا جائے یعنی مخرم تو بغداد کے ایک محلّہ سے نسبت ہوئی اور اگر 'ز' سے کہا جائے تو یہ منسوب ہوگا بنی مخزوم کے قبیلہ سے جو عرب میں ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ حضرت کا نام نامی مبارک بن علی بن حسین مخزومی ہے آپ سالکین کے رہبر، عارفین کے قبلہ و کعبہ پیرِ طریقت واقفِ اسرارِ حقیقت اور حضرت خضر علیہ السّلام کے صحابی رہے ہیں۔ آپ کا مذہب حنبلی تھا۔ شیخ ابوالحسن علی ہکّاریؒ کے مرید اور حضرت غوث الثقلین کے پیرِ خرقہ ہیں 'مدرسۃ الارخ'، جو حضرت غوث پاک سے منسوب ہے اُس کی بنیاد آپ نے ہی قائم کی تھی اور اپنی حیات میں ہی اُن کو عطا کر دیا تھا چنانچہ حضرت غوث الاعظمؓ کا مزار اقدس اُسی مدرسہ میں ہے۔ حضرت شیخ ابوسعیدؒ کی وفات تمام مورخین کی اتفاق رائے کے مطابق محرم ۵۱۳ھ (۱۱۱۹ء) اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق ۵۰۸ھ (۱۱۱۴ء) میں واقع ہوئی۔

ذکر سلطان الاولیا دبرہان الاتقیا قدوۃ العارفین، عمدۃ الواصلین حضرت شیخ ابوالحسن علی ہکّاریؒ

آپ کا اسم گرامی ابوالحسن علی بن محمد بن جعفر قرشی ہکّاریؒ ہے۔ بہت سے مورخین و محدثین علی بن احمد بھی کہتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر، مُلّا جامی اور محقق دہلوی کا کہنا ہے کہ" ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف قُرشی اُموی ہکّاریؒ" ابن خلکان کا کہنا ہے کہ 'ہا'، کے زیر کاف کی تشدید اور الف کے بعد 'راء مہملہ کے ساتھ 'اکراد'، کے ایک قبیلہ کی طرف منسوب ہے جو ایک قریہ ہے موصل کے شہروں میں۔ قاموس میں

ہے کہ ہکّاریہ تشدید کے ساتھ موصل کے کنارے ایک جگہ کا نام ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انتباہ میں فرماتے ہیں کہ ہکاری (ک) کی تخفیف کے ساتھ کُرد کے ایک قبیلہ سے منسوب ہے۔ اور یہی قول شیخ ابراہیم کُردی کا بھی ہے۔ مُلّا عبدالغفور لاری نے عدی بن مسافر ہکاری کے تذکرہ میں کاف کی تشدید سے لکھا ہے لہٰذا جس کی نسبت قبیلہ کُرد سے ہو اسے بغیر تشدید کے پڑھا جائے اور جس کی نسبت شام کے شہر ہکار سے ہو اسے تشدید سے پڑھنا چاہیے۔ شیخ اسلام ابوالحسن علی اُموی قرشی شہر ہکاریہ سے منسوب ہیں ایسا ہی مجھے بعض نسب لکھنے والوں سے معلوم ہوا۔ غرض یہ کہ حضرت کا شمار اپنے زمانہ کے مقتدائے زمانہ صاحبِ کشف و کرامات مشائخ میں ہے۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات رات بھر عبادت کے لیے جاگتے لوگوں کا کہنا ہے کہ تین دن بعد آپ صرف ایک لقمہ نوش فرماتے اور نماز کے بعد سے تہجد کے وقت تک دو کلام اللہ ختم کر لیتے۔ آپ شیخ ابوالفرج یوسف طرطوسیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں آپ کی وفات محرم ۴۸۴ھ (۱۰۹۱ء) یا ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) میں ہوئی۔

ذکر سراج الاصفیا نبراس الاولیاء، بُرہان الواصلین حجۃ اللہ فی العالمین حضرت شیخ ابوالفرج یوسف طرطوسیؒ

بعض روایتوں میں طرسوسی اور "مناقب الاصفیاء" میں "خواجہ یوسف طرطوسی" لکھا ہوا ہے۔ "سفینۃ الاولیاء" میں ہے کہ شیخ ابوالفرج یوسف طرسوسی کی اصل سرزمین طرسوس ہے۔ قاموس میں ہے کہ طرسوس خلزون کے وزن پر ایک اسلامی ملک کا نام ہے جو پہلے آرمینیوں کے قبضہ میں تھا اور بعد میں مسلمانوں کو حاصل ہو گیا۔ آپ ابوالفضل عبدالواحد تمیمیؒ کے مرید ہیں۔ قدوۂ اولیائے زمانہ اور زبدۂ مشائخ جہاں ہیں آپ بلند مقام اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا توکل مثالی ہے اور آپ تجرید و تفرید میں اپنے زمانہ کے یکتا تھے۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی وفات ۴۴۷ھ (۱۰۵۵ء) میں ہوئی۔

ذکر قبلۃ الاولیاء کعبۃ الاصفیا، نخبۃ العارفین، عمدۃ الواقفین حضرت شیخ ابو الفضل عبد الواحد تمیمی رح

بعض روایات کے مطابق یمنی منسوب ہے شہر یمن سے اور تمیمی عرب کے ایک قبیلہ بنی تمیم سے منسوب ہے۔ آپ اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ عبد العزیز تمیمی رح کے مرید اور خلیفہ ہیں آپ کی کنیت ابو الفضل ہے اور آپ کے والد عبد العزیز بن حرث بن اسد ہیں جو اپنے دور کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ خادم شریعت سالکِ طریقت واقفِ حقیقت اور امام اہل سنت وجماعت تھے۔ شریعت وطریقت کی راہ میں اپنے پیر ومرشد کے قدم بہ قدم پیرو تھے اور حضرت شیخ ابو بکر شبلی رح کے کامل ترین خلیفہ اور مرید تھے۔ محدث نخمی رح، شیخ اسحٰق محدث طبری رح، فقیہہ شعبی حافظ برہان علوی رح، فقیہہ جمال بن عمر رح، حافظ شمس بن الجزری رح، حافظ ابو الفتوح طاؤسی رح، محدث ردّاد رح اور یافعی رح وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابو بکر شبلی رح سے خرقۂ خلافت پہنا ہے اور امام حافظ یونس عباسی، امام ابن عربی، امام شہاب الدین سہروردی، قسطلانی، جمال العسقلانی، امام جلال بخاری، امام فقیہہ محدث موافق الدین ابو محمد عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ، حافظ ابو مظفر یوسف سر سمری، حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر دمشقی المعروف بہ ابن ناصر الدین، حافظ زین الدین رضوان المقری، حافظ شمس سخاوی، شیخ علی متقی اور محدث قشاشی رحمہم اللہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنے والد ماجد شیخ عبد العزیز تمیمی رح سے خرقہ پہنا ہے۔ یہ حقیر اس سلسلہ میں کیا کہہ سکتا ہے کیونکہ ان سب حضرات کا آپ کا ہم عصر ہونا ثابت ہے چنانچہ حضرت الحضرات مرشدی وجدّا بی حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ کتاب "کشف المتواری فی احوال نظام الدین قاری" کے ص ۱۰۸ پر فرماتے ہیں "بعض خاندانِ قادریہ ابو الفضل عبد الواحد تمیمی رح اور ابو بکر شبلی رح کے درمیان شیخ عبد العزیز کا واسطہ لکھتے ہیں اور بعض لوگ نہیں لکھتے لہٰذا دونوں طرح سے جائز ہے کیونکہ شیخ ابو الفضل رح اور شیخ عبد العزیز رح دونوں نے شیخ ابو بکر شبلی رح سے حاصل کیا ہے لہٰذا ابو الفضل رح اپنے والد شیخ عبد العزیز رح کے بھی خلیفہ ومجاز ہیں اور شیخ ابو بکر شبلی قدس سرہٗ کے بھی۔ آپ کی وفات جمادی الاخریٰ ۴۲۵ھ (۱۰۳۴ء) میں ہوئی۔ بعض لوگوں نے ۴۲۶ھ

(۱۰۲/۲) بھی لکھا ہے۔ مزار اقدس امام احمد بن حنبل رح کے مقبرہ میں بغداد میں ہے۔

ذکر عمدۃ السالکین، عمدۃ العابدین حضرت شیخ عبدالعزیز تمیمی رح

آپ کی بھی نسبت یمنی یا تمیمی میں اختلاف واقع ہے۔ حضرت والا حضرت شیخ ابوبکر شبلی رح کے سب سے عظیم المرتبت مریدوں میں سے ہیں۔ آپ اپنے دور کے فاضل و کامل مقتدائے زمانہ اور بڑے اولیاء اللہ میں سے اور صوفیانِ بلند مقام کے حلقہ کے سردار و پیشوا تھے۔ آپ کے کمالات و کرامات اور حالات بیان کے محتاج نہیں۔ آپ کا سالِ وفات دریافت نہ ہو سکا۔

ذکر سردارِ قوم، فخرِ اولیاء، تاجِ اصفیاء، صاحبِ کراماتِ عالیہ، عارف مقاماتِ الٰہیہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی رح

آپ کی کنیت ابوبکر اور نام جعفر بن یونس ہے ایسا ہی شیخ الاسلام ہروی اور مولانا جامی نے بھی لکھا ہے اور یہی آپ کی مزار اقدس پر بھی لکھا ہوا ہے۔ سلمیٰ، قشیری، ابوبکر کلاآبادی، جلال ابن خلکان، ذہبی، یافعی رحمہم اللہ وغیرہ آپ کو دُلف بن جحدر کہتے ہیں اور بعض لوگ دلف بن جعفر بھی کہتے ہیں۔ حافظ لخمی کہتے ہیں کہ ابوبکر محمد بن خلف اور کنیت دُلف ہے۔ ردّاد کا کہنا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے آپ کو قشّاشی اور کُردی لکھا ہے۔ سندی کا کہنا ہے کہ محمد بن دلف دال کے پیش اور لام کے زبر کے ساتھ ہے۔ شبلی نسبت ہے شبلہ سے جو اُسروشنہ کے دیہات میں سے ایک موضع ہے۔ یہ ماوراء النہر کے ملک میں ہے۔ آپ حضرت شیخ جنید رح کے خاص الخاص مرید ہیں اور آپ ہی سے خرقۂ خلافت پہنا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "ہر قوم کا ایک تاج ہے اور اس قوم کا تاج شبلی ہے"۔ آپ مالکی مذہب تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ آپ کی اصل خراسان کے ایک موضع شبیہہ سے ہے۔ 'طبقات سلمیٰ' میں لکھا ہے کہ آپ خراسانی الاصل اور بغدادی المولد ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ آپ کی جائے ولادت

سامرّہ ہے اور آپ کی اصل اوسر شتہ سے ہے جو فرغانہ میں ہے۔ آپ کی وفات جمعہ کی شب میں ۲۷ ذی الحجہ ۳۳۴ھ (۹۴۹ء) کو ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ستاسی سال اور مزار اقدس بغداد میں ہے۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ شبلیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اکرم الاکرمین کون۔ آپ نے فرمایا وہ جو گناہوں کی بخشش کا وسیلہ ہے کہ کسی گناہ پر عذاب نہ دیا جائے گا کیونکہ وہ یہ فرمائے گا کہ میں نے اپنے فلاں دوست اور اپنے فلاں غلام کا گناہ بخش دیا۔ مناقب الاولیاء میں لکھا ہے کہ ابوبکر شبلیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفۂ برحق ہیں۔ اور حضرت جنیدؒ کا فرمان ہے کہ جن آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہو اُن سے شبلی کو نہ دیکھو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آنکھوں میں سے ایک آنکھ ہے۔ آپ کی اصل فرغانہ سے ہے اور آپ نے بغداد میں پرورش پائی۔ شروع شروع آپ نے خیر نسّاج کی مجلس میں توبہ کی اور حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے مرید ہوئے۔

منقول ہے کہ ایک بار حضرت شبلیؒ بازار سے گزر رہے تھے ایک خیار فروش (ککڑی بیچنے والا) پکار رہا تھا "دس خیار ایک پیسے میں"۔ حضرت شبلیؒ نے یہ سن کر فرمایا "جب دس خیار (ککڑی) ایک پیسے میں بیچے جا رہے ہیں تو اشرار کا کیا حال ہوگا۔"

منقول ہے کہ حالت مرض الوفات میں حضرت شبلیؒ اپنے ایک مرید کا کندھا پکڑ کر مسجد تشریف لے گئے۔ ایک آدمی راستہ میں آکر بولا کہ مجھے کل اس شخص سے کچھ کام ہے جب آپ واپس تشریف لائے تو اُسی رات وصال فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں موضع میں ایک بہت اچھا غسّال ہے۔ خادم نے کہا کہ ہاں۔ اُس سے پوچھا گیا کہ تم کو کیسے معلوم ہے۔ اُس نے جواب دیا اس لیے کہ کل ہی اُس نے کہہ دیا تھا کہ مجھے کل اس مردِ خدا سے کام ہے۔ فرمودات:۔ فرمایا "آزادی دراصل دل کی آزادی ہے نہ کہ جسم کی۔" فرمایا "کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خدا کو پہچاننے کے بعد بھی اُس کی نافرمانی کی جائے۔" فرمایا "اے دوستو! وقت کی دولت کی حفاظت کرو اور اُسے ضائع نہ کرو کیونکہ کل وہ تمہارا دوست ہوگا۔"

ذکر قدوۂ مقربین، ذروۂ اربابِ یقین، صفوۃ اصحاب الصحو والتمکین باسط الایادی حضرت خواجہ ابو القاسم جنید بغدادیؒ

آپ کی کنیت ابو القاسم، لقب سید الطائفہ طاؤس العلماء، قواریری زجاج اور خزاز ہیں۔ زجاج اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید آبگینہ فروش تھے اور خزاز اسے کہتے ہیں جو ریشم کا کام کرنے والا ہو۔ آپ کے والد بزرگوار نہاوند کے تھے اور آپ کا مولد بغداد تھا۔ ائمہ متقدمین مثل سمعانی اور سُبکی وغیرہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ قاموس میں ہے کہ جنید سید الطائفہ ابو القاسم سعید بن عبیدؒ کا لقب ہے جو سری سقطیؒ کے مرید کامل اور بھانجے ہیں آپ بڑے بڑے اولیاء اللہ کے مرجع بحرِ حقائق و اسرار، سلطانِ طریقت، پیشوائے اہل حقیقت، مقتدائے جہاں اور قطب دوراں ہیں۔ آپ حارث محاسبی اور محمد قصاب قدس سرہٗ کی صحبت میں رہے ہیں۔ ابو الحسین نوری، شبلی اور خزاز جیسے مشائخ اپنا سلسلۂ نسبت آپ سے جوڑتے ہیں اور آپ سے نسبت رکھنے والوں کو جنیدیہ کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو سید الطائفہ اور امام الائمہ کہا جاتا ہے۔ آپ کی باتیں طریقت میں حجت ہیں۔ مشائخ متقدمین و متاخرین میں کوئی بھی آپ کے ظاہر و باطن پر انگشت نمائی نہیں کرسکتا۔ آپ ہر ایک کے مقبول رہے ہیں آپ کے طریقہ کی بنیاد سُکر و جذب پر ہے چنانچہ صاحب کشف المحجوب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت سری سقطیؒ سے پوچھا گیا کہ کیا کسی مرید کا درجہ پیر سے بلند ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں جنید کا درجہ مجھ سے بڑھ کر ہے۔ خلیفۂ بغداد نے رُویمؒ سے کہا "اے بے ادب!" رویمؒ نے کہا میں بے ادب نہیں ہوں کیونکہ آدھا دن میں جنید بغدادیؒ کی صحبت میں رہ چکا ہوں۔ یعنی جو شخص آدھے دن بھی حضرت جنیدؒ کی خدمت میں رہ لیا اُس سے بے ادبی سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ شیخ ابو جعفر حدادؒ فرماتے ہیں اگر عقل مرد کی صورت میں ہوتی تو وہ حضرت جنیدؒ کی صورت میں ہوتی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت جنیدؒ تیس سال نماز سوتے میں ادا کرتے رہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے رہتے اور صبح تک اللہ اللہ کرتے رہتے اور پھر اُسی وضوسے صبح کی نماز ادا فرماتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ تیس سال تک حضرت جنیدؒ سے اُن کی ہی آواز میں باتیں فرماتا رہا۔ اور جنیدؒ کو مخلوق کی کچھ خبر نہ تھی۔ آپ نے فرمایا ایک روز میرا دل کھو گیا میں نے عرض

کیا یا اللہ میرا دل مجھ کو واپس فرما دے۔ آواز آئی کہ ”اے جنید ہم نے تمہارا دل اس لیے لیا کہ تم ہمارے ہو کر رہو تو اسے پھر طلب کر رہے ہو تا کہ تم غیر کے ہو رہو۔“ نقل ہے کہ بزرگوں میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ تشریف فرما ہیں اور حضرت جنیدؒ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اتنے میں ایک شخص ایک فتویٰ لے کر آیا رسول اللہؐ نے فرمایا ”جنید کو دو“ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ موجود ہیں کسی دوسرے کو میں فتویٰ کیسے دوں۔ حضورؐ نے فرمایا جس طرح تمام انبیاء اپنی امت پر فخر کرتے ہیں مجھ کو جنید پر فخر ہے۔ حضرت شیخؒ کا ظاہر و باطن یکساں طور پر شرع سے آراستہ تھا۔

نقل ہے کہ ایک روز آپ حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے ایک مرید نے نعرہ مارا آپ نے اُس کو منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر اب نعرہ لگایا تو میں تم کو محروم کر دوں گا۔ اُس کے بعد آپ نے پھر بیان فرمانا شروع کیا اور وہ جوان اپنے کو قابو میں رکھے رہا یہاں تک کہ اُس کا ایسا حال ہو گیا کہ طاقت ہی نہ رہی اور ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے اُسے جا کر دیکھا تو کمبل کے درمیان اس کی خاک ملی۔

نقل ہے کہ ایک دن بغداد میں ایک چور کو لٹکا دیا گیا تھا آپؒ تشریف لے گئے اور چور کے پیروں کو بوسہ دیا لوگوں نے پوچھا تو فرمایا ”اس پر ہزاروں رحمتیں ہوں کہ وہ اپنے کام میں جوانمرد تھا اور اپنے کام کو ایسا حدِ کمال تک پہنچایا کہ اپنے کام میں سر دے دیا۔ آپؒ کی وفات دوشنبہ کے روز ۲۷ رجب ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) میں ہوئی۔ تاریخ یافعی میں بھی ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) ہے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تھا تو آپ نے تسبیح پڑھنا شروع کی اور انگلی بند کرتے جاتے۔ چار انگلیاں بند کیں اور انگشت شہادت کو کھلا رہنے دیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرما کر آنکھیں بند کر لیں اور رحمتِ خداوندی نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ جب غسل کے وقت غسال نے آنکھوں پر پانی کا چھینٹا دیا تو ہاتفِ غیبی کی آواز آئی ”ہمارے دوست کی آنکھ پر سے ہاتھ ہٹالے کیونکہ جو آنکھ ہمارے نام پر بند ہوئی ہے بغیر ہمارے دیدار کے نہ کھلے گی۔“ اس کے بعد اس نے چاہا کہ بند انگلیوں کو کھول دے پھر آواز آئی ”جو انگلی ہمارے نام پر بند ہوئی بغیر ہمارے حکم کے نہ کھلے گی۔“

آپ کا مزار شریف بغداد میں ہے۔

ذکر بُرہان الکاشفین سلطان العاشقین الصّادقین منبعِ فیوضاتِ ابدی حضرت خواجہ سِرّی بن مُغلّس سقطی رح

آپ کی کنیت ابوالحسن ہے آپ حضرت معروف کرخیؒ کے مرید اور حضرت جنیدؒ کے ماموں ہیں۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ مغلس کے معنی تاریک شب میں نماز پڑھنے والے کے ہیں اور سقطی سے مراد ہے ردّی سامان فروخت کرنے والا۔ قاموس میں بھی ایسا ہی ہے۔ آپ مقتدائے زمانہ شیخ وقت اور اہل تصوف کے امام ہیں۔ بغداد میں حقائق و معارف بیان فرمانے والے پہلے شخص آپ ہی ہیں۔ عراق کے اکثر اولیاء اللہ آپ کے ہی مرید تھے۔ شروع شروع آپ ردّی سامان کی تجارت کرتے تھے اور اسی وجہ سے سقطی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اپنے حال کی ابتدا میں دوکان میں پردہ کے پیچھے ہزار رکعت ادا فرماتے۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ کوہ لکام کے فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے آپ نے فرمایا پہاڑ پر رہنا کوئی بات نہ ہوئی۔ مرد کو چاہیئے کہ بازار میں رہ کر حق میں مشغول رہے۔ ایک روز لوگوں نے آکر عرض کیا کہ بغداد کی بازار میں آگ لگ گئی آپ نے فرمایا چلو میں بھی آج سے آزاد ہوا جب اپنی دوکان دیکھی کہ مسلّم ہے تو فرمایا الحمد للہ اور تمام سامان فقرا میں تقسیم کر دیا اور گوشہ گزیں ہو گئے۔ فرمایا "پچاس سال سے میں استغفار میں مشغول ہوں اُس شکر کی وجہ سے جو میں نے ادا کیا کہ اپنے حق میں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں بہتری کیوں طلب کی۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ رو رہے تھے۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا میں نے کوزہ کو ہوا میں لٹکا دیا تا کہ پانی ٹھنڈا ہو جائے کہ میں نے ایک خوبصورت حور کو دیکھا میں نے پوچھا کہ تو کون ہے وہ بولی " وہ ہوں جو کوزہ کو ہوا میں نہیں لٹکاتا۔ آپ کی وفات ۳ رمضان ۲۵۳ھ (۸۶۷ء) میں بعدِ فجر ہوئی اور ایک روایت میں ۲۵۰ھ (۸۶۴ء) ہے۔

آپؒ بغداد میں دفن ہوئے۔

ذکرِ امامِ ہُمام فقیہہ محدّث علّام مہبطِ فیوضِ سرمدی حضرت شیخ معروف کرخی رح

آپ کی کنیت ابو محفوظ ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام فیروز ہے۔ بعضوں کا قول ہے کہ معروف بن علی کرخی، کرخ بغداد کا ایک محلّہ ہے۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ کرخی کاف کے زبر، ر کے سکون اور اس کے بعد خا معجمہ کے ساتھ ہے۔ اس کی نسبت کرخ سے ہے جو چھ مواضع میں سے ایک ہے جن کا یاقوت حموی نے ذکر کیا ہے۔ بغداد کا کرخ مشہور ہے۔ درست یہی ہے کہ حضرت معروف کرخی اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔

حافظینِ حدیث نے آپ کے مناقب میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ابو نعیم اور ابن جوزی ہیں جو "صفوۃ الصفوۃ" میں لکھتے ہیں "ابراہیم حربی کا قول ہے کہ معروف کرخی کی قبر قضائے حاجات اور قبولیتِ دعا کے واسطے تریاق مجرب ہے۔ چنانچہ اہلِ معرفت نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ ایسا ہی سُلمی، قُشیری، ہروی، ابن خلکان، یافعی، سُبکی، ابن جوزی اور شعرانی وغیرہ نے بھی لکھا ہے۔ ابن حبان "ثقات" میں لکھتے ہیں کہ عراق والوں نے آپ کی کرامات اور قبولیت دعا کی بہت سی حکایتیں بیان کی ہیں علامہ تبرالمسی حاشیۂ مواہب میں شیخ الاسلام زکریا شافعی سے شرح رسالۂ قُشیری میں لکھتے ہیں "ابو عبدالرحمن زُہری کا قول ہے کہ جو بھی حضرت معروف کرخی کے مزار پر سو بار قل ہو اللہ پڑھ کر دعا مانگے ضرور پوری ہوگی۔ اور اسی طرح منقول ہے کہ اس عمل کا پڑھنا قضائے حاجات کے لیے اشہب اور ابن قاسم کی قبر کے سامنے بھی منقول ہے۔ حضرت معروف کرخی اپنے والدین کے ساتھ مذہب ترسا پر تھے۔ امام علی موسیٰ رضا کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور حضرت امام کو آن سے بڑی محبت تھی اور جو کچھ بھی آپ کو ملا وہ امام کی تربیت اور برکت کے طفیل تھا۔ آپ امام کی دربانی کیا کرتے تھے۔ فخر الحسن میں "صواعق محرقہ فی ترجمۃ امام علی موسیٰ رضا رض" سے نقل ہے "حضرت معروف کرخی جو حضرت سری سقطی کے استاد ہیں علی بن موسیٰ رضاؑ کے غلاموں میں سے تھے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی رح نے طبقات میں آپ کو علی بن موسیٰ رضاؑ کا غلام اور داؤد طائی کا ساتھی لکھا ہے۔ مناوی نے ذکر کیا ہے کہ امام موسیٰ رضاؑ نے آپ کو اس کے مالک سے لے لیا تھا اور غلام کے معنی طبرانی ابن عدی دار قطنی اور بیہقی کی روایت کردہ حدیث کے مطابق من اسلم علی یدیہ رجل فلہ ولاءہ (جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام لایا وہ اس کا غلام ہے)۔ ابن حبان نے بھی اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس کی کرامت دیکھ کر ایک نصرانی

کا اسلام سے مشرف ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے جو اپنے کو امام عالی مقام کا غلام گردانتا تھا۔ حضرت معروف کرخیؒ کا اپنے والدین کے ساتھ امام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ 'مرأۃ الجنان' میں مذکور ہے جسے امام قشیری نے اپنے شیخ امام مجتہد قاری صحیح بخاری سے روایت کیا ہے جیسا کہ علامہ حرابی کہتے ہیں کہ مولی کے معنی وہ شخص جو ولایت کا اہل ہو اور ولایت اس کے لیے قائم و دائم ہو اسے فاضل مناوی نے شرح جامع صغیر میں حدیث شریف من کنت مولاہ کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

صاحبِ تذکرۃ الاولیاء کہتے ہیں کہ اگر معروف نہ ہوتے تو عارف نہ ہوتا۔ صاحبِ کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ "معروف کرخی بڑے مناقب و فضائل والے ہیں اور فنون علم میں اپنی قوم کے پیشوا تھے"۔ حضرت شیخ معروفؒ کا فرمان ہے "جوانمردوں کی تین نشانیاں ہیں ایک ایفائے عہد دوسرے شکرانۂ نعمت تیسرے بغیر مانگے ہوئے عطا"۔ آپ حنفی مسلک تھے آپ کی وفات ۲ محرم ۲۰۰ھ (۸۱۵ء) میں ہوئی مزار آپ کا بغداد میں ہے۔

ذکر امامِ ہمام علمَ الاعلام محدثِ فقیہہ محقق بزرگ سیدنا ابوالحسن علی رضاؓ

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں پنجشنبہ کے دن ۱۲ ربیع الآخر ۱۵۳ھ (۷۷۰ء) میں ہوئی۔ آپ اپنے جدّ حضرت امام جعفر صادقؓ کی وفات کے پانچ سال بعد پیدا ہوئے۔ بعضوں نے سن ولادت ۱۵۶ھ (۷۷۳ء) بھی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ اُمّ ولا تھیں جن کا نام نجمہ اور اُم البنین بھی تھا اور وہ امام موسیٰ کاظم کی والدہ حمیدہ کی کنیز تھیں۔ روایت ہے کہ بی بی حمیدہؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے ہیں اپنی کنیز اپنے بیٹے موسیٰ کو عطا کر دو جلد ہی اُس سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو اہلِ زمین میں سب سے بہتر ہوگا۔ والدۂ امام رضاؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رضا کا حمل میرے پیٹ میں تھا ہرگز حمل کی کوئی گرانی مجھے محسوس نہ ہوتی تھی اور سوتے میں اپنے پیٹ سے مجھ کو تسبیح و تہلیل کی آواز آتی تھی اور جس وقت آپ تولد ہوئے تو اپنے ہاتھ زمین پر کیے اور روئے اقدس کو آسمان کی سمت کر کے لبہائے مبارک کو جنبش دی گویا کہ آپ کسی سے بات فرما رہے ہیں اور مناجات فرما رہے ہیں۔ آپ کا سن مبارک اُنچاس ۴۹ سال ہوا۔ بعض لوگ پچاس سال کہتے

ہیں۔ آپ کی وفات طوس کے ملک کے سناباد نامی گاؤں میں جمعہ کے روز ۲۱ رمضان یا ۹ رمضان ۲۰۸ھ (۸۲۳ء) میں ہوئی۔ ابن حبان کا قول ہے "علی بن موسیٰ رضا کا وصال طوس میں مامون کے مشروب پلانے کے سبب ہوا جس کے فوراً بعد آپ سنیچر کے روز ۲۰۳ھ (۸۱۸ء) میں واصل بحق ہوئے۔ سمعانی انساب میں لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات ۲۰۳ھ (۸۱۸ء) کے آخری دن ہوئی۔ اور آپؓ کو انگور کے شربت میں زہر دیا گیا۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ امام کی وفات آخر صفر ۲۰۲ھ (۸۱۷ء) میں ہوئی۔ بعض لوگ ۵ ذی الحجہ بھی کہتے ہیں اور بعض ۱۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ (۸۱۹ء)۔ وفات کی تاریخ میں بڑا اختلاف ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کا مزار ہارون رشید کے مقبرہ میں ہے جو سرائے حمید نامی گاؤں میں واقع ہے۔ آج یہ گاؤں بہت آباد ہے اور مشہد کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ مناقب الاولیاء میں ہے کہ حضرت امام علی رضاؓ مدینہ منورہ میں ۱۲ ربیع الآخر ۱۵۳ھ (۷۷۰ء) میں پیدا ہوئے اور دوشنبہ کے روز ۹ محرم ۲۰۱ھ (۸۱۶ء) میں شہید ہوئے اور مشہد مقدس میں دفن ہوئے۔ آپ کے پانچ صاحبزادے ہوئے امام محمد متقی، جعفر، حسین، علی اور حسن رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ذکر امام عالم وارثِ کمال محمدیؐ عارف اطوارِ وصال احمدی سلالۂ ساداتِ اعظم ابوالحسن ابوابراہیم موسیٰ کاظمؓ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام کا مزار اقدس تریاقِ مجرّب ہے۔ یہ روایت علامہ فقیہ عارف احمد المعروف بہ برزوق مغربی سے مروی ہے۔ صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کو کاظم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ عفو و درگزر میں اپنی مثال آپ تھے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے عابد اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ امام جعفر صادقؓ کے صاحبزادے ہیں۔ مناقب الاولیاء میں ہے کہ جب امام جعفر صادقؑ چھبیس ۲۶ سال کے ہوئے تو موسیٰ کاظم مدینہ شریف میں، ۷ صفر ۱۰۹ھ (۷۲۷ء) میں پیدا ہوئے اور جمعہ کے روز ۲۴ صفر ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) میں بغداد میں وفات پائی۔ طبقات شعرانی میں ۱۶۳ھ (۷۸۰ء) درج ہے۔

نقل ہے کہ جب امام کو یحییٰ بن خالد نے ہارون رشید کے حکم کے مطابق کھجور میں زہر دیا اور آپ نے کھجور نوش فرمانے کے بعد فرمایا "آج اہل بیت رسول ص کے دشمنوں نے مجھے زہر دیا ہے کل میرا جسم زرد ہو جائے گا اور پرسوں آدھا جسم سرخ، آدھا سیاہ ہو جائے گا اس وقت میں اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر جاؤں گا۔ چنانچہ آپ کے فرمانے کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ آپ کی مزار اقدس کرخ محلّہ میں واقع ہے آپ کی والدہ ماجدہ اُمّ ولا تھیں آپ کے اٹھائیس لڑکیاں اور اکتیس لڑکے تھے۔ آپ کی عمر شریف چوّن یا پچپن سال ہوئی۔

ذکر صفوۂ مجتہدینِ اعلام، قدوۂ محدثین انام متوکل علی اللہ ابو عبد اللہ امام جعفر صادق رض

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو اسمٰعیل لقب صادق اور اسم گرامی جعفر ہے۔ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، ۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رض ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ۶۰ھ (۶۸۰ء) یا ۶۳ھ (۶۸۲ء) میں ہوئی دوشنبہ کے دن، ۷ ربیع الاول کو۔ آپ کی عمر شریف ارسٹھ ۶۸ یا پینسٹھ ۶۵ سال ہوئی۔ آپ کی وفات بھی مدینہ شریف میں دوشنبہ کے دن ۱۵ رجب ۱۴۶ھ (۷۶۳ء) میں ہوئی مزار اقدس بقیع میں ہے۔ مناقب الاولیاء میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق مدینہ منورہ میں دوشنبہ کے دن ۷ ربیع الاول ۸۳ھ (۷۰۲ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ بہت سے اصحابِ طریقت نے آپ کی خدمت سے فیض حاصل کیا ہے اُن میں حضرت بایزید بسطامی رح بھی ہیں۔

نقل ہے کہ امام جب گوشہ نشین ہوئے تو حضرت سفیان ثوری رح دروازہ پر پہنچے اور عرض کیا کہ لوگ آپ کے انفاس متبرکہ سے محروم ہیں۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا "فسد الزمانُ وتغیر الاخوان" (زمانہ میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا اور بھائی بند بالکل بدل گئے)۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے امام سے عرض کیا کہ آپ صاحبِ فضیلت تو ضرور ہیں لیکن متکبر ہیں۔

آپ نے یہ سُن کر فرمایا میں اپنے کبر سے نکل آیا ہوں یہ کبرِ کبریائی ہے نہ کہ کبرِ خود نمائی۔

ارشاداتِ گرامی :۔

فرماتے ہیں "بہت سے گناہ ایسے ہیں جو خدا کو بندہ سے قریب کرتے ہیں اور بہت سی عبادتیں ایسی ہیں جو بندہ کو خدا سے دور کرتی ہیں کیونکہ گھمنڈ سے کی ہوئی عبادت خود ایک گناہ ہے اور وہ گنہ گار جو نادم ہے وہ اللہ کا مطیع ہے۔"

ارشاد فرمایا "خدا کے نزدیک دنیا بھی بہشت ہے اور دوزخ بھی بہشت کیونکہ دنیا عافیت ہے اور دوزخ بلا اور عافیت اُس وقت ہے جب اپنا کام خدا کے سپرد کر دے اور بلا اس طرح ہے کہ خدا کا کام نفس کے سپرد کر دے۔" ارشاد فرمایا "اگر اولیاء اللہ کے لیے دشمنوں کی صحبت مُضر ہوتی تو بی بی آسیہ کو فرعون سے ضرور ضرر پہنچتا اور اگر دشمنوں کو اولیاء اللہ سے فیض پہنچتا تو نوحؑ کا بیٹا اور لوطؑ کی بیوی نجات پا جاتے۔"

۱۵ ر رجب المرجب ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) میں دوشنبہ کے دن آپ نے وفات پائی۔ آپ کے فرزندانِ گرامی میں امام موسیٰ کاظم، عبداللہ، افطح اور اسمٰعیل ہیں۔ آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

ذکرِ امامِ ہُمام وارثِ برکاتِ حیدرِ صفدر امام محمد باقرؓ

آپ کی کنیت ابو جعفر لقب باقر اور نام محمدؐ ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں امیر المومنین حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے چار سال پیشتر جمعہ کے روز ۳ صفر ۵۷ھ (۶۷۶ء) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ امِ عبداللہ بنت امیر المومنین حضرت امام حسنؑ ہیں۔ پیغمبر صلعم نے آن کو سلام کہلوایا ہے چنانچہ سیرت کی کتابوں میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں "ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپؐ نے مجھ سے فرمایا اے جابرؓ شاید تم اس وقت تک زندہ رہو اور میری اولاد میں سے ایک سے ملاقات کرو جس کا نام محمد بن علی بن حسین ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو نورِ حکمت عطا فرمائے گا میرا سلام اُس سے کہہ دینا۔ آپ کی عمر شریف ستاون ۵۷ سال اور ایک قول میں ۷۳ سال ہوئی۔ آپ کا وصال ربیع الاول کے مہینہ میں ۱۱۶ھ (۷۳۴ء)

میں اور یحییٰ بن معین کی روایت کے مطابق ۱۱۸ھ (۷۳۶ء) اور مدائنی کے قول کے مطابق ۱۱۷ھ (۷۳۵ء) میں ہوا۔ آپ کی مزار اقدس بقیع میں امام زین العابدین کی مزار کے قریب واقع ہے۔
مناقب الاولیاء میں ہے کہ امام محمد باقر کی ولادت جمعہ کے دن ۶ صفر ۶۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت امام حسنؑ ہیں۔ آپ کی عمر باون سال بارہ دن ہوئی۔ دوشنبہ کے روز رجب ۱۱۴ھ میں وفات پائی یا ۱۱۷ھ میں۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کے چھ صاحبزادے امام جعفر صادق، علی، عبداللہ، ابراہیم، احمد اور حسین ہوئے۔

ذکر سید السادات منبع فیض و برکات، قدوۂ زاہدین و عابدین

حضرت امام زین العابدینؓ

سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کی کنیت ابو محمد نام علی اوسط لقب سجاد اور زین العابدین ہے آپ حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادے اور چوتھے امام ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ۵ شعبان شنبہ کے روز ۳۳ھ (۶۵۴ء) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی شہر بانو ہے۔ یزدجرد کی بیٹی ہیں جو نوشیروانِ عادل کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی عمر شریف اکسٹھ ۶۱ یا باسٹھ ۶۲ سال اور ایک قول میں اٹھاون ۵۸ یا ستاون ۵۷ سال اور ایک روایت میں پچپن ۵۵ سال ہوئی۔ اور وفات ماہِ محرم کی اٹھارہویں شب ۹۴ھ (۷۱۲ء) یا ۹۵ھ (۷۱۳ء) یا ۹۳ھ (۷۱۱ء) میں ہوئی۔ آپ کی قبر مطہر جنت البقیع میں حضرت امام حسنؑ کی مزار اقدس کے پاس ہے۔ مناقب الاولیاء میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین کی ولادت مدینہ شریف میں دوشنبہ کے روز ماہِ شعبان ۴۶ھ (۶۶۶ء) میں ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر میں یزید نے امام کو قید کیا اور قید سے رہائی کے بعد آپ مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے۔

نقل ہے کہ حضرت امام جب وضو فرماتے تو آپ کا چہرۂ اقدس زرد ہو جاتا۔ لوگوں کے سبب پوچھنے پر آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے جا رہا ہوں۔

نقل ہے کہ ۶۳ھ (۶۸۲ء) میں یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں بارہ ہزار سوار

مدینہ بھیجے کہ مدینہ والوں سے بیعت لے لیں ورنہ اُن کو نیست و نابود کردیا جائے۔ مدینہ والوں نے خندق کے سرے پر جنگ کی اور جیت گئے لیکن جب مروان کی مکاری سے فوج اندر داخل ہوگئی تو عبداللہ بن زبیرؓ جو حضرت امام حسینؑ کے بعد لوگوں کے محبوب تھے مکہ کی طرف بھاگے۔ مدینہ کے دس ہزار آدمی قتل ہوئے اور بقیہ نے بیعت قبول کی بعض لوگ مدینہ سے بھاگ گئے۔

نقل ہے کہ مسلم بن عقبہ نے حضرت امام زین العابدین کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بلایا جب امام تشریف لائے تو مسلم اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور تعظیم بجالایا اور عرض کیا کہ جو حکم دیجیے تعمیل بجالاؤں امام جس کی سفارش فرماتے قبول کرلیتا جب امام گھر واپس آگئے تو لوگوں نے مسلم سے پوچھا "یہ تم نے کیا سلوک کیا" بولا "میرے اختیار میں کچھ نہ تھا کہ میرا دل آپ کے خوف اور دبدبہ سے لرز رہا تھا۔ امام سے لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے لب کیا جنبش کررہے ہیں فرمایا میں پڑھ رہا ہوں "اللّٰھمّ ربّ السّمٰوات السّبع ... تا آخر..." اس کے بعد مسلم عبداللہ بن زبیر کی تلاش میں مکہ روانہ ہوا اور راستہ میں ہی جہنم رسید ہوا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے من آذاب اھل المدینۃ بسوء آذابہ کما تذوب الملح فی الماء " جو مدینہ والوں کو نقصان پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اُس کو اس طرح گھُلا کر رکھ دے گا جیسے نمک پانی میں گھُل جاتا ہے۔" آخر وقت میں اُس نے حصین کو اپنا نائب بنا دیا حصین نے مکہ کا محاصرہ کیا اور توپ سے آگ کے گولے پھینکے۔ اچانک ہی ربیع الثانی ۶۴ھ (۶۸۳ء) میں خبر پہنچی کہ اُن کا بادشاہ ذات الجنب کی بیماری میں واصل بہ جہنم ہوا۔ اس کے بعد مروان خارجی تخت پر بیٹھا اُس وقت امام کا سن سترہ سال تھا جب آپ اُنتیس سال کے ہوئے تو امام محمد باقر پیدا ہوئے اور جب سینتیس ۳۷ سال کے ہوئے تو حضرت امام محمد باقر کے ہاں حضرت امام جعفر صادق پیدا ہوئے۔ امام کی عمر اٹھاون سال ۹ ماہ ہوئی اور دوشنبہ کے روز ۷ ذی الحج ۹۴ھ (۷۱۲ء) میں وفات پائی۔

آپؑ کے آٹھ بیٹے ہوئے۔ امام محمد باقر، عبداللہ، زید، علی، حسن، حسین، عمر اور عبیداللہ۔ آپ کا مزار اقدس بقیع میں ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کی مزار حضرت امام حسن کی قبر کے قریب ہے۔

ذکرِ سید الشہداء سعید السعدا جگر گوشۂ بتول بضعۃ قلبِ رسولِ مقبول صلعم سلطانِ دارین، شہریارِ نشاتین سیدنا و مولٰنا ابی عبد اللہ المسمّٰی من عند اللہ بالحسین علیہ السّلام

حضرت کا مختصر حال یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ لقب سید و رشید ہے آپ تیسرے امام ہیں۔ امیر المومنین حضرت امام حسنؑ اور آپؑ کے شکم مادر میں آنے کا وقفہ پچاس دن کا تھا۔ آپ کی ولادت مدینہ میں شنبہ کے روز ۴ شعبان ۴ھ (۶۲۶ء) ایک قول میں ۵ ہے اور ایک قول میں بارہ رمضان اور ایک میں آخر ماہ ربیع الاوّل ۳ھ کو ہوئی۔ آپ کی مدت حمل دس ماہ چند یوم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کا "حسین" نام رکھا۔ آپ ایسے حسین و جمیل تھے کہ اگر تاریکی میں بیٹھ جاتے تو آپ کی جبینِ مبین کے نور سے تمام مکان روشن ہو جاتا۔ روایت ہے کہ ایک بار حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ رسول اللہ صلعم کے سامنے کشتی لڑ رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم فرما رہے تھے "حسن حسین کو پکڑ لو" حضرت فاطمہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ وہ چھوٹے کو پکڑ لے۔ حضور صلعم نے فرمایا "یہیں جبرئیل امیں کھڑے ہوئے حسین سے یہی کہہ رہے ہیں" آپ کی عمر شریف چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن ہوئی اور ایک قول میں چوّن سال چھ ماہ اور ایک قول میں ستاون سال اور ایک قول میں اٹھاون سال ہے۔ آپ کی شہادت کربلا میں عاشورہ کے روز عصر کی نماز کے وقت ۶۱ھ (۶۸۱ء) میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے دن بیت المقدس میں جو بھی پتھر اُٹھایا جاتا اُس کے نیچے جیتا جیتا خون ہوتا اور اُس دن آسمان سے بھی خون برسا۔ آپ کا مزار اقدس کربلائے معلّٰی میں ہے۔ مناقب الاولیاء میں ہے کہ حضرت امام حسین رضؓ حضرت محمد مصطفٰی صلعم کے دوسرے نواسہ ہیں اور حضرت علی مرتضٰی رضؓ کے دوسرے خلیفہ۔ سلسلۂ چشتیہ آپ سے ہی مخصوص ہے اور سلسلۂ قادریہ بھی حضرت امام علی رضا رضؓ کے واسطہ سے آپ تک پہنچتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ ایک روز پیغمبر صلعم ہمارے گھر تشریف لائے دودھ اور خربوزہ موجود تھا ہم سب نے آنحضرتؐ کے ساتھ کھایا۔ حضور صلعم نے پانی منگوایا اور میں نے حضور صلعم کو وضو کرایا آپ قبلہ رو ہو کر مصروفِ دعا ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے زمین بھیگنے لگی لیکن مجھ سے نہ پوچھا گیا حسین غور سے

دیکھنے لگا آپؐ نے فرمایا "بیٹے تم مجھے دیکھ رہے ہو" اُس نے عرض کیا "نانا جان آپ کیوں رو رہے ہیں" فرمایا آج میں تم لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ خوش تھا اچانک جبرئیل آئے اور کہنے لگے اِن میں کے سب مختلف جگہوں پر شہید ہوں گے۔ یہ سُن کر میں رو دیا اور خیر و عافیت کی دعا مانگنے لگا۔

نقل ہے کہ جب یزید رجب ۶۰ھ (۶۷۹ء) میں تخت سلطنت پر بیٹھا تو حضرت امام حسینؑ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ منتقل ہو گئے مکہ مدینہ اور کوفہ والوں نے یزید کی بیعت نہ کی۔ کوفہ والوں نے خطوط لکھے کہ اگر حضور توجہ کریں تو ہم سب حضور کی بیعت کرلیں۔ قریش نے آپ سے عرض کیا مکہ معظمہ دارالامن اور آپ کا آبائی وطن ہے اِسے نہ چھوڑیئے۔ امام نے فرمایا "میں دین کے کام کے لیے نکلا ہوں اور قضا و قدر کو میں بدل نہیں سکتا یا میں واپس آؤں گا یا شہادت نصیب ہوگی جسے شہادت کا شوق ہو وہ میرے ساتھ آئے۔ جیسے ہی امام عالی مقام اور جماعت مومنین کربلا پہنچی یزید کی فوجوں نے راستہ روک لیا۔ لشکر کے امیر عمرو ابن سعد نے جو یزید کے نائب عبداللہ بن زیاد کا بھیجا ہوا سپہ سالار تھا آٹھ نو اور دس محرم الحرام ۶۱ھ (۶۸۰ء) میں جنگ کی۔ حضرت امام عالی مقام نے شمر ذی الجوشن کے ہاتھوں شربتِ شہادت نوش فرمایا اور تمام مومنین بھی شہید ہو گئے۔ یزیدیوں نے امام عالی مقامؑ کا سر مبارک قلم کیا اور بال بچوں کو حضرت امام زین العابدینؓ کے ساتھ قید کر کے یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ یزید سے ملتے وقت امام زین العابدینؓ نے فرمایا ؎

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم — وماذا قتلتم وانتم آخر الامم

(تم کیا جواب دو گے جب نبی اکرم صلعم تم سے سوال کریں گے تم نے ان کو کیوں
قتل کیا جب کہ وہ آخری امت کے (بہترین) تھے)

چند روز بعد اہل بیت کے قیدی مدینہ واپس آ گئے۔ امام عالی مقام کے چھ بیٹے تھے۔ امام زین العابدینؓ، علی اکبر، علی اصغر، عبداللہ، علی اوسط، محمد اور جعفر اور آپؑ کی دو صاحبزادیاں تھیں بی بی سکینہ اور بی بی زینب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

سلسلۂ علیّہ چشتیہ

اس سلسلہ کی اجازت حضرت سید خضر رومیؒ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہے چونکہ اس سلسلہ کے پیروں کا ذکر حضرت سیّد صاحبؒ تک سلسلۂ عالیہ قلندریہ میں ہو چکا ہے لہذا جو بزرگ حضرت سیّد صاحبؒ کے بعد ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ذکرِ سلطانِ طریقت بُرہانِ شریعت الذی قُتل بمحبت جبار القوی

قطب الملّۃ والدین بختیار اوشیؒ

آپ کا نام بختیار بن احمد بن موسیٰ ہے آپ کا مولد و منشا اوشِ فرغانہ ہے اور وہ اندجان کا ایک قصبہ ہے اور آپ کو کاکی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کا پڑوسی ایک بنیا تھا۔ شروع میں آپ اُس سے قرض لیا کرتے اور اُس سے فرماتے کہ جب تیرا قرض تین سو درہم ہو جائے تو اُس کے بعد مجھے قرض نہ دینا جب فتوحات ہوتے تو آپ اُسے ادا کر دیتے۔ اُس کے بعد آپ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب اس کے بعد میں قرض ہرگز نہ لوں گا۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے روزانہ ایک ٹکیا آپ کے مصلّے کے نیچے سے نکلتی جو تمام گھر بھر کے لیے کافی ہوتی۔ بنیا سمجھا کہ شاید شیخ مجھ سے ناراض ہیں جو قرض نہیں لے رہے ہیں اپنی بیوی کو شیخ کے گھر میں دریافتِ حال کے لیے بھیجا۔ شیخ کی بیوی نے اس کو بتا دیا اُس کے بعد کاک پیدا ہونا بند ہو گئے۔ یہ روایت حضرت شیخ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ سے مروی ہے۔

نقل ہے کہ شیخ معین الدین چشتیؒ نے شیخ قطب الدینؒ کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن جب ان کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تو اس سے بھی منع فرما دیا۔ شیخ محمد نور بخش نے سلسلۃ الذہب میں آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"بختیار اوشی ان سالکین میں سے تھے جو خلوت و عزلت میں راضی برضا رہتے ہیں۔ آپؒ بہت کم کھاتے، بہت کم سوتے اور بہت کم بات چیت فرماتے اور ہمیشہ ذکر و اشغال اور چلّوں میں مصروف رہتے اور احوالِ باطن میں آپ کی شان بہت بلند ہے۔ آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سب سے

بڑے خلیفہ تھے۔ آپ کا شمار کبارِ اولیاء اللہ اور اجلۂ صوفیا میں ہے آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی اور ترکِ لذّاتِ دنیوی نیز فقر و فاقہ میں موصوف تھے یادِ مولیٰ میں ہر وقت غرق رہتے۔ جب کوئی شخص آپ کی زیارت کے واسطے حاضر ہوتا تو بہت دیر تک کھڑا رہتا اور جب آپ اُس حالت سے واپس آتے تو اُس کی طرف توجہ فرماتے اپنے حال سے آئندہ حال کے لیے کچھ فرماتے اور فرماتے بس اب مجھے معاف کرو اور پھر حق میں مشغول ہو جاتے اگر آپ کی اولاد میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو آپ کو کافی عرصہ تک اس کی مطلق خبر نہ ہوتی۔"

'سیر الاقطاب' میں ہے کہ شروع میں آپ کا نام بختیار تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؒ قطب الدین کے نام سے یاد کیے گئے لیکن 'مرأت الاسرار' میں ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ اکثر از راہِ مہربانی آپ کو قطب الدین بختیار کے نام سے یاد فرماتے اور اُسی وقت سے آپ کا لقب بختیار ہو گیا۔ 'سیر الاقطاب' میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسینؑ تک اس طرح سے لکھا ہے کہ۔

قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحٰق حسن بن سید معروف بن سید احمد چشتی بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن امیر المومنین حضرت امام محمد نقی جوادؑ۔ اِس طرح آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ قصبہ اوش میں آدھی رات کے وقت تولّد ہوئے اور اُس وقت ایسا نور پھیلا کہ تمام گھر منور ہو گیا آپ کی والدہ ماجدہ نے خیال کیا کہ آفتاب طلوع ہو گیا ہے۔ آپ کا تفصیلی حال 'سنابل، سیر الاقطاب، خیر المجالس، سیر الاولیاء، مرأت الاسرار، اقتباس الانوار، اسرار السالکین، سیر العارفین اور شجرۃ الانوار میں دیکھنا چاہیے۔

نقل ہے کہ شیخ علی سنجریؒ کے گھر میں نشست تھی خواجہ صاحبؒ بھی وہاں موجود تھے۔ قوال نے شیخ احمد جامؒ کا یہ شعر گایا ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

(خنجرِ تسلیم و رضا کے شہیدوں کے واسطے ہر لمحہ اور ہر وقت غیب سے دوسری جان عطا ہوتی ہے)

خواجہ کو اس شعر پر کیفیت ہوئی، چار شبانہ روز آپ مقام تحیر میں رہے اور پانچویں شب اسی حالت میں وصال ہوگیا۔ 'مرأت الاسرار' کے مطابق آپ کا وصال دوشنبہ کی رات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) میں ہوا۔ ایک روایت میں ۶۳۵ھ (۱۲۳۷ء) بھی ملتا ہے۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ تھا آپ کی عمر شریف پچاس ۵۰ یا باون ۵۲ سال ہوئی۔ آپ کی مزار شریف دہلی میں حوض شمسی کے قریب ہے۔ مناقب الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ احمد اور شیخ محمد حضرتؒ کے صاحبزادگان تھے اور آپ کے خلفا میں مجد الدین جُرجانیؒ، شیخ ضیاء الدین رومیؒ، شیخ حسن دیوانہؒ اور سید خضر رومیؒ ہیں۔ آپ کے سب سے عظیم اور مشہور خلیفہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ ہیں جن کا نام مسعود بن عزالدین محمود ہے۔ آپؒ واصلانِ حق کے سلطان اور ذاتِ مطلق کی واضح دلیل تھے۔ طریقۂ تصوف میں آپ کی بڑی شان اور آن وبان ہے۔ تمام مشائخ آپ کے کمال عشق وعرفان اور محبوبیت ووجدان پر متفق ہیں۔ اور جس قدر سخت ریاضت ومجاہدات تجرید وتفرید اور فقر وشوق وذوق آپ میں تھا وہ اس گروہ میں کسی کو میسر نہیں۔ کشف وکرامات، وجد وحال اور ہمت وشجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ تمام علوم میں متبحر تھے اور خواجہ قطب الدین کے سب سے محبوب خلیفہ حضرت معین الدین چشتیؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا "بختیار نے ایک عظیم شاہباز کا شکار کیا ہے جو علاوہ سدرۃ المنتہیٰ کے اور کہیں بھی آشیانہ نہیں بناتا ہے یہ ایک ایسی شمع ہے کہ تمام عالم اس سے منور ہے۔ دو ہزار عالم ان کی شفاعت سے مستفیض ہوں گے۔

حضرت شیخ فریدؒ کی وفات سہ شنبہ کے دن پانچ محرم ۶۷۰ھ (۱۲۷۱ء) میں ہوئی اور ایک روایت میں ۶۶۹ھ (۱۲۷۰ء) اور ایک روایت میں ۶۹۰ھ (۱۲۹۱ء) ہے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں آپؒ کا وصال ہوا۔ آپؒ کی عمر شریف ترانوے ۹۳ یا پچانوے ۹۵ سال ہوئی۔ آپؒ کا مزار قصبۂ اجودھن میں جو پاک پٹن کے نام سے ملتان میں مشہور ہے، حجرۂ خاص میں واقع ہے۔

ذکر بدر العارفین شمس الواصلین کاسرِ اصنام الغیر والغیریہ ناصب خیام وحدت واحدیت، مہبط تجلیات شہود، محورِ کرۂ وجود، قطب الاقطاب معین الحق والدین حسن بن سید غیاث الدین حسن حسینی رضوی سجزیؒ

آپ کا مولد اور اصل سجستان ہے اور آپ نے ملک خراسان میں نشو و نما پائی۔ سجزی، سین کے زبر و زیر دونوں اور جیم اور زائے معجمہ کے ساتھ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں فرماتے ہیں سیستان کے رہنے والوں کو اُس کی نسبت سے سیستانی کہتے ہیں اور اُسے عربی زبان میں سجستان کہتے ہیں اور سجزی بھی کہتے ہیں اور اس لفظ کو مُعرّب کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے مجد، ابن خلکان اور ابن اثیر کی اس سلسلہ میں تقلید کی ہے اور انھوں نے جوہری کی تقلید کی ہے اور ایسا ہی معجم البلدان اور جامع الاصول میں بھی ہے۔ شیخ عبد العزیز دہلوی نے بستان المحدثین میں کہا ہے کہ سجستان بصرہ کا ایک گاؤں ہے لیکن علامہ تاج الدین سُبکی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ سیستان ملک ہندوستان میں واقع ہے واللہ اعلم بالصواب۔

آپؒ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید اور ہندوستان میں چشتیوں کے سرِحلقہ ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ سجز میں ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں ہوئی ایک روایت میں ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) بھی ہے۔ آپ نے خراسان میں نشو و نما پائی۔ آپ صحیح النسب سادات کرام میں ہیں جن کا سلسلہ بارہ واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا تفصیلی حال "ملفوظات چشتیہ" اور "انیس الارواح" میں جو حضرت عثمان ہارونیؒ کا ملفوظ ہے جسے خواجہ صاحب نے اٹھائیس مجلسوں میں جمع کیا ہے، ہے۔ "تحفۃ الراغبین" میں خاص طور سے آپ کا حال ہے۔ آپؒ کی عمر شریف ستانوے ۹۷ سال یا ایک سو سات ۱۰۷ سال ہوئی۔ آپؒ کی وفات دوشنبہ کے دن ۶ رجب ۶۳۲ھ (۱۲۳۵ء) کو ہوئی ایک روایت میں ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) بھی ہے۔ اور کلمات صادقین کے قول کے مطابق اور بعضوں کے نزدیک ۶۳۳ھ جو سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ تھا اور پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔ آپ کا عرس

ہندوستان میں ہر رجب کو کیا جاتا ہے" آفتاب ہالہ ہند" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ مزار دارالاسلام اجمیر شریف میں حجرۂ خاص میں واقع ہے۔ اجمیر ایک بڑا پُرفیض و پُرنور شہر ہے جو ایک بڑے تالاب ساگر سے متصل ہے۔ اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں آجا رام نامی راجہ تھا اور غزنین کی سرحد تک جس کی حکومت تھی۔ آجا آفتاب کو بھی کہتے ہیں اور ہندی میں پہاڑ کو بھی کہتے ہیں" تاریخ نامہ ہائے ہنود" میں لکھا ہے کہ پہلی دیوار جس کی بنیاد دامن کوہ میں ہندوستان میں رکھی گئی یہی دیوار ہے۔ پہلی حوض جو ملک ہند میں کھودی گئی وہ پھکر (پشکر) نامی ہے اور ہندوستان میں پہاڑ کے اوپر جس کی بنیاد رکھی گئی اور اجمیر شریف سے چار کروہ کے فاصلہ پر ہے جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں اور ہر سال تحویل برج عقرب کے وقت چھ دن کے لیے اُس کے گرد جمع ہوتے ہیں اور اشنان کرتے ہیں اور جو لوگ ان میں کے قیامت کے قائل ہیں اُن کا کہنا ہے کہ قیامت اسی حوض سے شروع ہوگی اور آجا نام کا یہ راجہ سب ہندو بادشاہوں سے پہلے ہوا ہے اور پتھورا اُس کے بعد ہوا ہے جس سے سلطان معزالدین نے خواجہ صاحب کی باطنی مدد کے ذریعہ ملک چھین لیا تھا۔ ناگور شہر پتھورا ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔

ذکر امام ہمام، قدوۂ اولیاء عظام مقتدائے اہل عرفاں، حجۃ الحق علی الخلق قطب الارشاد حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ

'خیر المجالس' میں حضرت حمید قلندرؒ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مصاحب لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ ہرونی ہے جو ہرون قریہ سے منسوب ہے جو شیخؒ کا مسکن ہے۔ خواجہ صاحبؒ کے ملفوظ میں ہے کہ قصبہ ہارون ملک خراسان میں نیشاپور کے اطراف میں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ 'انتباہ' میں فرماتے ہیں کہ فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے وطن کا نام ہرہ ہے واللہ اعلم اور ہارونی نسبت اُسی سے ہے بخلاف قیاس واللہ اعلم۔ آپ حاجی شریف زندنی کے مرید ہیں آپ قطب وقت اور یگانۂ روزگار تھے اور بہت سے بزرگوں اور اکابرین کی صحبت آپ کو حاصل ہوئی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ اپنے

سیر و سفر کے زمانہ میں ایک ایسی جگہ جا پہنچے جو آتش پرستوں کا گڑھ تھی۔ وہاں ایک ایسا آتش کدہ تھا جس میں بیس گاڑی لکڑی روز ڈالی جاتی تھی اور اُس کی آگ قطعی بجھنے نہ دی جاتی۔ آپؒ نے دریافت فرمایا کہ آگ کو پوجنے سے کیا فائدہ؟ تم لوگ خدائے واحد کی پرستش کیوں نہیں کرتے ہو جبکہ آگ اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ہمارے مذہب میں آگ کو بہت بڑا مانا جاتا ہے۔ شیخ نے فرمایا تم اپنے ہاتھ پیر آگ میں ڈال سکتے ہو؟ جواب دیا اس کی خاصیت ہی جلا دینا ہے کون اس کے قریب جا سکتا ہے؟ حضرت شیخؒ نے ایک آتش پرست کی گود سے بچہ لے لیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قُلنا یا نارُ کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم (ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامت رکھ ابراہیمؑ کو) کہہ کر اُس بچے کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا وہ چار گھنٹے اُس آگ میں رہا اور مطلق نقصان اُسے نہ پہنچا یہ کرامت دیکھ کر تمام مجوسی شیخ کے قدموں پر گر پڑے اور اسلام سے مشرف ہوئے اور وہ باپ بیٹے اپنے وقت کے اولیاء اللہ میں شمار کیے گئے۔

خواجۂ خواجگانؒ سے یہ بھی منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اپنے پیر دستگیر حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک روز ہم دجلہ کے کنارے پہنچے اُس وقت کوئی کشتی موجود نہ تھی میرے پیر و مرشد نے مجھ سے فرمایا آنکھیں بند کر لو۔ میں نے آپؒ کے حکم کی تعمیل کی اُس کے بعد فرمایا آنکھیں کھول لو۔ میں نے کھول لیں تو حضرت شیخ اور خود کو دریا کے دوسرے سرے پر پایا۔ میں آپؒ کے حضور میں زمیں بوس ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے دوست ہیں کہ اگر دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کے اور اُن کے درمیان حجاب آجائے تو وہ نیست و نابود ہو جائیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ دریا کی طرح سخاوت، آفتاب کی طرح شفقت اور زمین کی طرح تواضع و انکساری آپؒ کی وفات ۱۶ یا ۵ شوال کو ہوئی۔ آپ کی مزار اقدس مکہ معظمہ میں ہے۔ 'مناقب الاولیاء' میں ہے کہ آپ کی تاریخ وفات ۱۷ شوال ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) ہے۔ آپ کا مزار جنت المعلیٰ میں ہے۔ عمر شریف آپ کی اکیانوے (۹۱) سال کی ہوئی۔

ذکر برہانِ اولیاء حجۃ الاصفیا طائف کعبۃ الصفا زائرِ روضۂ مصطفیٰ منزہ عن نقائص دنیائے دنی حضرت حاجی شریف زندنی رحؒ

'طبقات سبکی' میں ہے کہ حاجی عجم کی لغت میں اُسے کہتے ہیں جو حج کر چکا ہو اور زندنی بخارا کا ایک شہر ہے اور زندنہ روم کا ایک شہر ہے۔ زندنی دونوں کے ساتھ مشہور ہے اور سمط المجید میں ہے کہ زندنی بغیر نون کے ہے اور قاموس میں ہے کہ وہ بخارا کا ایک شہر ہے۔ حضرت والا خواجہ مودود چشتی کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ آپ نے چالیس سال گمنامی و تحیرّ میں صحرا میں گزار دیے۔ اکثر اوقات درختوں کے پتے کھاتے اور لوگوں سے ملنے جلنے سے نفرت فرماتے۔ جب آپ فاقہ ہوتے تو سو رکعت نماز شکرانہ ادا فرماتے اور فرماتے کہ فقر و فاقہ انبیاء و اولیاء کا طریقہ ہے اگر وہ اِس بے چارہ حاجی کو عطا ہو جائے تو وہ کس طرح اپنے آپ میں رہے اور بے حد و حساب شکر کیوں نہ ادا کرے تاکہ جو خرقہ یہ پہنے ہوئے ہے کل درویشوں کے سامنے اِسے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور اُن کے ہی ساتھ حشر میں اٹھایا جائے۔
ایک شخص نے سلطان سنجر کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملت کی اُس نے کہا پہلے تو اُس نے عذاب کے فرشتوں کو حکم دیا کہ مجھے دوزخ لے جائیں اچانک حکم آیا کہ فلاں روز دمشق کی جامع مسجد میں حاجی شریف زندنی کی خدمت میں سعادت حاصل کی تھی اور اُسی کی برکت سے میں نے اِسے بخش دیا۔ آپؒ کی وفات ۳ ربیع ۔ ار رجب ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) میں واقع ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہوئی۔ آپ کی قبر شریف زندنہ میں ہے۔ 'سفینۃ الاولیاء' میں ہے کہ حضرت کی مرقد مبارک شہر قنوّج میں دریا کے کنارے شہر کے شمال میں واقع ہے اگرچہ آپؒ کا ہندوستان تشریف لانا اور یہاں رحلت فرمانا اصلاً و مطلقاً مشائخ کی کسی بھی کتاب سے ثابت نہیں ہے لیکن اُس شہر میں دو بزرگ بہت مشہور ہیں غالباً نام کی مشابہت کی وجہ سے "سیر الاقطاب" کے مصنف کو یہ شبہ ہوا ہے۔ ایسا ہی "اقتباس الانوار" میں بھی ہے۔

ذکر اُسوۂ اہلِ کشف و شہود، قدوۂ اربابِ عرفان در وجود حضرت خواجہ مودود چشتیؒ

چشت دو ہیں ایک تو ملکِ خراسان میں ہرات کے کنارے جسے آج کل ابو شا قلہ کہا جاتا ہے جو پہاڑ کے درہ پر واقع ہے دو منزل ہرات سے دُور اور دوسرا ہندوستان میں ملتان اور اُچ کے قریب کا ایک گاؤں ہے۔

حضرت نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اُسی وقت سے فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ رہتے۔ نیا کپڑا قطعی نہ پہنتے آپؒ کو کشفِ قلوب، کشفِ قبور اور کشفِ ارواح میں بڑا ملکہ تھا۔ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ایک ایک کر کے اُس کے دل کا تمام احوال زبان پر لے آتے۔ اور جس قبر کے پاس سے گزرتے اس کا حال بیان فرماتے جب آپ چھبیس سال کے ہوئے اور آپ کے والد ماجد خواجہ یوسف چشتیؒ کی وفات ہوئی تو اُن کی وصیت کے مطابق اپنے والد گرامی کے قائم مقام ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی میں عدیم المثال تھے اُس زمانہ کے تمام مشائخ آپ ہی کے حلقہ بگوش تھے آپ کا لقب 'قطب الدین' ہے۔ آپ کی وفات شروع رجب ۵۲۷ھ (۱۱۳۳ء) میں ہوئی جو سلطان معز الدین سنجری کا زمانہ تھا۔ چشت میں اپنے آبا و اجداد کے جوار میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی عمر شریف ستانوے ۹۷ سال ہوئی۔

ذکر شمع انجمنِ اسرار، پروانۂ روئے دلدار، مستغرق بر صدائے کُن فیکون، معدود در زُمرۂ اِنّی اَعلمُ مالا تعلمون۔ خواجۂ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ ابن محمد سمعان۔

آپ خواجہ محمد بن خواجہ احمد چشتیؒ کے بھانجے، مرید اور تربیت یافتہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ محمدؒ کی ایک بہن تھیں جن کی عمر چالیس سال ہو گئی تھی اور اپنے بھائی کی خدمت کی وجہ سے وہ شادی

کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ اللہ کی عبادت و اطاعت میں ہر وقت مشغول رہتیں۔ ایک رات خواجہ محمدؒ نے اپنے والد بزرگوار خواجہ احمد کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں شام کے ملک میں ایک مردِ کامل ہے جس کا نام محمد سمعان ہے جو تحصیلِ علوم سے فارغ ہو چکا ہے اور نیک صالح ہے اپنی بہن کا نکاح اُس کے ساتھ کر دو چنانچہ خواجہ نے اُن کو بُلا کر اپنی بہن کا نکاح اُن سے کر دیا۔ اُن سے خواجہ یوسف چشت میں پیدا ہوئے۔ آپ کراماتِ ظاہری اور کمالاتِ روشن کے مالک تھے۔ علم مکمل اور عملِ افضل پروردگار نے اُن کی ذات بابرکات میں جمع کر دیے تھے۔ اپنے ماموں حجۃ المشائخ شیخ حضرت ابو محمد چشتیؒ سے خرقۂ فقر و مریدی زیب تن فرمایا۔ آخر عمر میں آپ کو سکر و جذب اور حیرت و حال کا غلبہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ نوکر وضو کا پانی آپ کے ہاتھ پر ڈالتا اور آپ دورانِ وضو غائب ہو جاتے۔ کچھ دیر تک غائب رہتے اور پھر واپس تشریف لا کر وضو فرماتے۔ آپؒ کی وفات ۴ ربیع الآخر اور ایک روایت کے مطابق ۳ رجب ۴۵۹ھ (۱۰۶۷ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف چوراسی ۸۴ سال ہوئی۔ مزار شریف چشت میں ہے۔

ذکر مطلق از زماں در وصلِ دوست، مدام خرم وشاداں، زبدۃ الواصلین عمدۃ الکاملین گوہرِ کانِ حق وراستی شیخ ابو محمد چشتیؒ

آپ کو خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد خواجہ ابو احمد چشتیؒ سے ملا۔ تمام طور و طریقوں میں نہایت مہذب اور طرح طرح کی کرامات و صفات سے آراستہ تھے۔ آپ مادر زاد ولی اور بہت عظیم الشان اور بلند مرتبہ والے تھے۔ آپ کا لقب 'ناصح الدین' ہے۔ 'سیر الاولیاء' میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں "جس وقت خواجہ ابو محمد میرے حمل میں تھے اور چار مہینے گزر چکے تھے کلمۂ طیبہ کی آواز میرے کانوں میں آتی۔ میں نے ان کے باپ سے یہ ماجرا بیان کیا انھوں نے کہا تم کو مبارک ہو کہ تمہارے شکم سے سعادتمند اور ولیِ کامل پیدا ہوگا۔ ایک روز ان کے باپ بیٹھے تھے حمل کی سمت متوجہ ہو کر انھوں نے فرمایا "سلام ہو تم اے اللہ کے ولی اور میرے خلیفہ" پیٹ سے ایسی آواز آئی جو کوئی نہ سمجھ سکا۔ ماں نے کہا یہ کیا معلوم کہ حمل میں لڑکا ہے یا لڑکی اور آپ یہ فرما رہے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا "اللہ جل شانہٗ نے مجھے بشارت

بھی دی ہے اور لوحِ محفوظ میں بھی میں نے پڑھا ہے کہ میرے ہاں ایک مادر زاد ولی بیٹا پیدا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سومنات کے غزوہ میں محمود سبکتگین کے ساتھ تھے اور آپ ہی کے قدم مبارک کی برکت سے سومنات فتح ہوا۔ آپ کی ولادت شبِ عاشور میں ہوئی اور عمر شریف ستر[۷۰] سال ہوئی۔ آپ کی وفات ۴ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) میں ہوئی۔ ایک روایت میں یکم رجب ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) درج ہے، اور دوسری میں ۱۴ ربیع الاول ہے۔ مزار شریف چشت میں ہے۔ آپ کے سومنات تشریف لے جانے کا واقعہ 'نفحات' میں لکھا ہے۔

ذکر سراج الاتقیا، تاج الاصفیا، لسان الغیب، مقبول حضرت، احد خواجہ ابو احمد چشتیؒ

آپ کے عجیب و غریب حالات اور کمالات ہیں آپ فنائے احدیت میں گم تھے اور اسرارِ حق میں سے کوئی سرّ ظاہر نہ فرماتے۔ خرقۂ فقر و مریدی حضرت خواجہ ابو اسحٰقؒ کے ہاتھ سے پہنا۔ 'سیر الاقطاب' میں لکھا ہے کہ خواجہ ابو احمد جن کا لقب 'قدوۃ الدین' ہے سلطان فرسنافہ کے بیٹے، چشت کے معزز لوگوں اور امیرانِ ولایت میں سے ہیں آپ صحیح النسب سادات حسنی میں ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب امام ابو الحسن مثنیٰؒ تک پہنچتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز آپ دجلہ پر پہنچے آپ کے ہمراہ اُناسی[۷۹] آدمی تھے کشتی موجود نہ تھی۔ فرمایا آؤ حلقہ باندھ لیں اور ذکر کریں۔ ساتھیوں نے ایسا ہی کیا اور دجلہ سے صحیح و سالم گزر گئے ایسا کہ کسی کا پاؤں تک نہ بھیگا۔ اُس وقت چوبیس[۲۴] کافر بھی موجود تھے سب مسلمان ہوگئے اور اسی طرح وہ بھی پانی سے گزر گئے اور کچھ عرصہ بعد وہ بھی شیخ کامل ہوگئے۔

نقل ہے کہ حضرتؒ تیس سال تک نہیں سوئے اور تیس سال تک آپ کا وضو نہ ٹوٹا اور کبھی پوری پیاس پانی نہ پیا جب تین چار فاقے ہو جاتے تو کسی سے نہ کہتے بلکہ شکرانہ ادا کرتے اور سات روز بعد کھانے سے افطار فرماتے۔ آپؒ کی عمر شریف پچانوے[۹۵] سال ہوئی۔ آٹھویں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ

میں ۳ رجمادی الثانی ۲۶۰ھ (۸۷۴ء) میں آپ پیدا ہوئے اور خلفائے بنی عباس کے جو بیسویں خلیفہ ابوبکر عبدالکریم بن مُطیع کے خلافت کے زمانہ میں یکم جمادی الآخر ۳۵۵ھ (۹۶۶ء) کو وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک قصبۂ چشت میں ہے جو ہرات سے تیس کروہ کے فاصلہ پر ہے۔

ذکر ملک المشائخ بالاتفاق اُستاد ائمۃ الآفاق مقتدائے وقت حضرت خواجہ ابواسحٰق شامی عکّیؒ

عکّی منسوب ہے عکّ سے جو ایک شخص کا نام ہے جنھیں عکّ بن عدنان کہا جاتا ہے اور شاید یہ نسبت انھیں سے ہے اور ملک شام میں اس نام کا ایک شہر بھی ہے اور شیخ کی نسبت اسی شہر سے ہے۔ آپ اپنے عہد کے بڑے مشائخ میں سے تھے اُس دور کے اولیاء اللہ کے سردار اور کشف و کرامات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ مردانِ غیب کی صحبت میں رہتے، آپ کا لقبِ مبارک "شریف الدین" ہے۔ آپ نے خرقۂ مریدی حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ سے پہنا ہے۔ 'لطائف اشرفی' میں ہے کہ آپ حکم الٰہی کے مطابق ملکِ شام سے حضرت خواجہ ممشاد کی خدمت میں بغداد پہنچ کر مرید ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ نے پوچھا "تمھارا کیا نام ہے" جواب دیا "ابواسحٰق شامی" خواجہ صاحب نے فرمایا "آج سے لوگ تم کو ابواسحٰق چشتی کہیں گے" کیونکہ چشت والے تم سے ہدایت پائیں گے اور جو بھی تمھاری مریدی کے حلقہ میں آئے گا قیامِ قیامت تک اُسے بھی چشتی کہا جائے گا۔ اور تربیت باطنی کے بعد حضرت ابواسحٰق چشتیؒ کو خرقۂ مریدی پہنا کر چشت بھیج دیا اور اسی کے بعد سے خواجگانِ چشت ظاہر ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ جب دنیا والوں کو دیکھتے تو فرماتے "میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں جن سے اللہ نے مجھے محفوظ رکھا۔" یہ بھی منقول ہے کہ آپ جس جگہ بھی سفر کا ارادہ فرماتے پلک جھپکتے ہی وہاں پہنچ جاتے خواہ وہ مقام کتنا ہی دور کیوں نہ ہوتا۔ آپ کی وفات ۱۴ ربیع الثانی ۳۴۷ھ (۹۵۸ء) میں ہوئی ایسا ہی 'خزینۃ الاصفیا' میں بھی ہے۔ آپ کی مزار اقدس عکّہ میں ہے جو شام میں واقع ہے۔ کہا

جاتا ہے کہ آپ کی رحلت کی رات سے ایک بڑا چراغ غیب سے آپ کی مزار کے سرہانے صبح تک جلتا رہتا ہے اور ابر و باراں و آندھی سے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　　چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

(اگر زمانہ میں سراسر ہوا ہی ہوا چلنے لگے تو بھی مقبولانِ الٰہی کا چراغ ہرگز نہ بجھ سکے گا)

ذکرِ شمس الفقرا، بدر العرفا ماحیِ رسومِ بشری حضرت خواجہ ممشاد عُلو دینوری رح

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح اپنے ملفوظ میں لکھتے ہیں کہ عاد دینوری کے اس لفظ کا مطلب بزرگ ہے اور عرب جس شخص کو بلند مرتبہ سمجھتے ہیں اُسے اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ 'دینور' ہمدان کے قریب 'جبل' کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اور آپ رح نے بغداد میں نشو و نما پائی۔ آپ کا اسم شریف خواجہ علو ہے۔ اور آپ کا لقب 'کریم الدین' ہے آپ عراق کے بزرگ مشائخ میں سے ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی اور کشف و کرامات میں اپنے عہد کے یکتا ہیں۔ خرقۂ ارادت آپ نے خواجہ ہبیرہ بصری رح کے ہاتھ سے پہنا۔ آپ رح نے تینتیس ۳۳ سال ریاضات و مجاہدات میں بسر کیے۔ سات دن بعد آپ افطار فرماتے اور منہ کی خشکی دور کرنے کے لیے صرف تھوڑا سا پانی پیتے اور ایک کھجور پر قناعت فرماتے۔ راقم الحروف کو تاریخ کی اکثر کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت علو دینوری وہی ممشاد دینوری ہیں اور ایسا ہی اپنے بزرگوں سے بھی سُنا ہے لیکن صاحبِ 'مراۃ الاسرار' نے علو دینوری کو حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی کا دادا پیر لکھا ہے اور ممشاد دینوری کو دوسرا بزرگ قرار دیا ہے۔ فقیر کے نزدیک "مراۃ الاسرار" کی روایت ضعیف ہے واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت سے پوچھا کہ آپ اپنے دل کو کیا پاتے ہیں؟ فرمایا "تیس سال ہو گئے ہیں اپنا دل گم کر چکا ہوں کیونکہ تمام صدیقین اس حالت میں اپنا دل گم کر چکے ہیں میں کس طرح بتاؤں۔ یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عارف کو ایک پوشیدہ آئینہ عطا کر رکھا ہے جب بھی اُس پر نگاہ کرتا ہے اس میں خداوند تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ فرماتے ہیں "چالیس سال سے بہشت کو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ

مجھے پیش کیا جاتا ہے لیکن میں نے اس کی طرف کنکھیوں سے بھی نہیں دیکھا"۔ آپ کی وفات ۷ محرم الحرام ۲۹۹ھ (۹۱۱ء) کو واقع ہوئی۔

ذکر سلیمان ملکِ لایزالی سرِ حلقۂ شاہدان لا اُبالی فائز کمالات الفقر فخری خواجہ ہُبیرۃ البصری رح

آپ اپنے دور کے علماء و اولیاء کے پیشوا ہیں اور معرفت میں مشائخ کبار میں مشہور و معروف۔ آپ بہت بلند مرتبہ اور صاحبِ مقام ہیں۔ خرقۂ فقر و ارادت حضرت خواجہ حُذیفہ مرعشی رح سے پہنا اور ریاضات و مجاہدات بہت کیے ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ ہیں۔ مریدین کی تربیت میں بہت قوی اور قبولیتِ عام رکھتے اور چونکہ حفاظتِ اسرارِ الٰہی میں آپ امین تھے لہٰذا آپ کا لقب 'امین الدین' ہے۔ مرأۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت خواجہ رح صاحبِ خانوادہ تھے۔ اُن کے مریدین اپنے کو 'ہبیریوں' کا نام دیتے تھے۔ آپ رح کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال ہوئی۔ سترہ ۱۷ سال کی عمر میں آپ عالم متبحر ہو گئے تھے اور چند ہی سال میں کلامِ الٰہی حفظ کر لیا۔ ایسا کہ روز دو کلام پاک ختم فرماتے اور علاوہ وضو کرنے کی جگہ کے کسی جگہ آپ کا وضو نہ ٹوٹتا۔ تیس سال تک آپ ذکرِ حق میں مشغول رہے اور زبردست مجاہدے اور ریاضات کیں۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ رو پڑے اور بولے" الٰہی بے چارہ ہُبیرہ غریب ہے اگر تو اُس سے حساب کتاب لے گا تو اُسے اس کی طاقت نہیں"۔ آواز آئی کہ ہم نے تم پر حساب آسان کر دیا تم کو بخش دیا اور بہشت تم کو عطا کی"۔ چنانچہ آپ کا کام ایسا ہو گیا کہ جو شخص بھی محبت و عقیدت سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا وہ نعمتِ بے حساب سے مشرف ہوتا اور آپ کی توجہ باطنی سے وہ جو بھی چاہتا حاصل کرتا۔ "سیر الاقطاب" میں ہے کہ آپ پانچ پانچ چھ چھ روز بعد افطار فرماتے اور اس قدر روتے کہ لوگ خیال کرتے کہ کہیں آپ ہلاک نہ ہو جائیں۔ بعض اوقات آپ کی آنکھوں سے خون جاری ہو جاتا۔ آپ کی وفات شوال کے مہینہ میں ۲۸۷ھ (۹۰۰ء) میں اور ایک روایت کے مطابق ۱۶ شوال کو ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ رح کا مزار شریف بصرہ میں ہے۔

ذکر قمری شاخسار احدیت، بلبل مرغزار صمدیت سرمست جام پاک بے غشی حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانہ کے کبار مشائخ میں اور پیشوائے صاحبِ اسرار ہیں۔ زہد و تقویٰ اور ترکِ لذات میں اپنی مثال آپ ہیں۔ علمِ سلوک میں آپؒ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ آپ نے شادی نہیں فرمائی۔ کبھی تیسرے چوتھے اور کبھی پانچویں چھٹے دن آپ افطار فرماتے اور اُس وقت بھی تین لقمہ سے زیادہ نوش نہیں فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ درویشوں کی غذا ذکرِ الٰہی ہے اور جو درویش بھی شکم سیر ہوکر کھائے وہ خام ہے اور پیٹ کا بندہ، خود نما اور خود پرست ہے اگرچہ لوگ اُس کو مقتدا و پیشوا سمجھیں تو بھی اس کی صحبت سے بچنا چاہیئے۔ آپ کا لقب "سدید الدین" ہے۔ خرقۂ فقر و ارادت سلطان ابراہیم بن ادہم سے پہنا اور جو بھی نعمتیں اور امانتیں خواجہ ابراہیم کو حضرت خضرؑ، امام محمد باقر اور خواجہ فضیل بن عیاض سے ملی تھیں وہ سب کی سب انھوں نے اپنے آخری وقت آپ کو عطا کرتے ہوئے اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا اور اُن کے وقت سے لے کر اب تک وہی امانت سلسلہ بہ سلسلہ چشتیہ سلسلہ میں جاری و ساری ہے اور آپ کی ارادت و محبت کا سبب معتبر کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت خضرؑ آپؒ کے پاس آئے اور بولے کہ اگر تم کو رہبری کی ضرورت ہے تو ابراہیم بن ادہم کی صحبت اختیار کرو۔ آپ پر اس بات کا بہت اثر ہوا خواجہ ابراہیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جبینِ نیاز کو آپ نے زمین پر رکھا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے بڑی آؤ بھگت کی اُٹھ کر آپ کو گلے لگالیا اور فرمایا تم اطمینان رکھو چند ہی روز بعد تمہارا کشود کار ہو جائے گا۔ اسی کے بعد خواجہ حذیفہ آپ کے مرید ہوئے اور گوشہ گزیں ہوکر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوئے۔ حضرت والا سولہ سال کی عمر میں عالمِ علم لدنّی اور شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت میں کامل ہو گئے۔ ہمیشہ موٹا جھوٹا کپڑا زیب تن فرماتے، گوشہ نشین رہتے اور ہمیشہ گریہ و زاری فرماتے رہتے یہاں تک کہ لوگوں کو پوچھنا پڑا "اے خواجہ یہ ہمیشہ گریہ و زاری کا آخر کیا سبب ہے؟" فرمایا یہ اس لیے ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا شمار کس فرقہ میں ہے۔ ایک فرقہ جنتی ہے اور ایک فرقہ جہنمی۔ ایک شخص نے کہا جب آپ کو یہ خبر ہی نہیں کہ آپ خود کس فرقہ میں ہیں تو آپ بیعت

کیوں کرتے ہیں ؟" حضرت خواجہ ... ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ جب آپ ہوش میں آئے تو ہاتف غیبی کی آواز تمام حاضرین مجلس نے بھی سُنی "اے حُذیفہ میں تم کو محبوب رکھتا ہوں میں نے تم کو قبول کیا اور بہشت میں تمہارا مقام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا۔" اُس مجلس میں تین سو کفار نے اسلام قبول کیا۔

منقول ہے کہ تقریباً ستّر سال حضرت نے سجادہ سے قدم مبارک نہ اُٹھایا اور حاجی لوگ ہر سال آ آ کر بیان کرتے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کو بیت اللہ اور بیت المقدس میں ہم نے دیکھا ہے۔ خواجہ صاحب سفر و حضر میں ہمیشہ سلطان ابراہیم کے ساتھ ساتھ ہوتے اپنے عہد کے تمام مشائخ کو آپ نے دیکھا ہے۔ آپ کی کرامات و خوارق بے حد ہیں۔ امام عبداللہ یافعی نے 'روضۃ الریاحین' میں آپ کی بہت سی حکایات اور احوال و کمالات لکھے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۴ ریا ۲۴ ر شوال ۲۵۲ھ (۶۸۶۶) اور ایک قول میں ۲۷۶ھ (۶۸۸۹) میں ہوئی۔ مرعش ع کے زبر کے ساتھ دمشق کے اطراف میں ایک موضع اور رش کے زیر کے ساتھ شام کے قریب ایک شہر ہے۔

ذکر سلطانِ تارکین، برہان واصلین حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم بن سلیمان منصورؒ

آپ کی کُنیت ابواسحٰق ہے۔ 'نفحات' اور 'تہذیب' میں اس طرح ہے کہ آپ ادہم بن منصور بن یزید بن جابر ہیں۔ حافظ ابوعبداللہ کا قول ہے کہ آپ کا نسب ابراہیم بن یعقوب تک پہنچتا ہے جو بلخ کے بادشاہوں میں سے تھے۔ آپ نے خرقۂ خلافت حضرت فضیلؒ بن عیاض سے حاصل کیا اور عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ آپ حضرت عمر فاروق رضؓ کی اولاد میں ہیں اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے آپکا سلطنت چھوڑ دینا بہت سی روایتوں میں ہے۔ 'تذکرۃ الاولیا' 'نفحات' اور 'لطائف اشرفی' میں معمولی اختلاف کے ساتھ تفصیل درج ہے یہاں بخوفِ طوالت ہم نقل نہیں کر رہے ہیں اِن کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ قصّہ مختصر یہ کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ آخر میں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھے یہ معلوم نہیں کہ

آپؒ کا مزار کہاں ہے۔ بعض لوگ بغداد میں امام احمد بن حنبلؒ کے پہلو میں کہتے ہیں اور بعض شام میں حضرت لوطؑ کی مزار کے قریب۔ 'نفحات' میں ہے کہ آپ کی وفات شام میں ۱۶۱ھ (۷۷۸ء) یا ۲۸۰ھ (۸۹۳ء) میں اور ایک روایت میں ۱۶۳ھ (۷۷۸ء) اور ایک روایت میں ۱۶۶ھ (۷۸۳ء)، ایک روایت کے مطابق یکم شوال اور یا ۶ جمادی الاوّل میں، بنی عباس کے تیسرے خلیفہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ کے عہد میں ہوئی لیکن 'سیر الاقطاب' کے مصنف کے مطابق ۲۶ جمادی الاوّل ۲۸۰ھ (۸۹۳ء) میں ہوئی۔ واللہ اعلم

ذکر حجۃ اہلِ زمانہ جن کے سلسلہ میں ائمہ کرام نے لکھا ہے کہ وہ اہل روایت و درایت کے قائد۔ عبادات و ریاضت میں فردِ زمانہ، 'دائرۂ ولایت کے قطب' صاحبِ جود و کرم فیاض ابو علی فضیل بن عیاضؒ ہے

جامع الاصول وغیرہ کے مطابق عِیاض عین کے زیر کے ساتھ اور ثِقات، ابن حبان میں اس طرح ہے عیاض بن منصور تمیمی ثم یربوعی خراسانی مروزی کوفی ثم المکی۔ آپ کے تنہا مناقب ابن جوزی نے ایک مجلد کتاب میں درج کیے ہیں۔ یربوعی منسوب ہے یربوع سے اور ابن حنظلہ بن مالک بھی قبیلۂ تمیم سے ہیں اور متممؓ بن نویرۂ صحابیِ رسول بھی وہیں کے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو علی ہے اور ابو الفیض بھی۔ آپ کی اصل کوفہ سے ہے۔ بعضوں کا قول ہے خراسان اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ سمرقند میں مرو کے قریب پیدا ہوئے اور باورد میں نشو و نما پائی۔ بعض لوگ آپ کو بخاری الاصل بھی کہتے ہیں۔ آپ خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کی وفات ۳ ربیع الاوّل اور ایک روایت کے مطابق محرم کے مہینہ ۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار اقدس بیت الحرام کے نزدیک جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجہؓ کے مزار پُر انوار کے قریب ہے۔ ابن معین ابن مدینی ابو عبید ابن نمیر بخاری اور ابن سعد کا کہنا ہے کہ آپ کا وصال مکہ معظمہ میں ۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں ہوا۔ بعض لوگوں نے پہلی محرم اور بعض نے روزِ عاشورہ بھی لکھا ہے۔ ہشام بن عمارؒ سے مروی ہے کہ آپ نے عاشورہ کے دن وفات پائی اور

یہی تہذیب کمال میں ہے اور طبقات شعرانی میں ہے کہ حرم شریف میں محرم کے مہینہ میں وفات پائی اور ابن عیینہ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ترجمہ ابن عیینہ میں ہے کہ آپ جنت المعلیٰ کے دروازہ میں دفن ہیں اور پہلو میں فضیل بن عیاض، ابو القاسم قشیری اور امام یافعی ہیں۔ آپ کی محرم میں وفات تمام کتابوں مثلاً طبقات، ہروی، سیر الاولیاء اور نفحات میں درج ہے۔ اگر آپ کا مزید حال درکار ہو تو سیرت الاکابر ملاحظہ کیجیے۔

ذکر فائز بہ مکاشفات توحید وجودی مصداق تحسبہم ایقاظاً وھم رقود صاحب تجرید و تفرید حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید بصری

آپ حضرت خواجہ حسن بصری کے سب سے عظیم خلیفہ ہیں اور حضرت خواجہ کمیل بن زیاد سے بھی خرقۂ خلافت پہنا ہے۔ آپ کے کمالات اور خوارق عادت بہت ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے اور مجاہدات و ریاضات ترکِ لذاتِ دنیوی تجرد اور عشقِ الٰہی کے ذوق و شوق میں اپنے زمانہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے، تیسرے روز افطار فرماتے اور تین لقمے سے زیادہ کبھی نوش نہ فرماتے تھے نیز اکثر و بیشتر روتے رہتے۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امام حسین کی خدمت بابرکت میں رہ کر تحصیل علم کیا۔ آپ کو خلق سے ہمیشہ نفرت رہی اور لوگوں سے کبھی نہ گھلے ملے لیکن مردانِ خدا کی زیارت کے لیے آپ دور دراز سفر فرماتے اور ملاقات کرتے جس کو بھی دیکھتے سلام کرنے میں پہل فرماتے۔ درم و دینار کو کبھی ہاتھ بھی نہ لگایا اور فرماتے ہرگز نہیں بخدا بھلا فقیر کبھی دینار میں ہاتھ لگا سکتا ہے جو کل کو اپنے پیرانِ عالی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے فقیر کو تہی دست تہی شکم اور تہی دامن ہونا چاہیے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ مبتدی اور کم ہمت ہے اس کا شمار اس جماعت میں نہ کرنا چاہیے۔ جس وقت حضرت خواجہ حسن بصری کی خدمت میں حاضری دی، آپ کے حلقۂ ارادت سے وابستگی کے بعد مجرد ہو گئے اور علائق دنیوی سے بالکل کنارہ کش۔ تمام نقدی و مال و جائداد کل کی کل فقیروں کو لٹا دی اور پھر تمام عمر دنیاوی مال و متاع کی طرف نظر نہ کی۔ ۲۷ صفر

سنہ ۳۳ھ (۱۱۷ء) یا سنہ ۱۱۲ھ (۱۱۷ء) میں بصرہ میں وفات پائی۔

ذکر رئیس تابعین امام العارفین مصدر جمیع سلاسل مظہر فیض ابدی سیدی حضرت خواجہ حسن بصری رحؒ

آپ کا اسم گرامی ابو علی حسین بن حسن بصری ہے آپ جوہری تھے اسی وجہ سے آپ "حسن لولوی" بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آپ بے حد خوبصورت تھے اسی لیے آپ کا خطاب "حسن لولوی" ہو گیا۔ کنیت ابو سعید اور ابو محمد ہے۔ آپ کا شمار بلند مرتبہ تابعین میں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے آپ نے ایک سو تیس ۱۳۰ کی زیارت کی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اُمّ سلمہؓ کی لونڈی تھیں۔

منقول ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا "اسلام کتاب اللہ میں ہے اور مسلمان قبر میں۔" پھر پوچھا گیا "اے شیخ ہمارے دل سوئے ہوئے ہیں آپ کی باتیں اثر نہیں کرتی ہیں" فرمایا "کاش تمہارے دل سوئے ہوئے ہوتے کہ جب انھیں جگایا اور جھنجھوڑا جاتا تو وہ بیدار ہو جاتے تمہارے دل تو مُردہ ہیں کہ اُنھیں کتنا ہی کیوں نہ جھنجھوڑا جائے وہ جگنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں ہوئی۔ مزار پُر انوار بصرہ میں ہے۔ مناقب الاولیاء میں ہے کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ کسی کام میں مشغول ہوتیں اور آپ روتے تو حضرت اُمّ سلمہؓ آپ کے منہ میں دودھ دیتیں اور آپ دودھ پیتے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے آپ کے لیے دعا کی کہ اللھم اجعلہ لنا اماماً (اے اللہ اِن کو ہمارے لیے امام بنا) اسی وجہ سے آپ صوفیائے کرام کے امام ہوئے۔ آپ کی بے شمار کرامتیں اور بہت فضائل و مناقب ہیں۔ آپ علاوہ وعظ و نصیحت کے اور کوئی بات ہی نہ فرماتے۔ جان و دل سے سنت کی پیروی فرماتے۔ آپ میں دلوں کو مسخر کرنے کی وہ طاقت تھی کہ اگر کوئی فاجر و فاسق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ فوراً تائب ہو جاتا۔ آپ کی وفات ۴ ربیع یا ۵ محرم اور دوسری روایت میں یکم رجب سنہ ۱۱۰ھ (۷۲۸ء) یا سنہ ۱۱۱ھ (۷۲۹ء) میں ہوئی۔ حافظ مروزی (تذکرہ) ابن سیرین میں

اور حماد بن زید کہتے ہیں کہ حضرت حسن پہلی رجب ۱۱۰ھ (۷۲۸ء) کو واصل بحق ہوئے اور میں نے اُن کی نماز پڑھی۔ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ بصرہ میں رجب کے مہینہ ۱۱۰ھ (۷۲۸ء) میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے جنازہ میں بہت زیادہ مجمع تھا۔ آپ کی عمر شریف ننانوے ۹۹ سال ہوئی۔ آپ کا باقی حال دوسری کتابوں میں دیکھنا چاہیئے۔

اس کے بعد سرخیل سلسلۂ چشتیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ذکرِ مبارک چونکہ سلسلۂ قلندریہ میں درج کیے جا چکے ہیں لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ

حضرت شیخ قطب الدین بینا دل قلندرؒ جونپوری کو اس سلسلہ کی اجازت حضرت شیخ شمس الدین بڈھن ظفر آبادیؒ سے بہ طریق اصدا ملی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کتاب اصول المقصود مصنفہ حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی قدس سرہٗ میں درج ہے اور اُن حضرات کا جو حضرت بینا دل قلندر تک ہیں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے لہٰذا اب صرف اُن حضرات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو قلندر صاحبؒ کے بعد کے ہیں۔

ذکرِ شیخِ طریقت مصدرِ فیوضِ الٰہی، مظہرِ انوارِ خفی و جلی حضرت شمس الحق والدین عرف بڈھن ظفر آبادیؒ

آپ حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح سہروردی بن حضرت مخدوم حاجی صدر الدین چراغ ہند کے خلف رشید ہیں آپ کی ولادت ۷۷۴ھ (۱۳۷۲ء) میں ہوئی۔ آپ کی ذات بابرکات مظہرِ انوارِ تجلیات اور واقفِ اسرارِ الٰہیات تھی آپ بہت بڑے زاہد متقی اور عشقِ الٰہی میں عاشقِ زار تھے۔ رات دن سوا تعلیم و تلقین باطنی کے اور کوئی کام نہ تھا۔ آپ کی ولادت کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے جد امجد

حضرت مخدوم چراغ ہند کی دعا کے مطابق آپ عمل میں آئے جب آپ کی ولادت کو تین دن رہ گئے تھے تو حضرت مخدوم صاحبؒ حجرہ میں بیٹھے اور دروازہ بند کرلیا جب آپ پیدا ہوئے اور دو تین دن گزر گئے اور حجرہ کا دروازہ نہ کھلا تو تمام لوگ اور آپ کے خادم جمع ہوئے اور آخر کار دروازہ توڑکر اندر گئے۔ اندر جاکر دیکھا کہ مخدوم صاحبؒ سجدہ کی حالت میں جاں بحق ہوگئے تھے۔ حجرہ کے طاق پر لوگوں کو ایک پرچہ حضرت مخدوم صاحب کے قلم مبارک رقم کا لکھا ہوا ملا جس پر یہ مصرع درج تھا "طلوعِ شمس مغلوبِ چراغ است" (سورج کا نکل آنا چراغ کا بجھ جانا ہے) اسی کے بعد آپ کا نام شمس الحق والدین رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ مادرزاد ولی تھے اور پیدائشی طور سے مقامات لاہوت وجبروت وناسوت طے کیے ہوئے تھے پیدا ہونے کے چھ روز بعد ۷۷۴ھ (۱۳۷۲ء) میں حضرت مخدوم چراغ ہند کی دستار شیخت و بزرگی اور تاج سجادگی آپ کے سر پر رکھا گیا اور عالم خواب میں حضرت مخدوم چراغ ہند سے بیعتِ اُویسی کرتے ہوئے خلافت حاصل کی۔ آپ کی پختہ مزار شریف حضرت مخدوم چراغ ہند کے حریم روضہ میں اپنے والد ماجد کی قبر سے ملی ہوئی ہے جو پچھم کی سمت علٰحدہ گنبد میں واقع ہے۔ آپ کی وفات کا سن معلوم نہ ہوسکا عمر سو سال سے متجاوز تھی۔

ذکر شرف الاسلام والمسلمین نخبۃ علماءِ متصوّفین حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح مسکین ظفرآبادیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ شیخ قریشی اسدی ہیں۔ حضرت مخدوم صدر الدین حاجی چراغ ہند کے خلف رشید ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار نے اپنے پیر کے نام پر آپ کا نام رکھا۔ علوم عقلی و نقلی میں آپ پوری طرح ماہر تھے۔ تحصیلِ علم کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اچانک ہاتھ کھینچ لیا اور اپنے والد ماجد سے بیعت اور ارادت کی۔ مصلّائے استقامت بچھاتے ہوئے مجاہدۂ نفس میں مشغول ہوگئے۔ چند سال اسی طرح گزرے آخر کار معارف و حقائق کی منزل میں عظیم الشان قرار پائے۔ مسائلِ فقہیہ پر مکمل عبور رکھتے تصوف اور وحدت الوجود

کے نکتے بخوبی تمام جانتے اور اکثر کرامات آپ سے سرزد ہوتی رہتیں۔ جب تک آپ زندہ رہے ایک لمحہ بھی یادِ حق سے غافل نہ رہے ہمیشہ مخلوق سے بیگانہ اور حق تعالیٰ سے یگانہ رہتے۔ آپ کی وفات ۹ محرم الحرام ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) میں ہوئی۔ آپ کی پختہ مزار حضرت مخدوم چراغ ہند کے گنبد کے اندر اپنے والد ماجد کے داہنی سمت ظفرآباد میں ہے۔

ذکر قطب الاقطاب غوث الافراد صاحب فیض ابدی حضرت مخدوم شیخ صدرالدین حاجی ظفرآبادی ملقّب بہ "چراغِ ہند"

آپ شیخ قریشی ہیں آپ کے والد کا نسب حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے اور والدہ کا نسب حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ سے ملتا ہے آپ کی ولادت ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) میں ہوئی آپ اپنے خالہ زاد بھائی حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانیؒ کے سب سے عظیم خلیفہ ہیں آپ صاحبِ مقاماتِ بلند اور صاحبِ کراماتِ ارجمند ہیں۔ اپنے پیر روشن ضمیر سے خرقۂ خلافت حاصل ہونے کے بعد ظفرآباد کی ولایت کے لیے مقرر ہوئے۔ جونپور اور اکثر جگہوں پر آپ کی چلّہ گاہ موجود ہے۔ آپ شیر بیشۂ معرفت اور یکہ تازِ میدانِ طریقت ہیں۔ آخر وقت میں حالتِ جذب و استغراق کا ایسا غلبہ ہوگیا تھا کہ علاوہ ادائیگی نماز کے کسی چیز کی خبر نہ رہتی نہ تو اپنی ہی اور نہ غیر کی۔ فضائل و مناقب اور علومِ ظاہری و باطنی کے علاوہ آپ کلام اللہ کے حافظ بھی تھے اور سات بار پیادہ پا حج بھی فرما چکے تھے۔ ہمیشہ سیاہ لباس پہنتے۔ اسی وجہ سے حاجی الحرمین کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے علمی مباحثہ کا قصہ جو مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے ساتھ ہوا مشہور ہے۔ آپ کی وفات ۸ ذی قعدہ ۷۷۵ھ (۱۳۷۳ء) میں ہوئی ایک روایت میں ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) بھی ہے لیکن خزینۃ الاصفیا میں ۷۷۵ھ (۱۳۷۳ء) ہی لکھا ہے۔ آپ کی مزار ظفرآباد کے شیخواڑہ محلہ میں پختہ چہاردیواری کے اندر ہے۔ 'بحر زخار' میں لکھا ہے کہ آپ کی مزار آج تک مخلوق کی حاجت روائی فرماتی ہے۔ عیدِ قرباں کے روز تمام لوگ آپ کی مزار اقدس کے گرد جمع ہوکر روضۂ اقدس کے گرد طواف کرتے ہیں اور بڑی ہی عقیدت کے ساتھ ارکانِ حج بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں

آپ پر نازل ہوں۔

ذکر شیخ المشائخ قدوۂ اربابِ طریقت، زبدۂ اصحاب تحقیق حضرت شیخ رکن الدین رکن عالم ابوالفتح سہروردی ملتانی ؒ

آپ کی کنیت ابوالفتح اور لقب فضل اللہ ہے۔ آپ اپنے والد ماجد شیخ صدرالدین محمد بن شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے خلیفہ اور مرید ہیں۔ باون سال تک اپنے والد ماجد اور جدِ گرامی کے سجادہ پر رونق افروز رہے آپ علومِ ظاہری اور باطنی سے آراستہ اور صاحبِ کشف و کرامات تھے۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے اور دستارِ مبارک پلنگ کے پایہ پر رکھی ہوئی تھی۔ حضرت شیخ صدرالدین نیچے فرش پر دوزانو ادب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ رکن الدین جو اُس وقت چار سال کے تھے چارپائی کی پٹی پکڑے ہوئے کھیل رہے تھے بچپن کا تقاضا کہ اچانک آپ نے دادا جان کی پگڑی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ یہ دیکھ کر شیخ صدرالدین نے ڈانٹا کہ تمیز سیکھو۔ لیکن حضرت شیخ ؒ نے منع فرمایا کہ اسے مت روکو یہی اس کا حقدار ہے اور ہم نے یہ دستار اسے عطا کر دی۔ چنانچہ اسی روز وہ دستار ایک بکس میں محفوظ کر دی گئی اور والدِ گرامی کے وصال کے بعد جب شیخ رکن الدین سجادہ مشیخت پر رونق افروز ہوئے تو وہی دستار اپنے سر پر رکھی اور وہی خرقۂ عالیہ جو اُن کے جدِ گرامی کو حضرت شیخ الشیوخ سے آپ کو عطا ہوا تھا زیبِ تن فرمایا اور رونق افزائے سجادۂ عالیہ ہوئے۔ آپ کی ذات بابرکات فیضِ الٰہی کا ایک دریا تھی۔ جو شخص بھی کوئی ضرورت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اپنا دامن گوہرِ مراد سے بھر کر لے جاتا چنانچہ لوگ آپ کو قبلۂ حاجات کہنے لگے۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ آپ کی ولادت جمعہ کے روز ۶۴۷ھ (۱۲۴۹ء) میں ہوئی۔ والدِ ماجد کے بعد آپ باون ۵۲ سال سجادہ پر بیٹھے۔ آپ کی وفات ۹ جمادی الاول اور بعض روایتوں کے مطابق ۱۶ رجب ۷۳۵ھ (۱۳۳۵ء) پنجشنبہ کے روز ہوئی۔ آپ کی عمر اٹھاسی ۸۸ سال ہوئی مزار بھی ملتان میں والد ماجد اور جدِ گرامی کے برابر واقع ہے۔

ذکر فرید الدہر، وحید العصر، قطبِ وقت حضرت شیخ صدر الدین عارف بن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

آپ اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ کُنیت 'ابو المغانم' ہے علومِ ظاہری و باطنی کے جامع، کمالاتِ صوری و معنوی سے آراستہ، سخاوت و شجاعت حِلم و بُردباری اور خوش اخلاقی میں اپنے زمانہ کے مقتدا و پیشوا اور شیخ صدر الدین عارف کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی خانقاہ واقع مُلتان میں مسندِ رُشد و ہدایت پر اٹھارہ سال رونق افروز رہے۔ بہت سے اولیاء اللہ آپ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ ہیں جن کے کام کو آپ نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ کے پند و نصائح بہت مفید ہیں جن کو آپ کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدینؒ نے 'کنوز الفوائد' کے نام سے آپ کے ملفوظ میں جمع کیا ہے جن میں بہت سے نصائح شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے 'اخبار الاخیار' میں نقل کیے ہیں۔ آپ کی کرامات بہت ہیں۔ 'تاریخ فرشتہ' میں بھی آپ کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت جمعہ کی رات کو ۶۱۱ھ (۱۲۱۴ء) میں ہوئی۔ عمر شریف تہتر ۷۳ سال ہے۔ آپکی وفات سہ شنبہ کے روز ۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ (۱۲۸۶ء) کو ہوئی۔ لیکن 'تاریخ فرشتہ' میں سنِ وفات ۷۰۶ھ (۱۳۰۷ء) لکھا ہے۔ آپ کا مزار ملتان میں اپنے والد ماجد کے قریب واقع ہے۔

ذکر عارف باللہ ربّ العالمین حضرت شیخ الاسلام خواجہ بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانی قُرشی اسدیؒ

شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ۔ سہروردیہ سلسلہ کے مشائخ میں بہت عظیم القدر اور ہندوستان کے اکابر اولیاء اللہ میں۔ کراماتِ ظاہری میں مشہور اور صاحبِ مقاماتِ روشن اور برکات شاملہ تھے کنیت ابو محمد اور ابو البرکات ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام وجیہہ الدین بن کمال الدین

علی شاہ قریشی ہے، وطن ملتان ہے۔ علوم ظاہری و باطنی میں عالمِ دوراں اور اپنے وقت کے قطب و غوث اور اپنے عہد میں بے نظیرِ زمانہ تھے۔ آپ حنفی المذہب تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد پندرہ سال درس و تدریس اور افادۂ علوم میں مشغول رہے روزانہ ستر علماء و فضلا آپ سے فیضیاب ہوتے۔ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور واپسی میں بغداد پہنچ کر شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ پیرو مرشد کی اجازت سے ملتان آ کر رہ گئے اور طالبانِ حق کی رُشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ بہت سے لوگ آپ کی بدولت ہدایت یاب ہوئے۔ "نزہتہ الارواح" کے مصنف میر حسینی سادات' اور 'لمعات' کے مصنف شیخ فخر الدین عراقی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت باطنی حاصل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے اور شیخ فرید الدینؒ کے درمیان بڑی محبت تھی اور برسہا برس دونوں ایک ساتھ رہے۔ آپ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ آپ کی ولادت شبِ قدر میں جمعہ کے دن رمضان المبارک ۵۶۶ھ (۱۱۷۱ء) میں قلعہ کوٹ میں ہوئی۔ ایک روایت میں ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) بھی ہے۔ آپ کی وفات پنجشنبہ کے روز بعد ادائیگی نمازِ ظہر ۷ صفر یا ۱۷ صفر ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ء) میں ہوئی۔ عمر شریف سو سال ہوئی۔ مزار اقدس ملتان میں حصارِ قدیم میں واقع ہے۔

ذکر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

آپؒ کی کنیت ابوحفص اور نام عمر بن بکری سہروردی ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں ہیں۔ آپؒ اپنے چچا حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ کے مرید ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت رجب ۵۳۹ھ (۱۱۴۴ء) میں ہوئی اور وفات پہلی محرم ۶۳۲ھ (۱۲۳۴ء) میں ہوئی آپ کی مزار بغداد میں شہر کے اندر ہے۔ آپ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

ذکر شیخ اعظم، قطب اکرم شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ

آپ کا نام عبد القاہر اور لقب ضیاء الدین ہے۔ سلسلۂ نسب بارہ واسطوں سے امیر المومنین

حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی نسبتِ ارادت دو طرف سے ہے ایک شیخ احمد غزالیؒ سے اور دوسری اپنے چچا شیخ وجیہہ الدینؒ سے آپ تمام علوم میں کامل تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی۔ قطبِ ربانی سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی صحبت سے مشرف ہو کر اُن کے حلقۂ ارادت سے وابستہ ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ اپنے وقت کے امامِ شریعت اور یگانۂ حقیقت رہے ہیں۔ آپ کی وفات شنبہ کی رات کو ۱۲ رجمادی الآخر ۵۶۳ھ (۱۱۶۸ء) میں ہوئی۔ مزار اقدس بغداد میں ہے۔

ذکر عارف باللہ، فائز بہ کمالاتِ سرمدی شیخ وجیہہ الدین ابوحفص سہروردیؒ

آپ جلیل القدر مشائخ اور عظیم المرتبت اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات ہیں۔ آپ کو دو طرف سے نسبتِ ارادت ہے اور دونوں سلسلے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ تک پہنچتے ہیں ایک شیخ ممشاد دینوریؒ کے ذریعہ حضرت سید الطائفہ تک اور دوسرا اخی فرج زنجانیؒ سے حضرت رویمؒ تک اور اُن سے سید الطائفہؒ تک۔ اور وہ حضرت شیخ ابو نجیب سہروردیؒ کے پیر و مرشد ہیں۔ آپ کی وفات ۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) میں ہوئی۔ مزار آپ کا بغداد میں ہے۔

ذکر مصدرِ فیوضِ ربانی، مخزنِ انوارِ الٰہی شیخ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عمّویہ

شیخ عمّویہ کے والد ماجد کا نام عبداللہ ہے آپ اپنے زمانہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے آپ شیخ احمد اسود دینوریؒ کے مرید اور اپنے وقت کے فرد و یگانہ اور استادِ زمانہ گزرے ہیں۔ آپ نے تمام لوگوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرما کر راہِ حق دکھلائی۔ وفات ۳۷۳ھ (۹۸۳ء) میں ہوئی۔

ذکرِ شیخ مشائخ وقت مقبولِ ربّ احد شیخ احمد اسود دینوری رح

آپ کے والد ماجد کا نام محمدؒ ہے. لیکن سفینۃ الاولیاء کے مصنّف نے عطا لکھا ہے. دینور کے باشندہ اور بہت بزرگ شیخ شمار کیے جاتے. علومِ ظاہری و باطنی کے عالم مرشدِ کامل عابد و زاہد اور متقی و صائم تھے نیز دنیا والوں کی صحبت سے نفرت رکھتے تھے. حضرت ممشاد دینوریؒ کے سب سے جلیل القدر مرید تھے اور اُن کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی فیض حاصل کیا ہے. آپؒ کی وفات ذی الحجہ ۳۶۷ھ (۹۷۸ء) میں ہوئی 'نفحات الانس' کے مصنف کے نزدیک سن وفات ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) ہے. باقی بزرگوں کا حال جو حضرت ممشاد دینوری سے لے کر حضرت جنید بغدادیؒ تک ہے اوپر گزر چکا ہے.

سلسلۂ طیفوریہ

یہ سلسلہ حضرت طیفور شامی کی طرف منسوب ہے جنھیں حضرت بایزید بسطامی کہا جاتا ہے. حضرت سید خضر رومی قلندرؒ کو اس سلسلہ کی اجازت حضرت میر جمال مجرّد ساوُجیؒ سے جو حضرت طیفور شامیؒ کے خلیفہ ہیں اور اُن کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہے. اس سلسلہ کے بزرگ میر جمال مجرّد ساوُجی اور حضرت طیفور شامیؒ کے علاوہ سب وہی ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے لہٰذا صرف میر جمال مجرّد ساوُجیؒ کا ذکر کر کے اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے. حضرت طیفور شامیؒ کا ذکر گرامی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ہوگا لہٰذا مکرّر نہیں لکھا جا رہا ہے.

ذکر سید السادات میر جمال مجرّد ساوُجی رح

ساوُج ساوہ سے منسوب ہے جو سرزمین طوس کے دیہاتوں میں سے ایک ہے جسے آیا بھی کہتے ہیں. مشہور شاعر سلمان ساوُجی بھی اسی جگہ کا رہنے والا تھا. شروع میں آپؒ مصر میں مفتی تھے. مصری لوگ آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہتے تھے. جب بھی کسی کو کوئی مشکل فتویٰ پیش آتا آپ کی طرف رجوع کرتا اور آپؒ بغیر کتاب دیکھے اُسے اطمینان بخش جواب عطا کرتے تھے. ایک دن آپؒ کی یہ حالت ہوئی کہ تمام مال و اسباب

کٹا کر ریش مبارک ترشوائی اور ایک غار میں جا کر پوشیدہ ہوگئے اور آسمان کی سمت منہ کر کے مبہوت بیٹھ رہے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ایک دانشمند نے کہا کہ رانگ پگھلا کر آپؒ کے منہ میں ڈال دیا جائے چنانچہ ایسا کیا گیا لیکن آپ کی حالت میں مطلق تبدیلی نہ ہوئی گویا کہ ٹھنڈا پانی آپؒ کے منہ میں ڈالا گیا ہے۔ اس زمانہ کے علماء و فضلاء آپ کو تلقین کرنے پہنچے کہ آپ نے شریعت کے خلاف داڑھی کتروادی ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنا سر گریبان میں ڈالا اور اُٹھایا تو سفید داڑھی موجود تھی جو لوگ آپ کو تلقین کرنے آئے تھے وہ اعتقاد اور ندامت کی حالت میں معذرت کرتے ہوئے لوٹ گئے۔ 'مراد المریدین' میں بعض رسائل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سید جمال الدین مجرد ساوُجی ۶۰۴ھ (۱۲۰۷ء) میں حیات تھے آپ خواجہ بایزید بسطامیؒ کے خلیفہ ہیں۔ اگر آپ کا تفصیلی حال درکار ہو تو 'مراد المریدین'، 'سیر العارفین، کرامات الاولیا' اور 'خیر المجالس' میں دیکھنا چاہیئے۔ آپ کا مقبرہ قصبہ نائن میں جو یزد اور اردستان کے درمیان واقع ہے آپؒ کی سال ولادت و وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔

سلسلہ فردوسیہ

یہ سلسلہ شیخ ابو نجیب فردوسی سے منسوب ہے جو دمشق میں حلب کے نزدیک واقع ہے۔ حضرت قطب الدین بینادل قلندرؒ کو اس سلسلہ کی اجازت حضرت شیخ حسین بن معزّ بلخی سے ملی ہے۔

ذکر شیخ الاسلام والمسلمین عمدۂ ارباب سلوک و یقین واقفِ اسرارِ الٰہی حضرت شیخ حسین بن مُعزّ بلخیؒ

آپؒ اپنے چچا شیخ مظفرؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں لیکن آپ کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کو نسبتِ ارادت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ سے تھی اور اجازت خلافت اور تربیت باطنی اپنے چچا شیخ مظفرؒ سے حاصل کی۔ شروع میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی میں رہے اور عنایت الٰہی کے جاذبہ کے بعد جو طریقۂ فقر پر گامزنی کا سبب ہے حجازِ مقدس کا سفر کیا اور مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے اس سعادت

سے مشرف ہونے کے بعد وطن واپس ہوئے۔ آپؒ کا لقب جو حضرت شاہ مدارؒ کا عطا کردہ ہے سمندرِ توحید ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ حسینؒ بہار کے راستہ سے جونپور پہنچے اور اس سفر کا سبب یہ ہوا کہ حضرت شیخ شرف الدینؒ نے آپ کو عوارف المعارف، نصف کتاب پڑھائی تھی کہ حضرت شیخؒ کا وصال ہوگیا۔ شیخ حسینؒ بہت ہی بے چین ہوئے۔ حضرت شرف الدینؒ نے آنکھیں کھول کر فرمایا "اطمینان رکھو تھوڑے عرصہ بعد شیخ بدیع الدین مدارؒ جونپور آئیں گے تم وہاں جاکر اُن سے کتاب مکمل کر لینا۔ تم کو اس سے بڑے فیوض و برکات نصیب ہوں گے۔ آخر میں آپؒ نے شیخ مدارؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بقیہ نصف کتاب ختم کی، خلافت پائی اور سمندرِ توحید کا لقب حاصل کیا۔ شاہ شرف الدینؒ سے "توشۂ توحید" کا لقب عطا ہوا۔ آپؒ کے خطوط بہت ہی نفیس ہیں جنھیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے 'اخبار الاخیار' میں نقل کیا ہے۔ آپ کا مزار بہار میں ہے۔ مراۃ الکونین کی روایت ہے کہ ولادت ۷۵۴ھ (۱۳۵۳ء) میں اور وفات ۲۳ ذی الحجہ ۸۶۹ھ (۱۴۶۵ء) کو بعمر ۱۱۵ سال ہوئی۔

ذکرِ شیخ کامل امامِ فاضل کاشفِ رموزِ سرمدی حضرت شیخ مظفرؒ بن شمس بلخیؒ

آپؒ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مرید اور خلیفہ اور پیر کے بہت زیادہ مقبول و محبوب ہیں چنانچہ شیخ نے اپنے خطوط میں آپ کو 'امام مظفرؒ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت والا چھبیس سال تک اپنے واقعات و معاملات اور حالات اپنے شیخ کو لکھتے رہے اور شیخ آپ کو جوابات دیتے رہے"۔ بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ میرے یہ مکتوبات تمھاری تمام مشکلات کا حل ہیں لیکن یہ کسی کو دکھانا مت کہ کہیں سِرِّ ربوبیت کھُل نہ جائے۔ جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب ہوا تو اکیس روز تک آپ نے نہ کھانا کھایا اور نہ کسی سے بات کی اور آخر وقت میں پیرانِ عظام کی یہ نعمتِ خلافت اپنے بھتیجے شیخ حسینؒ کو عطا فرمائی۔ ۷۸۸ھ (۱۳۸۶ء) میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد آپ چھ سال زندہ رہے۔ آپؒ کا مزار شریف عدن میں ہے۔

ذکر شرفِ اولیاء فخرِ اصفیاء صاحبِ مقامِ عالی حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور مشائخ میں ہے۔ آپ کے مناقب محتاجِ بیان نہیں۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف اور مکاتیب مشہور ترین اور آپ کی تصانیف لطیف ترین ہیں جن میں تمام آدابِ طریقت اور اسرارِ حقیقت درج ہیں۔ آپ کے معتقدین میں سے ایک نے آپ کے ملفوظات بھی جمع کیے ہیں۔ "آداب المریدین" کی بھی شرح آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ آپ خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے مرید ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ شرف الدینؒ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ اتفاقاً دہلی پہنچنے سے پہلے ہی معلوم ہوا کہ شیخ نظام الدینؒ بہشت کی طرف کوچ فرما چکے اور شیخ نجیب الدین فردوسیؒ وہاں موجود ہیں جب آپ اُن کی خدمت میں پہنچے تو وہ بولے یہ فقیر مدت سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہے اور جو امانت اُس کے پاس ہے وہ تم کو دینا چاہتا ہے چنانچہ آپؒ مرید ہوئے اور جو نعمت آپ کے لیے رکھ چھوڑی تھی وہ لے کر وطن واپس ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اُس جنگل میں جو آگرہ کے راستہ میں ہے کچھ عرصہ تک رُکے رہے اور وہیں رہ کر عبادت فرماتے رہے اور سالہا سال بعد وطن واپس آئے۔ آپ کی مزار اقدس بہار میں ہے اور منیر بہار ہی کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ ایک فارسی رسالہ جس میں چودہ خانوادوں کا ذکر ہے لکھا ہے کہ سلسلۂ فردوسیہ کی ابتدا سہروردیہ سے ہے شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسیؒ اور شیخ علاء الدین طوسیؒ ایک دوسرے کے ہمعصر تھے۔ یہ دونوں حضرات ریاضات و مجاہدات میں کمال کو پہنچے تھے حتیٰ کہ ایک ہفتہ کے بعد روزہ افطار کرتے اور وہ بھی جنگلی گھاس پھوس یا جو کی روٹی سے۔ یہ دونوں حضرات شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "ساری عمر گزر گئی اور مقصد حاصل نہ ہوا گو کہ بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔" شیخ ابو نجیب نے فرمایا "بھائیو، میں خود اسی فکر میں مبتلا ہوں اس کی یہی ایک صورت ہے کہ ہم تینوں شیخ وجیہہ الدین ابو حفص بن عمر بن عمویہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اُن کے مرید ہو جائیں چنانچہ حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ شیخ وجیہہ الدینؒ نے کچھ عرصہ بعد شیخ ضیاء الدینؒ اور شیخ علاء الدینؒ کو خلافت

عطا کی اور رخصت کیا۔ شیخ نجم الدینؒ کو شیخ ابونجیبؒ کے سپرد کیا اور کہا ان کو اپنے واسطے رکھ لو۔ سات ماہ بعد شیخ ابونجیبؒ نے شیخ نجم الدینؒ کو خلافت عطا کی اور فرمایا تم مشائخ فردوس میں ہو۔ اسی روز سے فردوسی لوگ پیدا ہوئے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ شیخ شرف الدین کی وفات ۶؍ شوال ۷۸۲ھ (۱۳۸۰ء) میں ہوئی جو سلطان فیروز شاہ کا زمانہ تھا۔ ایک روایت میں آپؒ کی مزار بہار میں دوسری روایت کے مطابق منیر میں ہے۔

ذکر نجیب الاولیاء، نقیب الاصفیاء معدن فیوض لم یزلی شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

آپ شیخ رکن الدین فردوسیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ عماد الدین تھا۔ اپنے شیخ کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے اور اللہ کی مخلوق کو ہدایت فرمائی۔ آپؒ کی وفات ۷۳۳ھ (۱۳۳۲ء) میں ہوئی۔ مزار حوض شمسی کے مشرقی سمت دہلی میں بلند چبوترہ پر مولانا برہان الدین بلخی کی مزار کے پاس واقع ہے۔

ذکر شیخ اصاغر و اکابر ذو المجد و الشرف الٰہی رکن الملّۃ والدین شیخ رکن الدین فردوسیؒ

آپ شیخ بدر الدین سمرقندیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں اور ان کے بعد سجّادہ مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ ہندوستان میں یہ سلسلۂ فردوسیہ آپؒ سے ہی پھیلا۔ آپ نے بچپن ہی میں شیخ بدر الدین سمرقندیؒ سے تربیت اور تکمیل پائی۔ اس سلسلہ میں آپ کا بڑا بلند مقام ہے۔ آپ مخلوق میں بے حد مقبول تھے۔ ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ آپ ہی کی بدولت پھلا پھولا۔ سلسلۂ فردوسیہ کا ہر فرد آپؒ ہی سے اپنی نسبت ثابت کرتا ہے۔ جب سلطان معز الدین کیقباد نے کیلوکھری میں شہر آباد

کیا اُس وقت آپؒ دہلی میں تھے۔ آپ نے شہر سے باہر نکل کر دریا کے کنارہ ایک جگہ منتخب کی۔ غالباً آپ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان زائد ربط و محبت نہ تھا۔ "سیر الاولیاء" میں ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسیؒ کے صاحبزادگان جو نوجوان تھے اور اُن کے مریدین متعدد بار کشتی میں سوار ہو کر سماع سنتے اور رقص کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے گھر کے پاس سے گزرا کرتے۔ ایک دن اسی طرح گذر رہے تھے جب شیخ کی نظر اس جماعت پر پڑی تو سر اٹھا کر فرمایا سالہا سال ہو گئے ایک شخص خونِ جگر پی رہا ہے اور اپنی جان اس راہ میں فدا کر رہا ہے اور دوسرے نوجوان ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ تو کون ہے کیا ہم نہیں ہیں یہ فرما کر ہاتھ نکال کر ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ہاں جاؤ شیخ رکن الدین کے بیٹے اسی شور شرابہ کے ساتھ اپنے گھر پہنچے اور کشتی سے اُتر کر غسل کرنا چاہا، پانی میں اُترتے ہی فوراً ڈوب گئے۔ آپؒ کی وفات ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) میں ہوئی۔ مزار شریف دہلی میں ہے۔

ذکر بدرِ آسمانِ کمالاتِ معنوی حضرت شیخ بدر الدین سمرقندیؒ

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مرید ہیں۔ "سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپؒ شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے خلیفہ ہیں اور شیخ نجم الدینؒ سے بھی فیضیاب ہیں۔ "سیر الاولیاء" میں یہ بھی ہے کہ آپ بزرگ تھے اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی صحبت میں محفلِ سماع سُنتے تھے۔ اور نہایت خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ جب شیخ بدر الدین سمرقندی رحمتِ حق میں پیوستہ ہوئے اور اُن کو سنگورہ میں دفن کیا گیا تو سیوم کے روز شیخ نظام الدین اولیاءؒ موجود تھے، محفلِ سماع ہو رہی تھی آپؒ پہنچ کر بیٹھ گئے جب آپؒ سماع میں کھڑے ہوئے تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ بھی کھڑے ہوئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے اور ان کے درمیان عمر کا خاصا فرق ہے آپ بیٹھ جائیے۔ فرمایا "موافقت ضروری ہے۔" "خزینۃ الاصفیا" میں ہے کہ جب آپ ہندوستان آئے تو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے اور آپ کے خلفاء میں شمار کیے گئے۔ آپ کی وفات ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں بہت طویل عمر میں ہوئی۔ آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کی تھی۔

ذکر محرمِ اسرارِ مشیّتِ احدیت، حاملِ انوارِ واحدیت مرجعِ سلسلۂ فردوسی حضرت شیخ سیف الدین باخرزیؒ

آپ حضرت شیخ نجم الدینؒ کے بلند مرتبہ مریدوں میں ہیں علومِ ظاہری کے حصول و تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تربیت باطنی میں مشغول ہوئے۔ حضرت شیخ نے شروع میں آپؒ کو خلوت میں بٹھایا اور چالیس روز بعد آپ کے خلوت خانہ کے دروازہ پر انگشت مبارک سے تھپکی دے کر آواز دی کہ اے سیف الدین ؎

منم عاشق مرا غم سازوار ست　　　تو معشوق تُرا با غم چہ کار ست

(میں عاشق ہوں مجھے غمگین رہنا تو بجا ہے لیکن تُو تو معشوق ہے تجھے رنج و غم سے کیا سروکار)

اٹھو اور باہر نکلو پھر اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُن کو خلوت خانہ سے باہر لائے اور بخارا کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر آپ مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ آپ کی وفات ۶۵۸ھ (۱۳۶۰ء) میں بعمر تہتّر سال ہوئی۔ قبر شریف بخارا میں ہے۔

ذکر شیخ الاسلام والمسلمین مُرشد طالبان و سالکین صاحبِ خلافتِ کُبریٰ شیخ نجم الدین احمد بن عمر بن محمدؒ بن عبد اللہ خوارزمی خیوقی شافعی المعروف عند الفقہاء بالکُبریٰ وابی الجنّاب رحؒ

جنّاب جیم کے زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ اور ان میں جو مَد کے ساتھ کہتے ہیں وہ کُبراء کہتے ہیں جیسا طبقات الکبریٰ تاج الدین سبکی میں ہے۔ یہ کنیت آپ کو پیغمبر صلعم نے ایک واقعہ میں عطا فرمائی تھی۔ آپ کا نام نامی احمد بن عمر ہے اور کبریٰ لقب اس وجہ سے ہوا کہ عالمِ جوانی میں تحصیلِ علوم

کے وقت آپ جس سے بھی مناظرہ فرماتے غالب آتے اسی وجہ سے آپ کا لقب طامۃ الکبریٰ پڑ گیا بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے لفظ طامۃ حذف ہو گیا۔ آپ کے مناقب و اوصاف اس قدر ہیں کہ ان مختصر اوراق میں سما نہیں سکتے۔ طالبوں کو رجوع کرنا چاہیئے ان ملفوظات کی طرف جن میں آپؒ کا ذکر ہے۔ آپؒ کی وفات ۱۰ جمادی الاوّل ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں ہوئی۔ آپ کا مدفن خوارزم میں ہے۔ لطائف اشرفی میں مادہ وصال ربیع الآخر درج ہے۔

اس سلسلہ کے بقیہ بزرگوں یعنی حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ سے لے کر حضرت سید الطائفہؒ تک کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

سلسلۂ مداریہ

کہا جاتا ہے کہ اس سلسلہ کے سرگروہ امام عبداللہ علم بردار ہیں اور یہ گروہ حضرت صدیق اکبرؓ کے واسطہ سے حضرت خاتم النبیینؐ تک پہنچتا ہے اور ایک روایت کے مطابق یہ گروہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے اور چند لوگوں کی رائے میں شاہ مدار اویسی ہیں۔ اس گروہ کے اصحاب توحید کشفی کے بیان میں غلو رکھتے ہیں اور وحدت الوجود کے اعتقاد کو بلند آواز میں بیان کرتے ہیں شرع ظاہری کے منع سے قطعی نہیں ڈرتے۔ اس گروہ کی برہنگی اور بے حجابی کی باتیں جو اس طائفہ کا مشرب ہے دسویں ہجری کے آخر نصف میں لوگوں میں عام ہوئیں ورنہ روزگار عرفاں میں شاہ بدیع الدین مدار وحدت کے رازوں کو چھپانے والے ظاہری شریعت کی مخالفت کرنے سے خوفزدہ رہنے والے دلوں کو طریقت میں سنبھالنے والے اور مودّب سالکوں کی طرح سلوک میں رہنے والے تھے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ چونکہ اس طریقہ میں تجرّدِ صوری کی شرطِ قبولیت اور اجازت و تفویض کا سبب بنایا ہے اور اس خانوادہ کے بیشتر بزرگوں نے ستر عورت سے اور اُس کھانے سے جو اُسی دن کھایا ہے اپنے کو نیاز مند رکھا۔ ہر قسم کی پوشاک و خوراک سے کنارہ کشی کی اور زندگی کے لمحوں کو راز العباد کی یاد کے لیے وقف کر رکھا اور کلمہ لکل یوم جدید رزق و ترک دنیا یوم

ولنافیہ صومؒ کو اپنی لوح کردار سے پڑھتے تھے اور سوائے اشد ضروری چیز کے اگر اچانک ضرورت سے زائد کوئی چیز حاصل ہو جاتی تو اُسی وقت پھلنی کی طرح اُسے اپنے دل سے اس انداز سے نکال پھینکتے تھے کہ نیاز مندی سے کسی در سے وہ آشنا نہ ہوں۔ اسی وجہ سے اس سلسلہ کے بہت سے ارادت مندوں نے تجرد کو دل پر ٹھان لیا اور اپنے پیشواؤں کا اصل طریقہ سمجھتے ہوئے انہماک و استغراق کے شیوہ کو جان و دل سے پسند کیا ہے اور حضرات صوفیہ کے حد تجرد سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ ابراز مشروع کو صرف چار انگل کی لنگوٹی سے جو صرف اندام نہانی ڈھک سکتی ہے چھپایا ہے۔ رات کے وقت آگ جلا کر اُسے جاڑے کا لحاف بنا رکھا اور صبح کو اُسی خاک کو بجائے کپڑے کے بدن پر مل لیتے ہیں اور اسی وجہ سے ومن یتعد حدود اللہ کے مانند دائرۂ ادب سے باہر نکل آئے ہیں۔ اسی اجتہاد کی وجہ سے

مجردانِ طریقت جماعتے دگرند   بدیں صفت کہ تو دانی بدیں صفت نہ بُدند

(طریقت کے مجردین ایک دوسری جماعت تھے یہ جو صفت تم جانتے ہو وہ اس صفت کے نہ تھے)

اس سلسلہ کی اجازت حضرت شاہ قطب الدین بینا دل قلندرؒ کو حضرت حاجی الحرمین حاجی بڈھنؒ سے ہے۔ چونکہ اس سلسلہ کے اکابرین کا ذکر حضرت قطب الدین بینا دل قلندرؒ تک سلسلۂ عالیہ قلندریہ میں ہو چکا ہے لہٰذا اُن حضرات کا ہی ذکر کیا جاتا ہے جن کا ذکر سلسلۂ مذکورہ میں نہیں ہوا ہے۔

ذکر قطب الاقطاب حاجی الحرمین الشریفین حضرت حاجی بڈھنؒ

آپؒ کو اس سلسلہ کی اجازت خلافت شیخ ابو الفتح سرمست سے ہے۔ آپ کا سنہ ولادت و وفات راقم الحروف کو معلوم نہ ہو سکا۔

ذکر قدوۂ سالکین زبدۂ عارفین حضرت شیخ ابوالفتح سرمستؒ

آپ حضرت شیخ محمد علا المعروف بہ شاہ قاضن (بحر زخار مولفہ شیخ وجیہہ الدین اشرف لکھنوی میں آپ کا نام شیخ محمد اعلیٰ لکھا ہے) کے فرزند گرامی اور مرید و خلیفہ و جانشین ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامات اور صاحبِ حال تھے۔ آپ کی نظرِ کیمیا اثر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر بخشی تھی جس کی سمت نگاہ ڈالتے اُس کے دل سے فوراً ہی دنیا کی محبت سرد ہو جاتی۔ شاہ حمید حضورؒ اگرچہ آپ کے والد ماجد کے مرید تھے لیکن آپ کے خوانِ پُر کرم سے بھی فیضیاب ہوئے۔ آپ کی وفات ۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں ہوئی۔

ذکر مصدر فیوض و کرامات حضرت شاہ قاضن معروف بہ قاضی مُتیرؒ

آپ کو سلسلہ مداریہ کی اجازت خلافت حضرت مولانا حسام الدین سلامتیؒ سے تھی اور طریقۂ شطاریہ میں شیخ عبداللہ شطارؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ ایک باصفا اور حق آگاہ درویش تھے۔ علوم متعارفہ میں کامل اور کمالاتِ انسانی میں کامل ترین۔ حالات وجدانی میں بہت عالی مرتبت اور رفیع المنزلت تھے۔ آپ کے مشہور خلفاء میں ایک میر سید علی قوام عاشقاں اور دوسرے شیخ ابوالفتح سرمست ہدایت اللہ آپ کے خلفِ سعید جو والد ماجد کے وصال کے بعد مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے ہیں شیخ حمید ظہور حاجی حضور بھی آپ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کی وفات ۳ ماہِ صفر ۸۹۲ھ (۱۴۸۷ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

ذکر عمدۃ العارفین نخبۃ الکاملین واقفِ اسرارِ صوری و معنوی حضرت شاہ حسام الدین سلامتیؒ

آپ کا شمار ہندوستان کے متبحّر عالموں اور کامل فاضلوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ دراصل

اصفہان کے باشندہ ہیں۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ میں آپ طالبان علم کے مرجع تھے۔ جب آپ کے حال پر عشق و محبت کا غلبہ ہوا تو آپ حضرت شاہ بدیع الدین مدارؒ کی طرف رجوع ہوئے تھوڑی ہی مدت میں اعلیٰ مقامات پر فائز ہوئے اور اپنے پیرو مرشد کے مقربین خاص میں شامل ہو گئے۔ آپ کو سلامتی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ایک بار آپ غلبۂ شوق میں بے اختیار ہو کر دیوانہ وار حضرت شاہ مدارؒ کے خلوت کدہ میں داخل ہو گئے جس میں داخل ہونے کی آپ کے خلفاء یا مریدین کسی کی بھی ہمت نہ تھی۔ تنہا آپ کے داخل ہونے سے حضرت شاہ مدار نے فرمایا "اے فلاں کوئی بھی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا"۔ آپ نے فی البدیہہ چند اشعار کہے جن کا مضمون انتہائی اشتیاق آمیز تھا اور عرض کیا کہ اگر میں ادب کرتا تو اللہ تعالیٰ کے جمالِ باکمال سے محروم رہتا اور اب چونکہ میں نے ترکِ ادب کر دیا لہٰذا میں خدا تک پہنچ گیا۔ حضرت شاہ مدار صاحب بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا سلامتی سلامتی، اسی روز سے یہ آپ کا لقب ہو گیا۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات اور صاحبِ سلسلہ تھے۔ آپ کے بہت سے خلفاء صاحب رشد و ہدایت ہوئے ہیں ان میں سے ایک شیخ محمد علاء منیری معروف بہ شاہ قاضن ہیں۔ آپ کی وفات ۹ ربیع الاول ۸۴۰ھ (۱۴۳۶ء) میں ہوئی۔ مزار اقدس جونپور میں ہے۔

ذکر قطب الاقطاب غوث الافراد مخزنِ اسرار معدنِ انوار حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدارؒ

آپ کے نسب اور طریقۂ سلسلہ میں مختلف روایتیں بیان کی گئی ہیں لہٰذا پہلے مختلف اقوال کو کتب و رسائل سے میں نقل کر رہا ہوں۔ آپ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ سید تھے۔ چنانچہ دارا شکوہ قادری نے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے "حضرت سید قطب المدار بدیع الدین قدس سرہٗ آپ کا لقب مدار ہے اور شاہ عزیز اللہ بن شاہ حسین مداری جونپوری نے کتاب تحفۃ الابرار فی مناقب قطب المدار" میں لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد قاضی قدوۃ الدین تھے جو خلیفۂ دومؓ کی اولاد میں ہیں اور بعض کہتے ہیں خلیفۂ سومؓ کی۔ اور چند لوگ آپ کو سید زادہ کہتے ہیں۔ سنہ ۳ھ

(۹۱۲ء) یا ۲۵۰ھ (۸۶۴ء) میں آپ پیدا ہوئے۔ نیل سے تین منزل دور ایک موضع آپ کی جائے پیدائش ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے والد کا نام علی حلبی تھا۔ شاہ حبیب اللہ قنوجیؒ کتاب "مناقب الاولیاء" میں لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ کونین شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہٗ کے والد علی حلبی ہیں اور آپ کی والدہ خاص ملک تھیں۔ بچپن ہی میں آپ حلب چھوڑ کر فقراء کی خدمت میں ریاضت، و مجاہدے کرتے رہے۔ طیفور شامی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے فیضیاب ہوئے۔ طریقۂ اویسیہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانیت سے آپ کو انعام ہوا۔ آپ کے کمالات اور سیر مقامات پورے عالم میں ظاہر ہیں اور محتاجِ بیان نہیں۔ کتاب قیومی میں نقل ہے کہ "بعض جاہلوں نے حضرت شاہ بدیع الدین مدار کو ماں باپ سے منسوب نہیں کیا ہے بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ آپ بغیر ماں باپ کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غیب سے زمین پر تشریف لائے یہ سراسر غلط ہے کہنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح کی باتوں سے وہ گنہ گار ہوتے ہیں۔ شاہ مدار کے والد کا نام شاہ علی اور آپ کی والدہ کا نام بی بی خاص ملک ملقب بہ بی بی حاضرہ تھا۔ شاہ مدار قریشی تھے۔ آپ ملک حلب کے موضع چنار میں پیدا ہوئے لہٰذا آپ کا نام و نشاں) اور مقبرہ موضع مذکور میں واقع ہے۔ حضرت شاہ مدار ڈھائی سو سال قید حیات میں رہ کر واصل بحق ہوئے۔ آپؒ کا نسب نامہ یہ ہے۔ حضرت شاہ مدار بدیع الدین بن شاہ علی بن شاہ طیفور بن شاہ کافور بن شاہ قطب بن شاہ اسمٰعیل بن شاہ محمد بن شاہ حسن بن شاہ حسین بن شاہ علی بن شاہ طیموری بن شاہ مصری بن شاہ بہاء الدین بن شاہ عماد الدین بن شاہ عبد الحافظ بن شاہ شہاب الدین بن شاہ طاہر بن شاہ مطہر بن شاہ عبد الرحمٰن بن ابوہریرہ صحابی رضی اللہ عنہ۔ اور آپؒ کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ یہ ہے خاص ملک کہ آپ کا نام بی بی حاضرہ ہے بنت شیخ حافظ بن شیخ محمود بن شاہ عبد اللہ بن شاہ عبد اللہ کلاں بن شاہ احمد بن شاہ آدم بن شاہ محمد بن شاہ طیفور"۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک مشہور صحابی ہیں جو عرب کے قبیلۂ بنی دوس کے ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کتاب "الکمال فی اسماء الرجال" میں "فصل فی الصحابہ" میں حرف ہ میں راقم ہیں ابوہریرہ کے نام میں بڑا اختلاف ہے سب سے مشہور قول یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام عبد الشمس یا عبد عمر تھا اور اسلام لانے کے بعد آپ کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمٰن رکھا گیا۔ حاکم اور ابو احمد کا قول ہے کہ میرے نزدیک ابوہریرہ کا نام عبد الرحمٰن بن صخر ہے اور آپ اپنی کنیت ابوہریرہ سے اتنا مشہور ہوئے کہ کسی کو آپ کا نام ہی نہیں معلوم۔ آپ فتح خیبر کے سال

اسلام لائے اور جنگ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ تھے۔ حضور ﷺ جدھر تشریف لے جاتے آپ آنحضرت ﷺ
کے ہمراہ جاتے۔ امام بخاریؒ کا قول ہے کہ اُن سے صحابہ اور تابعین میں آٹھ سو سے زیادہ لوگوں نے
روایت کی ہے جن میں عبداللہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابر انصاریؓ اور انسؓ بن مالکؓ بھی ہیں۔ آپ کا
وصال مدینہ طیبہ میں ۵۷ھ (۶۷۶ء)، ۵۸ھ (۶۷۸ء) یا ۵۹ھ (۶۷۹ء) میں بعمر اٹھتّر سال ہوا۔
آپ کا نام ابوہریرہ اس لیے پڑا کہ آپ کے پاس ایک چھوٹی سی بلّی تھی جہاں کہیں جاتے وہ بلّی آپؓ
کے ساتھ جاتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ مدار کے والد کا نام ابواسحٰق شامی تھا جو حضرت ہارون
پیغمبر کی اولاد میں تھے اور آپ موسوی الملّت یعنی یہودی تھے۔ حضرت شاہ مدار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اور حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ اور جناب حضرت محمد مہدی بن حضرت امام
حسن عسکری (جو زندہ اور غائب ہیں) کی ارواح طیّبین سے استفادہ کیا ہے اور آپ نے مراتب اسلام
ایمان اور کمالات معرفت و ولایت اور قطب المدار کا منصب حاصل کیا اور یہ کوئی تعجب کی بات
نہیں جیسا کہ سلطان العارفین ابویزید بسطامی قدس سرہٗ جن کے جد مجوسی تھے، کو کمالاتِ ولایت،
حضرت امام جعفر صادقؓ سے حاصل ہوئے۔ اسی طرح سر حلقۂ اولیا حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ کے
والد نصرانی تھے اور آپ نے اسلام لاکر مرتبۂ ولایت و عرفاں حضرت امام علی موسیٰ رضاؓ کی خدمت میں
رہ کر حاصل کیا۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے کتاب 'مراۃ مداری'، میں لکھا ہے حضرت شاہ مدار قدس سرہٗ
کے حالات لوگ مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اسی بنا پر مدتوں اس کی تحقیق و جستجو میں تاریخ
و سیر کی بہت سی کتابیں اور ہر طرف کے بزرگوں کے ملفوظات میں نے دیکھے لیکن کما حقہٗ تشفی نہ ہوئی
آخر میں بڑی جستجو کے بعد رسالہ 'ایمان محمودی'، جو قدوۃ العارفین حضرت قاضی محمد کنتوری قدس سرہٗ
کی تصنیف ہے (آپ شاہ مدار قدس سرہٗ کے سب سے عظیم خلیفہ تھے) میرے مطالعہ میں آئی۔ شروع سے
آخر تک جو بھی آپ نے حضرت کی زبانِ وحدت بیان سے سُنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا سب کو
مرتب کرکے رسالہ میں درج کر دیا ہے اور بعض مقدمات غوث الوقت حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی
قدس سرہٗ نے جو حضرت شاہ مدار صاحب کے ہمعصر اور محرم اسرار تھے فرمائے ہیں۔ اور آپ کے کمالات و
مقامات و حالات جو بعض امین بزرگوں سے معتبر اور متواتر سُنے ہیں اور اُن کی مکرّر تحقیق کی ہے وہ
بھی تبرکاً شامل کر دیے ہیں اور آپ کے مریدین و خلفا کے مختصر حالات جو مراۃ مداری میں درج ہیں

وہ بھی منتخب کر کے درج کیے ہیں۔ مکن پور کے مبارک قصبہ میں پہنچ کر حضرت شاہ مدارؒ کی روحانیت پاک سے نعمتیں اور بخششیں حاصل کیں اور عطا کے وقت اس رسالہ کے جمع کرنے کی بھی درخواست کی۔ انجناب نے کمالِ ذرہ نوازی اور مہربانی سے اجازت مرحمت فرمائی کہ لکھو مبارک ہے جس جگہ بھی تمھارے خلاف ہوگا میں اپنی مزار سے تم کو آگاہ کرتا رہوں گا۔ اطمینان سے قلم ہاتھ میں لو تم کو بڑی برکتیں عطا ہوں گی۔ اکنوں آمدم برسر مطلب صاحبِ ایمانِ محمودی، لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ مدار کے آباء و اجداد اولادِ پاک نہاد بنی اسرائیل سے تھے۔ والد ماجد کا نام ابو اسحٰق شامی تھا کیونکہ اُن کا وطن ملکِ شام تھا۔ آپ حضرت موسیٰؑ کی امت اور حضرت ہارونؑ کی صحیح النسب اولاد میں تھے۔ ہمیشہ حق پرستی میں مصروف رہتے جو بچہ بھی آپ کے ہاں پیدا ہوتا وہ بچپن میں ہی فوت ہو جاتا اسی وجہ سے آپ بہت مغموم رہتے اکثر راتوں کو آپ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے اور بیٹے کی تمنا کرتے حتیٰ کہ ایک رات آپ نے حضرت موسیٰؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "ابو اسحٰق اطمینان رکھو اللہ تعالیٰ تم کو ایسا بدیع فرزند عطا فرمائے گا جس سے میری ولایت اور تصرف ظاہر ہوں گے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ مدارؒ پیدا ہوئے اور بدیع الدین نام رکھا گیا۔ شاہ مدار لقب اس لیے پڑا کہ آپ اپنے دور کے قطب المدار تھے۔ کتاب بحر المعانی اور دوسری بہت سی کتابوں میں ہے کہ قطب المدار کے کئی لقب تھے قطب الاقطاب، قطب الارشاد اور قطب عالم یہ سب ایک ہی شخص کو کہتے ہیں۔ کتاب تحفۃ الابرار فی مناقب قطب المدار میں شاہ عزیز اللہ مدار جونپوری فرماتے ہیں کہ آپ کرامات و مقامات اور مراتب والے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ اُس زمانہ میں علم ریمیا اور علم سیمیا شاہ مدار صاحب کے مثل اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ آپ کے والدین چند ہی ماہ کے عرصہ میں فوت ہو گئے۔ اُن کی جدائی میں آپ نے شام سے ہجرت کرنے کا قصد فرمایا۔ اپنے استاد حذیفہ شامی سے سوال کیا کہ جو علم آپ نے مجھے سکھلائے ہیں ان سے تصرف ظاہری میں تو کمال حاصل ہو گیا ہے لیکن ذاتِ حق کے وصول کا اثر مجھ میں ظاہر نہیں ہو سکا اور توریت و انجیل میں آپ نے تعلیم دی ہے کہ موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کو ذاتِ حق کا وصول احمدؐ کے وسیلہ سے ہوگا۔ وہ احمدؐ کہاں ہیں۔ استاد نے کہا وہ اس عالم ذاتی سے رحلت فرما چکے لیکن ان کے بیر د کار مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں موجود ہیں احمد سے مُراد سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں چنانچہ حضرت شاہ مدار صاحب پر طلبِ حق کا غلبہ ہوا اور وطن سے بڑی مشقتوں اور مصیبتوں کے بعد مکہ معظمہ پہنچے اور کچھ عرصہ قرآن وحدیث پڑھا اور مذہب اہلِ سنت کے بعض ائمہ کی کتابیں دیکھیں لیکن جب ان چیزوں سے کشودِ کار نہ ہوا تو شام واپسی کا ارادہ فرمایا۔ اچانک دورانِ طواف، کعبہ سے آواز آئی کہ اگر تم طالب ہو تو فوراً مدینہ میں حضرت محمد مصطفیٰ کی مزارِ اقدس پر حاضر ہو کیونکہ وہی تمہارے درد کا مداوا ہیں۔ یہ خوش خبری سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور روضۂ اقدس کی آستاں بوسی سے مشرف ہوئے۔ حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات کی روحانیت پاک سے صفائی باطن حاصل ہوئی۔ آنحضرت صلعم نے کمال مہربانی سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اسلام حقیقی کی تلقین فرمائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روحانیت پاک کے سپرد فرمایا چنانچہ آنحضرت صلعم کے حسب الحکم، آپ نجف اشرف حاضر ہوئے اور تکمیل باطنی کے بعد مکہ معظمہ واپس ہوئے اور چند روز بعد باطنی حکم کے مطابق ہندوستان تشریف لائے۔ باقی حال لطائف اشرفی، مراۃ مداری اور ایمان محمودی میں دیکھا جائے۔ آپ کے حالات بہت طویل ہیں میں کہاں تک لکھوں۔ مزید براں اجمیر کے راستے ہوتے ہوئے شہر کالپی پہنچے اور ایک ندی کے کنارہ مسجد میں قیام پذیر ہوئے۔ کالپی شہر میں بڑی شہرت ہو گئی۔ شاہ عزیز اللہ بن شاہ حسین مداری جونپوری کتاب تحفۃ الابرار فی مناقب قطب المدار میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ شاہ مدار صاحب ہمیشہ شہروں کا سفر فرماتے رہتے ایک سفر میں آپ سید اشرف جہانگیر کے ہمراہ تھے۔ گجرات کی طرف سے ہندوستان داخل ہوئے اور کالپی میں قادر خاں ولد سلطان محمود از نبائر سلطان فیروز شاہ دہلی کے عہدِ سلطنت میں ٹھہرے۔ کچھ عرصہ بعد جب والیٔ کالپی کو خدمت میں حاضری کی اجازت نہ ملی اور اس نے کہا کہ آپ ہمارے شہر سے نکل جائیے تو آپ جونپور چل دیے اور فرمایا "قادر خاں اپنی فکر کرو" اُس کے بعد قادر خاں کے پورے جسم پر آبلے پڑ گئے جن کی جلن سے بدن بیکار ہو گیا وہ شیخ سراج الدین سوختہ سے رجوع ہوا۔ شیخ نے اپنا پیراہن مبارک پہنا دیا اور وہ آبلے جسم سے زائل ہو گئے لیکن ایک آبلے کا نشان پیٹ پر باقی رہ گیا ہر چند دوا کی مگر ٹھیک نہ ہوا۔ آپ وہاں چودہ سال چند ماہ رہے۔ آپ کو ستر شب قدر حاصل ہوئیں جو بھی آپ کے جمال باکمال پر نظر ڈالتا بے اختیار ہو کر تعریف کرنے لگتا چنانچہ آپ ہمیشہ اپنے چہرۂ مبارک پر نقاب ڈالے رہتے اور فرماتے ہے

درملکِ ہند عزمِ اقامت نکردہ ایم ور کردہ ایم تا بقیامت نکردہ ایم

(ہندوستان میں قیام کا ارادہ، بخدا قیامت تک ہم نے نہیں کیا ہے)

جس زمانہ میں آپ کالپی میں تھے مخدوم سراج الدین سوختہ کی شخصیت کا بڑا چرچا تھا۔ حاکم کالپی قادر خاں شیخ سراج الدین کا مرید تھا اسی لیے وہ شاہ مدار صاحب سے عقیدت نہیں رکھتا تھا لیکن جب شاہ صاحب کے کمالات کی شہرت تمام ہندوستان میں ہوئی تو قادر خاں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نوکروں سے ملاقات کے لیے کہا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ملاقات کا وقت نہیں ہے اور ہم کو حکم نہیں ہے کہ اس وقت ہم آپ کے آنے کی اطلاع کریں۔ قادر خاں یہ سن کر رنجیدہ ہوا اور خادموں سے بولا "اپنے مخدوم سے کہہ دینا کہ ہمارا شہر چھوڑ دیں"۔ یہ کہہ کر خود دار السلطنت چلا گیا۔ جب آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ اسی وقت نکل پڑے اور نوکر سے فرمایا کہ تم اسی جگہ رکو اور اس کی خبر لے کر میرے پاس آنا۔ آپ کے روانہ ہوتے ہی قادر خاں کے تمام بدن پر آبلے پڑ گئے اور اس کی جلن سے وہ عاجز آگیا۔ آخر اپنے پیر و مرشد حضرت سراج الدین سوختہ کی خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے اپنا لباس قادر خاں کو پہنا دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا اور تقریباً سب آبلے ٹھیک ہو گئے۔ شاہ مدار صاحبؒ کے خادم نے یہ خبر آپ کو پہنچائی۔ حضرت نے غصّے میں زبان سے نکلا "سراج الدین کو کیوں نہ جلا دیا" یہ جملہ زبان سے ادا ہوتے ہی شیخ سراج الدین کے جسم پر بھی آبلے پڑ گئے اور شدید جلن پیدا ہو گئی انھوں نے اپنے کو قادر خاں پر فدا کر دیا اسی دن سے ان کو سراج الدین سوختہ کہا جانے لگا۔ مزار شہر کالپی میں ہے۔ قادر خاں کے زمانے میں ایک عظیم فتنہ یہ پیدا ہوا کہ جونپور کی سمت سے سلطان ابراہیم شرقی کالپی فتح کرنے کے لیے لشکر لے کر نکلا اور دوسری سمت سے مالوہ کا بادشاہ سلطان ہوشنگ اپنی فوج لے کر آگیا۔ قادر خاں بھاگ کھڑا ہوا اور کالپی شہر سلطان ہوشنگ کے قبضہ میں آگیا اور سلطان ابراہیم راستہ ہی سے لوٹ گیا اور جونپور چلا گیا ایسا ہی سلاطین ہند کی تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مخدوم سراج الدین نے جلتے وقت یہ کہا کہ ہم نے تمھارا سلسلہ جلا ڈالا اور اس سے شاید سلسلۂ مداریہ کے رواج کی قلت مراد ہو۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سراج الدین سوختہ کو سوختہ کا لقب اپنے پیر حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی طرف سے عطا ہوا تھا یعنی آپ سوختۂ عشق ہیں اور حضرت شاہ مدار صاحب نے ان کو نہیں جلایا بلکہ ناراض ہو کر فرمایا تمھاری اولاد میں اب کوئی ولی نہ ہوگا میں نے جلا ڈالا۔ یعنی ولایت کو

منقطع کر دیا۔ سراج الدین سوختہ نے جواب دیا کہ ہم نے تمہارا سلسلہ جلا ڈالا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس کے بعد شاہ مدار صاحب گھومتے گھومتے جونپور پہنچے اُس زمانہ میں قاضی شہاب الدین فدائی جو بنی اسرائیل کی قوم سے اور انتہائی حسین وجمیل تھے شاہ مدار صاحب کی خدمت میں پہنچے اور مصروفِ خدمت ہوئے ایسا کہ حضرت کے محبوب ترین مریدین میں اُن کا شمار ہونے لگا۔ جب حضرت شہر لکھنؤ پہنچے تو فرمایا اس شہر سے حسد کی بو آتی ہے لہٰذا اس شہر میں داخل نہ ہوں گا چنانچہ لکھنؤ سے باہر قبرستان میں مقیم ہوئے اُس زمانہ میں حاجی الحرمین الشریفین شیخ قوام الدین مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے جب پورا شہر نیاز مندانہ شاہ مدار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو مخدوم صاحب نے بھی کہا کہ ایک مجلس میں شریک ہونا چاہیے چنانچہ اپنے مریدین کے ساتھ خدمت میں پہنچ کر ملاقات کی لیکن چونکہ ان کے باطن میں صفائی نہ تھی شاہ مدار صاحبؒ بھی متوجہ نہ ہوئے۔ مخدوم قوام الدین نے قاضی شہاب الدین کو دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت جوان حضرت کے پیچھے کھڑا مورچھل جھل رہا ہے یہ دیکھ کر بولے کہ یہ جوان بھی طلبِ حق کے لیے خدمت کر رہا ہے۔ شاہ مدار صاحب کو یہ بات پسند نہ آئی فرمایا جو شخص بھی فقرا کے پاس جیسی نیت لے کر آتا ہے ویسا ہی پھل پاتا ہے سارا مدار تو نیت پر ہی ہے۔ شیخ قوام الدین نے مجلس کا رنگ بدلتا دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور رخصت ہوئے اور اپنے گھر گئے چند روز بعد اُن کی وفات ہو گئی۔ اُس کے کچھ روز بعد ایک بڑھیا اپنے بیمار لڑکے کو لے کر شاہ مدار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بڑی عاجزی سے دعا کی درخواست کرنے لگی۔ حضرت نے ازراہِ کرم فرمایا کہ یہ کام شاہ مینا صاحب کے سپرد ہوا ہے اپنے بیٹے کو اُن کی خدمت میں لے جاؤ اس کی صحت اُن کی دعا پر موقوف ہے۔ بڑھیا کو معلوم بھی نہ تھا کہ شاہ مینا کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ اُس زمانہ میں شاہ مینا صاحب بہت چھوٹے تھے اور اپنے والد مخدوم شیخ قوام الدین کی مزار پر جاروب کش تھے بعد ازاں شاہ مدار صاحب نے چاہا کہ جو رنج و ملال شیخ قوام الدین کو ہوا اُس کی تلافی اُن کے بیٹے شاہ مینا صاحب کے حق میں کر دی جائے چنانچہ قاضی شہاب الدین کو بلا کر اپنی جانمازِ خاص اُن کے حوالہ فرمائی کہ یہ لے کر جاؤ اور فلاں محلہ میں شیخ محمد مینا بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوں گے اُن کو میری دعا کہنا یہ جانماز دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے شہر لکھنؤ کی خدمت آپ کے ذمہ کی ہے اُس بڑھیا کے بیٹے کے حق میں دعا فرمائیے جو شاہ مدار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی کیونکہ اُس کے بیٹے کی صحت آپ کی دُعا پر موقوف ہے۔ قاضی شہاب الدین

حضرت کا پیغام مع تبرک لے کر شاہ مینا صاحب کے پاس پہنچے۔ شاہ مینا صاحب نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جانماز پر بیٹھ کر دعا مانگی اسی وقت وہ لڑکا ٹھیک ہو گیا اُسی دن سے شاہ مینا صاحب کے کمالات کی پورے ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ باقی حال مندرجہ بالا کتابوں میں دیکھا جائے۔ شاہ مدار صاحبؒ کی وفات پنجشنبہ کے روز ۸ ر جمادی الاوّل ۸۴۰ھ (۱۴۳۶ء) کو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں ہندوستان میں ہوئی اور ولادت ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) میں ملک شام میں ہوئی۔ عمر دو سو پچیس ۲۲۵ سال تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؒ کی ولادت ملکِ شام کے شہر حلب میں دوشنبہ کے روز صبح صادق کے وقت یکم شوال ۴۴۲ھ (۱۰۵۰ء) کو ہوئی۔ کچھ روز بعد آپ کا روضہ سلطان ابراہیم شرقی کے حکم کے مطابق آپ کے صاحبزادے میر صدر جہاں جونپوری نے قنوّج ضلع کے قصبہ مکنپور میں بنوایا۔ آپ کے خلفا بہت ہیں۔ قاضی محمودؔ، ان کے دونوں بیٹے اور شاہ میراں کے بیٹے۔ بعض خلفا بہرائچ میں، بعض لاہر پور اور بعض جونپور میں ہیں۔ شاہ مدار صاحب کے چھوٹے بیٹے شاہ میٹھی مدار کی اولاد میں سب لوگ کنتور میں رہتے ہیں۔ قاضی مطہر کا مزار کالپی میں اور حضرت شہاب الدین قدوائی کا موضع جملائی میں ہے۔ حضرت شاہ الّا صاحب بنگال میں آسودہ ہیں۔ حضرت میر جمال الدین جو سید جمّن کے نام سے مشہور ہیں بہار کے موضع بھلسہ میں ہیں۔ میر سید بادپا کی آرام گاہ شہر جونپور کے کھلوائن نامی جنگل میں ہے۔ حضرت شاہ جودھن اودھ میں، حضرت شیخ شمس تائب لکھنؤ میں اور حضرت شیخ بڈھن صدیقی کی آرامگاہ سندیلہ میں ہے۔ شاہ بھیکا صاحب قنوّج میں مشہور ہیں۔ طیفور شامی حضرت بایزید بسطامی جو حضرت سید بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہٗ کے پیر ہیں اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذکر سلسلۂ نقشبندیہ میں آئے گا۔ حضرت عبد العزیز مکّی معروف بہ عبد اللہ علمبردار قلندر کا ذکر سلسلۂ عالیہ قلندریہ میں گزر چکا ہے۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

اس سلسلہ کی اجازت حضرت عارف باللہ صاحب سر شاہ محمد کاظم[۱] قلندر کاکوروی قدس سرہٗ

۱؎ آپؒ کو بلاواسطہ اجازت و خلافت سید محمد عدل عرف شاہ لعل بریلوی سے تھی اور اس کے علاوہ سلسلۂ نقشبندیہ سے آپؒ کو اجازت حضرت شاہ علم اللہ بریلوی سے تھی جس کا اجازہ تذکرہ گلشن کرم مولفہ مولوی حافظ تقی انور علوی میں چھپ چکا ہے۔

کو مولوی احمدی نقشبندی ساکن کرسی سے ملی ہے۔ اس سلسلہ کے حضرات باکمال مرشدی حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ تک مختصراً اوپر ذکر کیا جاچکا ہے لہٰذا اس سلسلہ کی شروعات حضرت مولوی صاحب موصوف کے ذکر سے کی جاری ہے۔ لفظ نقشبندی کی تحقیق حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے نام کے ساتھ انشاء اللہ پیش کی جائے گی۔

ذکر معدن فضل خداوندی مخزن کمال محمدیؐ مولوی احمدی نقشبندیؒ

آپؒ قاضی شہر گورکھپور مولوی عبد القادر کے صاحبزادے تھے جو قاضی محمد نعیم کے خلف گرامی ہیں اور وہ ملا احمد جیون امیٹھوی کے خاص شاگرد تھے۔ آپ کے جد بادشاہانِ دہلی کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان آکر بڑے عہدہ پر فائز ہوئے اور وہیں مولوی صاحب موصوف پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے زیر سایۂ عاطفت پروان چڑھے اور تفسیر وحدیث وفقہ کی تعلیم دہلی کے مشہور علماء سے حاصل کی۔ پچیس سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کرنے کے بعد بنارس کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ کی ذات گرامی جامع فضائل صوری ومعنوی اور عالم علوم ظاہری وباطنی تھی۔ آپ صاحبِ زہد وتقویٰ تھے، ہمیشہ درس تدریس اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ حنفی المذہب اور صوفی مشرب تھے۔ صبح سے لے کر چاشت تک اپنا وقت عربی علوم اور حدیث وفقہ میں صرف فرماتے اور رات کو طالبوں اور مریدوں کے فیوض باطنی میں مشغول رہتے۔ بہت سے جنات بھی آپ کی خدمت میں عقیدت رکھتے اور بے شمار ہندو آپؒ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے آپ بہت کم غذا نوش فرماتے اور فرماتے تھے کہ یادِ الٰہی کے لیے خالی پیٹ رہنا ضروری ہے کبھی بھی مرغن غذا یا لذیذ کھانے نوش نہ فرماتے بلکہ کئی طرح کے کھانے ایک میں ملاکر اپنے پاس رکھ چھوڑتے اور بھوک کے غلبہ کے وقت تھوڑا سا چکھ لیتے اکثر اوقات تو روزہ رکھتے اور نفس کی شکستگی کے لیے فاقہ کرتے۔ سنا جاتا ہے کہ بادشاہِ وقت کی طرف سے بہت سے گاؤں آپ کے نام تھے لیکن جو کچھ بھی نقد یا غلّہ وہاں سے آتا اسے اپنے اعزہ اور اقربا میں تقسیم فرما دیتے۔ عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ میں تسبیح نہ رکھتے بلکہ وظائف انگلیوں پر گنتے اور فرماتے کہ یہ بھی تو ہمارے جسم کے اعضاء ہیں۔ انگلی کے پوروں کو عبادتِ الٰہی سے کیوں محروم رکھا جائے اور

تسبیح رکھنے سے ریا کا اندیشہ رہتا ہے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کو حضرت سید محمد عدل معروف بہ شاہ لعل بریلوی رح سے اجازت خلافت تھی اور عارف باللہ صاحب سر حضرت شاہ محمد کاظم قلندر رح کاکوروی سے بڑی محبت اور یگانگت تھی۔ سب سے پہلے حضرت سے آپ کی ملاقات دیوہ میں مولانا ذوالفقار علی کے مکان پر ہوئی جو حضرت شاہ لعل بریلوی کے ہی خلیفہ تھے چنانچہ حضرت صاحب نے آپ کا حال اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ میر محمد قلندر رح کے نام ایک خط میں بیان کیا ہے۔ دونوں میں ربط و محبت اس قدر تھی کہ کبھی حضرت صاحب ان کی ملاقات کے لیے کرسی تشریف لے جاتے اور کبھی مولوی صاحب کاکوری قدم رنجہ فرماتے۔ اسی ربط و تعلق کی وجہ سے حضرت صاحب (شاہ محمد کاظم قلندر رح) نے اُن کو سلسلۂ عالیہ قلندریہ کی اجازت لکھ کر دی اور خود اُن سے سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی۔ اپنے مرض الوصال میں شاہ صاحب اپنے مریدین سے فرماتے کہ جسے بھی میرے بعد مجھ سے مریدی کا شوق ہو وہ کاکوری جاکر حضرت شاہ کاظم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی تسلی کرے کیونکہ میرے نزدیک اس وقت فقیری میں کوئی بھی اُن کے ہم پلہ نہیں ہے۔ آپ نے اپنے ایک صاحبزادے کو بھی تربیت کے لیے حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ مزار شریف قصبہ کرسی ضلع بارہ بنکی میں محلہ قاضی ٹولہ میں ایک مولسری کے درخت کے نیچے زیارت گاہ خلائق ہے۔ نہ کوئی گنبد ہے نہ چہار دیواری بلکہ قبر بھی پختہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ نہ ہو گئی کہ آپ کی اولاد میں سے کسی نے آپ کی مزار پختہ کرانا چاہی اور چہار دیواری وغیرہ بنوانا چاہی کہ ظاہری عرس بھی کیا جاسکے لیکن آپ رح نے خواب میں منع فرمایا اور عمارت وغیرہ کی اجازت نہ دی۔ سچ ہے اَلشُّهْرَةُ آفَةٌ وَّالْخُمُوْلُ رَاحَةٌ (شہرت میں آفت ہے اور گمنامی میں سکون ہے)۔ آپ رح کی عمر شریف ۷۹ اُنہتر سال ہوئی۔ سنہ ولادت یا سنِ وفات معلوم نہ ہوسکا۔

ذکر گوہر تاج ولایت و سروری دُرّۂ التاج خلافت و رہبری حضرت سید محمد عدل معروف بہ شاہ لعل بریلوی رح

آپ حضرت سید محمد بن شاہ علم اللہ بریلوی کے صاحبزادے ہیں۔ بچپن سے بڑھاپے تک

اپنے والد صاحب کی آغوشِ تربیت میں رہے اور برگزیدہ ہو کر آپ کے ترجمان حال ہوئے۔ شروع میں علم ظاہری حاصل کرنے کے لیے اپنے بڑے بھائی مولٰنا سید محمد حکم کی خدمت میں رہے بعد ازاں راہِ سلوک طے کرنے کے لیے آپ کے والد ماجد نے آپ کو مدارج کمالات پر پہنچایا اور رفتہ رفتہ روزانہ منازل ولایت جو اولیائے امّت اور انبیائے کرام نے حاصل کیے ہیں حاصل کرتے رہے۔ والد بزرگوار کی رحلت کے بعد اُن کے قائم مقام اور جانشین ہوئے۔ آپؒ کے خلفاء بہت ہیں ان میں مولانا اظہار الحق فرنگی محلی (جو مولوی احمد انوار الحق فرنگی محلی کے بھائی تھے)، مولٰنا ذوالفقار علی دیوی، قاضی عبدالکریم جوراسی، مولوی سید محمد نعمان نصیر آبادی، مولوی احمدی کرسوی وغیرہ اکابرین میں سے ہیں۔ آپؒ کی وفات گیارہ رمضان المبارک ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) کو ہوئی اور اپنے جد کے روضہ میں جو رائے بریلی میں واقع ہے مشرق کی سمت دفن ہوئے۔

ذکر مہبط عطیات، الٰہی مصدر کرامات و آگاہی فانی فی اللہ الصمد القوی حضرت سید محمد نقشبندی بریلویؒ

آپؒ کی ولادت باسعادت ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ء) میں ہوئی اور اسی وقت سے والد ماجد شاہ علم اللہ بریلوی کی آغوشِ کرامت میں پروان چڑھے۔ شروع سے ہی عقل و فراست میں کامیاب، اور علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ یاب ہوئے۔ آغازِ شباب اور حالتِ جوانی میں کمالاتِ انسانی کی کامیابی کے اسباب مہیا اور ولایت و وراثت رسولِ سبحانی کا ستارہ آپؒ کی جبین کرامت آگیں سے درخشاں تھا۔ والد ماجد نے اپنی توجہ اور کمالات جو وہ حضرت سید صاحب کے حق میں ملحوظ رکھتے آپ کو ہمیشہ تکمیل کمالات، ترقی مقامات، اور منازل قرب و وصول کی خاطر اپنے ساتھ ساتھ رکھتے چنانچہ اپنا عمامہ، قمیص نیز پیرانِ کرام کے تبرّکات جن میں شیخ الاسلام سیّد آدم بنّوریؒ کی کلاہِ مبارک حجۃ الاسلام مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقیؒ کی دستارِ مبارک نفیس اپنے مخصوص قرآن شریف کے ساتھ اُن کو عطا فرمائے اور اپنی مخصوص صدری، دیبرتہ، معانی عطا فرماتے ہوئے الخلیفۃ فی حکم المستخلف

(خلیفہ کا مقام وہی ہے جو خلافت عطا فرمانے والے کا) کے مطابق بجا لایا اور سرفراز ہوا۔ بعد ازاں آپؒ نے بہت سے طالبین اور مخلصین کو باپ کے طریقہ پر مرتبۂ کمال تک پہنچایا۔ مختصر یہ کہ اسی تقدس درجہ اور طالبینِ مولیٰ کی رشد و ہدایت کے ساتھ بقیہ زندگی بسر کرتے ہوئے بخار کے مرض میں ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ء) دوشنبہ کی رات کو عشاء کے بعد روح مبارک جسم عنصری سے اعلیٰ علیین کی سمت پرواز کر گئی اور سہ شنبہ کے روز اپنے والد بزرگوار کے احاطے جنوبی کونے میں دریائی سمت مدفون ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں "شرح کلمات خواجہ نقشبند" انتہائی مستند اور وہ ادب میں آپؒ کی یادگار ہے۔

ذکر مقتدائے سالکانِ طریقت، پیشوائے عارفانِ حقیقت، محی السنۃ نبوی قدوۃ الاتقیاء حضرت سید محمد علم اللہ حسنی حسینی نقشبندی بریلوی رح

آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ء) میں ہوئی۔ آپ حضرت سید آدم بنوریؒ کے بلند مرتبت خلیفہ ہیں۔ نہایت متقی، کامل اور عالم باعمل تھے اور اتباعِ سنتِ نبوی میں آپ کی نظیر نہ تھی۔ بچپن میں ہی یتیمی اور یسیری کی سنت آپ کو عطا کر دی گئی۔ والد کا سایہ سر سے اٹھا لیا گیا اور شفیق ماں کی بھی وفات ہوگئی جب آپ صرف دو تین سال کے تھے۔ غور کرو کہ ہر حال میں آپ کی مطابقت محبوبِ ربِّ تعالیٰ سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے احوالِ مبارکہ سے ہے۔ نقل ہے کہ آپ ہمیشہ خداوند تعالیٰ سے سنتِ نبویؐ کے اتباع اور عمر شریفِ نبویؐ حاصل ہونے کی دعا فرماتے کہ اے اللہ میری یہ دعا قبول فرما کہ مجھے اپنے حبیبؐ کی عمر شریف عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی دعا قبول فرمائی اور نبی کریمؐ کی عمر عطا فرمائی چنانچہ تریسٹھ سال کی عمر میں آٹھ یا نو ذی الحجہ ۱۰۹۶ھ (۱۶۸۵ء) دارِ آخرت سدھارے۔ محی الدین محمد شاہ عالمگیر غازی نے اسی تاریخ میں خواب دیکھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات ہوگئی اور ملائکہ حضورؐ کے جنازۂ مبارک کو آسمان لے جا رہے ہیں۔ وہ تشویش میں مبتلا ہوا کہ ظاہری اعتبار سے حضورؐ کی وفات کو ہزار سال گزر چکے اور کتنی صدیاں بیت گئیں۔ اس کے

مقصد دو ہی ہو سکتے ہیں یا تو ارکانِ اسلام کو کوئی نقصان پہنچنے والا ہے یا میری سلطنت کو کہ میں حضورؐ کا نائب و خلیفہ ہوں کوئی آفت درپیش ہے۔ اپنے استاد ملاجیون سے اس کی تعبیر پوچھی آپ نے فرمایا، یہ خواب تمھاری تعبیر کے خلاف ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سید محمد علم اللہؒ کا انتقال ہو گیا ہے آپ تاریخ لکھ لیجیے اور اپنا شبہ یقین میں بدل لیجیے۔ آخر کار تاریخ سے معلوم ہوا کہ سید صاحب اُسی تاریخ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تھے۔ بادشاہ نے کہا "اے استاد اس واقعہ سے سید صاحب کا رحلت کس دلیل سے آپ نے نکالی ہے اس کی وضاحت فرمائیے"۔ ملّا صاحب نے فرمایا، سید صاحب کی مشابہت اور مماثلت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مقدر فرمادی گئی تھی یعنی چونکہ سید علم اللہ متابعتِ خیر الرسل میں سب پر سبقت لے گئے لہٰذا موت میں مشابہت نبوی ان کے لیے مقدر کردی گئی۔ اس سے زیادہ حال درکار ہو تو آپؒ کا ملفوظ ملاحظہ ہو۔[1]

ذکر قائم احکام شریعت دائم بہ تلاش حقیقت خاتم نگین سروری

حضرت خواجہ سیّد آدم بنّوریؒ

آپ شیخ احمد مجدد سرہندی کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ طریقت کی ابتدائی تعلیم حاجی خضر سے حاصل کی اس کے بعد حاجی خضر کی اجازت سے شیخ احمد مجددّ الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بلند درجات پر فائز ہوئے شروع میں علوم ظاہری سے کوئی واسطہ نہ رکھتے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ہاتفِ غیب کی آواز سنائی دی کہ اے شیخ آدم تم نے قرآن کیوں نہیں پڑھا۔ عرض کیا کہ اے اللہ! تو قادرِ مطلق ہے مجھے تعلیم فرما۔ فوراً ایک نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور آپ کے سینۂ بے کینہ سے مس ہوا اور آپ کو قرآن حفظ ہو گیا اس کے بعد علوم ظاہری بھی آپؒ نے حاصل فرمائے۔ آپؒ اتباع سنت اور رفع

---

[1] آپؒ کا قلمی ملفوظ کتب خانہ الوریہ تکیہ شریفہ کاظمیہ میں موجود ہے جس کے کچھ اقتباسات مولانا محمد الحسنی صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی تصنیف تذکرہ شاہ علم اللہ رائے بریلوی میں نقل فرمائے ہیں۔

بدعت اور کمال شریعت وطریقت کے اوصاف سے معروف ہیں۔ ہزار سے زائد طالب علم روزانہ جمع ہوتے اور دونوں وقت آپ کے لنگرخانہ سے کھانا پاتے۔ آپ کا اصل وطن قصبہ مودہ ہے۔ آپؒ والد کی طرف سے سید حسینی تھے سرہند کے قریب قصبہ بنّور میں آپ نے سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کے خلفا اور مریدین بہت ہیں اور اُن میں کا ہر ایک کامل اور مکمل ہے جن میں حضرت سید علم اللہ بریلوی، شیخ حامد لاہوری، شیخ نور محمد پشاوری وغیرہ ہیں۔ آپ کی وفات ۱۳ر شوال ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۳ء) میں ہوئی مزار جنت البقیع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبّہ کے قریب مدینہ منورہ میں ہے۔

ذکر شیخ جلیل عارف نبیل مقبول حضرت صمدانی شیخ احمد فاروقی معروف بہ مجدّد الف ثانی سرہندیؒ

آپؒ سرہند سے منسوب ہیں اور درست لفظ سہرند ہے (س کے زیر، ہ کے سکون اور نون کے جزم کے ساتھ) جس سے مُراد بیشۂ شیر ہے۔ فارسی زبان میں سرہند مستعمل ہوا جو لاہور و دہلی کے بیچ ایک بڑا شہر ہے۔ آپؒ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اٹھائیس واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمرؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) میں پیدا ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں علوم ظاہری سے فارغ ہو کر اپنے والد ماجد سے سلسلۂ قادریہ چشتیہ سہروردیہ اور کبرویہ کی اجازت حاصل کی۔ حجاز کی زیارت کے شوق میں رخت سفر باندھا اور دہلی پہنچے یہاں آ کر خواجہ محمد باقی کی خدمت میں لگ گئے اور اُن کی صحبت حاصل کی۔ انھوں نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت فرمایا دو ماہ چند روز تک نقشبندیہ نسبت حاصل کرتے رہے اسی زمانہ میں حضرت خواجہ بیگی نے اپنے مخلصوں میں سے کسی کو لکھا کہ سرہند میں شیخ احمد نام کا ایک شخص ہے جو کثیر العلم اور قوی العمل ہے چند روز وہ اِس فقیر کے پاس بیٹھا ہے عجیب عجیب مشاہدات اُس کے ظاہر ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آفتاب ہے جس سے ایک عالم روشن ہوگا۔ حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ شیخ احمد ایک ایسا آفتاب ہے کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُس کے سائے میں گم ہو گئے۔

خواجہ صاحب کے ارشادات آپ کے فضائل میں بہت ہیں۔ تھوڑی ہی مدت میں حضرت کا شہرہ ہوگیا اور آپ کا آستانِ فیض نشاں اربابِ کمال کا محور ہوگیا۔ دور دراز کے علما اور ترکی تک کے اُمرا آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض یاب ہوتے اُس دور کے مشائخ اور اکابرین آپؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتے آپؒ کی بدولت تانبا سونا اور ذرّات آفتاب بن گئے آپ کی ذات بابرکات آیاتِ الٰہی کی ایک نشانی اور نعماتِ ربّانی کی ایک عظیم نعمت تھی۔ جو جھگڑا صوفیائے کرام اور علماء کے درمیان ہزار سال سے تھا وہ آپ نے ختم کرایا اور حدیث کی رو سے وسیلہ ٹھہرے۔ علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "میری اُمّت میں ایک شخص وسیلہ ہوگا جس کی شفاعت سے لوگ جنّت میں داخل ہوں گے۔" ممکن ہے کہ اس وسیلہ سے مراد آپ کی ذات بابرکات ہو کیونکہ علما اور صوفیا کے درمیان وحدت الوجود کے جھگڑے کو آپ نے ختم کرایا چنانچہ خود فرماتے ہیں "سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے دو سمندروں کے بیچ وسیلہ بنایا"۔ غیب کی باتوں کی اطلاع اور تصرف آپ کی صفات حمیدہ کی بہت معمولی صفت تھی۔ اور خوارق عادات و کرامات بہت کم درجہ کی صفت تھی۔ کتب مقامات میں اُن کی تعداد کوئی سات سو کے قریب ہے چونکہ سب کا ذکر ممکن نہیں لہٰذا چند کا ذکر کیا جارہا ہے۔

ایک بار آپ سفر میں تھے ہوا بہت گرم تھی دوستوں نے بارش کی التجا کی آپ متوجہ ہوئے بادل آئے اور پانی برسا۔ ایک بار ایک شخص نے عرض کیا "میں حج کا ارادہ رکھتا ہوں" آپ نے فرمایا "تم کو میں عرفات میں نہیں دیکھ رہا ہوں"۔ سالہا سال وہ جاتا رہا مگر اسے حج نصیب نہ ہوا۔ حضرت کے مریدین میں ایک تاجر جان محمد نام کا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ ایک روز شام کے وقت ایک اخروٹ آپ نے میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ حافظ کے باغ میں چند فقیر بیٹھے ہیں اُن میں ایک شخص ہے جس کے چہرہ پر چیچک کے نشان ہیں جاؤ یہ اخروٹ اُس کو دے دو اور اُسے لے آؤ۔ میں گیا اور میں نے دیکھا کہ چند قلندر بیٹھے ہیں اور ایک فقیر جس کے چہرہ پر چیچک کے داغ ہیں تھوڑے فاصلہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو بولا کہ اچھا حضرت نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے۔ میں نے کہا "ہاں" اور وہ اخروٹ میں نے اُسے دے دیا اور آپ کی دعا اسے پہنچائی۔ اُس نے کہا ہم کو بُلایا اور خود نہیں آئے۔ آخر میرے ساتھ روانہ ہوا اور وہاں پہنچا۔ حضرت نے مجھ سے قہوہ مانگا میں لایا فرمایا کہ اس درویش کو دے دو۔ میں نے اُس فقیر کی طرف رُخ کیا تو دیکھا کہ حضرت ہیں انھوں نے فرمایا کہ آپ کو دو۔ دوبارہ میں نے اُدھر رُخ کیا اور پھر حضرتؒ کو

دیکھا۔ اُس نے یہ ماجرا حضرت سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ جان محمد جالندھر کے فلاں شخص کا بیٹا جو میرا آشنا تھا اُس نے مجھ سے پوچھا کہ میرے باپ نے کس سلسلہ میں بیعت کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا سلسلۂ قادریہ میں اُس نے عرض کیا میری سفارش کی وجہ سے اُس کو حضرت غوث الاعظمؓ تک پہنچا دیجیے۔ حضرت اٹھ کھڑے ہوئے اور قطب ستارہ کی سمت اشارہ فرمایا کہ جان محمد قطب ستارہ کو تم پہچانتے ہو یہی ہے دوبارہ میں نے بہت غور سے دیکھا قطب ستارہ کے بیچ سے ایک شخص ایک سیاہ پوٹلی بغل میں دبائے تیر کی طرح آپہنچا حضرت نے فرمایا غوث الثقلین کی ملازمت اختیار کرلو بعد میں حضرت غوث پاکؓ قطب ستارہ کی سمت متوجہ ہوئے اور غائب ہو گئے۔ جب میں مسجد پہنچا تو وہ شخص بولا غوث الثقلین کو تم نے دیکھا میں نے کہا "ہاں"۔ آپ کے الہامات و بشارات بہت کثرت سے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے "میں نے بخش دیا تم کو اور اُسے جس نے تم کو وسیلہ بنایا کسی واسطہ سے یا بلا واسطہ قیامت تک"۔ جسے آپ کے تفصیلی حالات درکار ہوں وہ حضرات القدس، برکات احمدیہ وغیرہ کا مطالعہ کرے جس میں ایسے ایسے حقائق و معارف ہیں جس سے منکروں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں اور حاسدوں کا دن تاریک اُن حقائق و معارف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا صاحب مجدد ہے نہ سیکڑوں کا بلکہ ہزاروں کا۔

آپ کے حسنِ اخلاق کا کیا پوچھنا صبر و شکر اور تسلیم و رضا شفقت، صلہ رحمی، حقداروں کے حق کی رعایت اور سلام کرنے میں پہل، کلام میں نرمی اور شیرینی یہ سب آپ کے فضائل تھے اور آپ کا طریقہ قرآن و سنت کا تھا اور یہی ایک صفت ہزار صفتوں سے بڑھ کر ہے۔ آخر عمر میں آپؒ رشد و ہدایت کا کام اپنے فرزندانِ گرامی کے سپرد کرکے خود خلوت قدس میں رہتے اور بہت کم باہر آتے۔ اکثر اپنی وفات کی طرف اشارہ فرماتے حتیٰ کہ ۱۲ محرم ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ء) کو بہت واضح الفاظ میں فرمایا مجھے دکھا دیا گیا ہے کہ چالیس اور پچاس روز کے درمیان میری رحلت ہو جائے گی چنانچہ سہ شنبہ کے دن تھوڑا دن نکلنے کے بعد ترسٹھ سال کی عمر مطابق عمر شریف آنحضرت ﷺ اس عالم فانی سے بہشتِ جاودانی کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے بعد کیا، غسل کے وقت اور کیا اُس کے بعد عجیب عجیب مشاہدات و کرامات دکھائی دیے۔ اس کا مطالعہ کتب مقامات میں کیا جائے۔ آپ کی وفات ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ء) کو ہوئی۔ مزار شریف سرہند میں زیارت گاہِ خلائق ہے آپؒ نے اپنے صاحبزادے کی جو آپ کے سامنے وفات پا گئے تھے، مزار پر عالی شان گنبد تعمیر کروایا۔ آنجنابؒ کی مزار

پر بھی ایک شاندار گنبد ہے۔)

ذکر شیخ فانی عما سوی اللہ حضرت خواجہ باقی باللہ رح

طبقات میں ہے کہ آپ کی اصل سمرقند ہے۔ آپ کابل میں پیدا ہوئے، اویسی تھے اور خواجہ احرارؒ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی۔ ریاضات و مجاہدات اور حصولِ کمالات کے بعد حضرت خواجہ احرار کی روح مبارک کے اشارہ کے مطابق مولانا خواجہ امکنگی رح سے بیعت ہوئے اور تین ہی روز میں دولت و نعمت حاصل فرمائی وہاں سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لائے۔ یہ حال تھا کہ جہاں کسی پر نظر ڈال دیتے یا اُس حال میں آپ پر کوئی نظر ڈال دیتا بے اختیار وہ صاحبِ حال ہو جاتا اور فریاد کرنے لگتا۔ خواجہ صاحب کی وفات ۱۵ رجمادی الثانی ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) میں ہوئی۔ آپؒ کی مزار اقدس دہلی میں قدم رسول کے نزدیک محلہ بجشنک گیراں میں واقع ہے۔ آپؒ کی عمر چالیس سال ہوئی۔[۱]

ذکر واقف مقام قرب، بے نشان محو مشاہدہ رحمٰن صاحب نشین بساط سروری مولانا خواجہ امکنگی رح

آپؒ خواجہ محمد درویش سرمست کے خلف اور خلیفہ ہیں۔ ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ آپ نہایت عابد و زاہد اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے اپنے کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے۔ سمرقند کے اطراف کے امکنک نامی قصبہ میں رہتے تھے۔ آپؒ کی وفات ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء) میں ہوئی عمر شریف نوّے سال ہوئی۔ آپؒ کا مزار قصبۂ امکنک میں موجود ہے۔

---

۱ عزیزم ڈاکٹر مسعود انور علوی سلمہٗ کی تصنیف "جذب و فکر" میں ان کا قدرے تفصیلی حال درج ہے۔ مترجم

ذکر شیخ عارف مولانا محمد درویش رح

آپ مولانا محمد زاہد کے سب سے بزرگ خلیفہ ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور صوری و معنوی رموز کے واقف تھے۔ جذب و استغراق اور ذوق و شوق کا آپؒ پر غلبہ رہتا۔ بہت فیاض اور سخی تھے۔ اپنے ماموں مولانا محمد زاہد کے مرید تھے اور ایک واسطہ سے آپ کا سلسلہ خواجہ محمد احرار تک پہنچتا ہے۔ شیخ کے فنا و بقا کا رنگ آپ پر غالب تھا اور کرامات کے اظہار کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اپنے پیر کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور سیکڑوں آدمیوں کو دعوتِ حق دی۔ آپؒ کی وفات ۱۹ محرم ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) میں ہوئی۔ ایک روایت میں ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) ہے۔

ذکر سلطان الزّاہدین، برہان العابدین راکع السّاجدین مولانا محمد زاہد رح

آپؒ کا شمار سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اکابرین میں ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم اور خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ فقر و تجرید و تفرید و زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنتِ نبوی میں بہت بلند مرتبہ رکھتے۔ آپؒ کی وفات ربیع الاول کی چاند رات کو ۹۳۶ھ (۱۵۸۸ء) میں ہوئی۔ آپؒ کا مزار رخش میں واقع ہے۔

ذکر شیخ المشائخ کبار قدوۃ الاحرار شیخ ناصر الدین عبید اللہ بن خواجہ محمود بن شہاب الدین معروف بہ خواجہ احرار رح

آپؒ مولانا یعقوب چرخی کے بہترین اور کامل ترین خلیفہ ہیں۔ آپؒ ایسے مقتدائے طریقت

اور رہنمائے حقیقت تھے جن سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ آپ سے بہت خلوص واعتقاد رکھتے تھے اور آپؒ کو اپنے پیرومرشد مولانا سعدالدین کاشغریؒ کی جگہ پر سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بعض کتابیں آپؒ کے نام سے لکھی ہیں۔ آپؒ کی ولادت باسعادت ماہ رمضان ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ء) میں باغستان نامی گاؤں میں ہوئی جو تاشقند کے قرب وجوار میں ہے اور وفات شنبہ کے روز ۲۹ ربیع الاوّل ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) میں ہوئی۔ آپؒ کی عمر شریف تقریباً نوّے سال ہوئی۔ مزار اقدس سمرقند میں ہے۔

(آپ کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو "تذکرہ خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی" مؤلفہ مولوی حافظ تقی انور علوی سلمہ اللہ القوی)

ذکر شیخ اجمل واکمل حامل اسرار صوری ومعنوی شیخ یعقوب بن عثمان بن محمد غزنوی ثم چرخیؒ

آپؒ چرخ (جیم فارسی رائے مہملہ وخائے مہملہ کے ساتھ) سے منسوب ہیں جو غزنی کا ایک گاؤں ہے۔ آپؒ کا شمار حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبندی کے بڑے مریدوں میں ہے۔ پہلی بار جب آپ خدمت اقدس میں پہنچے تو فرمایا ہم خود اپنے جی سے کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔ آج رات میں دیکھوں گا اگر وہ تم کو قبول فرمائیں گے تو میں بھی قبول کرلوں گا۔ مولانا یعقوب فرماتے ہیں کہ ہرگز کوئی رات اُس سے زیادہ سخت میرے اوپر نہیں گزری کہ دیکھیں کیا ہونا ہے جب صبح سویرے میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ تم کو قبول فرمایا گیا اور آپ کو خواجہ علاء الدین عطّار کے سپرد کردیا۔ خواجہ بزرگ کی وفات کے بعد انھوں نے آپ کی تکمیل فرمائی اور علوم ظاہری وباطنی میں آپؒ نے کمال حاصل کیا۔ آپؒ کی ولادت باسعادت غزنیں میں ہوئی اور مزار اقدس موضع ملفتو میں ہے۔ صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ملفتو دشادماں قلعہ کے آس پاس ایک موضع ہے۔ آپؒ کی وفات ۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ (۱۴۴۷ء) میں ہوئی۔

ذکرِ امامِ طریقت بہاءِ شریعت و حقیقت، حدیقۂ چمنِ معانی

خواجہ بہاء الدین محمد بن محمد بخاری نقشبندیؒ

رسالہ بہائیہ میں جو حضرت شیخ کے مقامات کے سلسلہ میں ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد کمخواب بافی اور نقشبندی میں مشغول رہتے اسی وجہ سے آپ کو نقشبند کہتے ہیں۔ ایسا ہی سفینۃ الاولیاء اور انتباہ، وغیرہ میں بھی لکھا ہے۔ اور لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ آپ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ صورت بزرگی کے نقشبند تھے۔ چنانچہ یہ نسبت آپ کو حاصل تھی کہ تصور کرتے ہی ایک عجیب کیفیت آپ کو حاصل ہو جاتی۔ "نسمات القدس من حدائق الانس" میں ہے کہ تمام اکابرین اس پر متفق ہیں کہ آپ کا یہ لقب نقشبند غیبی ہے اور بعض منتسبین نے اس کی دو وجوہات لکھی ہیں۔ اول یہ کہ جس روز آپ کسی طالب کو کوئی ذکر تعلیم فرماتے اسی روز سے وہ ذکر اس کے قلب پر نقش ہو جاتا اور عوارض قلیلہ سے زائل نہ ہوتا۔ دوم یہ کہ [illegible] کے تصرف اور توجہ کے سبب شروع حال میں ہی آپ کے ہر مرید کے قلب سے نقوشِ کونیہ مسدود ہو جاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نسبت کی اصل خرقہ سے ہے اس کے بعد آپ اسی سے معروف ہو گئے۔ مولانا جامیؔ احسن القصص میں حضرت خواجہ کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

کسے چوں او بہ لوحِ ارجمنداں نزدِ نقشِ بدیع از نقشبنداں

(نصیبہ وروں کی لوح پر حضرات نقشبندیہ میں سے کسی کا بھی آپ جیسا عجیب نقش ممکن نہ ہوا)

آپؒ کی ولادت خواجہ علی رامتینی کے زمانہ میں ماہِ محرم ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) یا ۷۲۸ھ (۱۳۲۸ء) میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آثارِ ولایت اور انوار کرامت و ہدایت آپ کے بشرہ سے ظاہر تھے۔ حضرت بچپن ہی سے حضرت خواجہ محمد بابا سماسی کے مقبولِ نظر تھے۔ آدابِ طریقت کی تعلیم امیر کلال سے حاصل فرمائی۔ لہٰذا ان کی نسبت سے آپؒ اویسی ہیں۔ روحانی تربیت خواجہ عبد الخالق غجدوانی سے حاصل فرمائی جس کی تفصیل ایک جگہ درج ہے۔ آپؒ کی وفات دوشنبہ کی رات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں ہوئی۔

مزارِ اقدس، قصرِ عارفاں میں ہے جو بخارا سے تین میل دور ایک گاؤں ہے۔ آپؒ کی عمر شریف نہتر[۷۳] سال ہوئی۔

ذکرِ صاحبِ صحو و تمکین، قدوۂ اربابِ حال حضرت سیّد امیر کلال رحؒ

آپؒ خواجہ محمد بابا سیماسی کے سب سے عظیم مرید و خلیفہ اور شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت میں اپنے عہد کے تمام اولیاء اللہ سے فائق و برتر۔ آپؒ کی ولادت موضع سوخار میں اور وفات وقتِ نمازِ فجر پنجشنبہ کے روز ۸ رجمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ میں ہوئی۔ آپؒ کا مزار بھی سوخار میں ہے۔ سوخار بخارا کا ایک گاؤں ہے۔ باقی حال نفحات الانس اور رشحات میں دیکھنے کے لائق ہے۔

ذکرِ مرجعِ اقاصی و ادانی حضرت خواجہ محمد بابا سماسی مولداً و بخاری مدفناً رحؒ

سیماسی (دوسری س کے زیر کے ساتھ۔ بعض کہتے ہیں کہ سیماس رامتین کے دیہات میں سے ہے اور رامتین سے دو میل دور ہے اور رامتین بخارا سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے) ملک طوس کا ایک گاؤں ہے۔ آپ حضرت عزیزاں علی رامتینی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ مدتوں آپ اپنے روشن ضمیر پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ بڑے فوائد حاصل کیے حتیٰ کہ مقتدائے زمانہ ہوگئے۔ آپؒ نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ آپ کی ولادت باسعادت سیماسی نامی گاؤں میں ہوئی اور وفات ۱۰ رجمادی الآخر ۷۵۵ھ (۱۳۵۴ء) کو ہوئی۔ آپؒ کا مزار بھی اُسی جگہ ہے۔

ذکرِ قدوۂ اہلِ شہود، مصدرِ فیوضِ سبحاں حضرت خواجہ علی رامتینی

معروف بہ حضرت عزیزاں رحؒ

آپؒ خواجہ محمود کے دوسرے خلیفہ ہیں۔ آپ کا لقب سلسلۂ خواجگاں میں حضرت عزیزاں ہے۔

اس سلسلہ کے بہت بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ آپ صاحبِ مقاماتِ عالیہ اور صاحبِ کشف و کرامات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب خواجہ محمود کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے امرِ خلافت حضرت خواجہ عزیزاں کے حوالہ کیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو آپؒ کے سپرد کیا۔ حضرت خواجہ بہاء الدین کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے اُن تک پہنچتا ہے۔ آپ کا بڑا بلند مقام ہے اور آپؒ صاحبِ کشف و کرامات ہیں۔ آپ بُنائی کی صنعت میں مشغول رہتے۔ 'نفحات' میں ہے کہ فقیر نے بعض اکابرین سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا رومؒ کے اس شعر میں آپ ہی کی طرف اشارہ ہے ؎

گر نہ علمِ حال فوق قال بودے کے شُدے — بندہ اعیانِ بخارا خواجۂ نسّاج را

(اگر علمِ حال، علمِ قال پر غالب نہ ہوتا تو بخارا کے اعیان و اشراف خواجہ نسّاج کے غلام کیسے ہوتے)

آپؒ کی ولادت با سعادت رامتین میں ہوئی جو بخارا کا ایک بڑا قصبہ ہے اور اس سے ۶ میل دور ہے۔ آپؒ کی مزار اقدس خوارزم میں ہے جو بہت مشہور و معروف ہے۔ وفات ۷ رمضان المبارک ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں ہوئی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وفات ۲۸ ذی قعدہ ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں ہوئی۔ آپؒ کی عمر ایک سو تیس ۱۳۰ سال ہوئی۔

ذکرِ شیخ معظم و مکرم جامعِ نسبت صوری و معنوی خواجہ محمود الخیر فغنوی مولد و بخاری مدفن

فغنی (ف کے زبر اور غ کے سکوت کے ساتھ) بخارا کا ایک گاؤں ہے۔ رشحات میں ہے کہ آپ خواجہ عارف ریوگری کے ساتھیوں میں سب سے افضل اور سب سے کامل ہیں چنانچہ خواجہ عارف نے اپنے اصحاب میں آپ ہی کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔ آپ ابکنی میں مقیم تھے جو چند دیہاتوں کا مجموعہ ہے اور شہر سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے آپؒ کی مزار بھی وہیں ہے آپ گِل کاری سے حاصل معاش فرماتے۔ خواجہ عارفؒ سے آپ کو اجازت تھی، چنانچہ آپ مخلوق کو فیض پہنچاتے۔ وقت اور مصلحت کے

پیشِ نظر طالبین کو علانیہ ذکر کی تلقین بھی فرماتے۔ بہر حال جب آپ رُشد و ہدایت میں مشغول ہوئے وہ خواجہ عارف کے مرض الوصال کا زمانہ تھا۔ ریوگر کے پل پر آپؒ مشغول ہوئے اور خواجہ عارف نے اُس موقع پر فرمایا کہ یہ وقت وہ ہے کہ وہ ہماری طرف متوجّہ ہوئے ہیں۔ واپکنی کے دروازہ کی ایک مسجد میں خواجہ محمود ذکر علانیہ میں مشغول ہوئے۔ مولٰنا حافظ الدین نے جو علمائے وقت کے اکابرین میں سے اور حضرت خواجہ محمد پارسا کے جدّ اعلیٰ ہیں استادالعلما شمس الائمۃ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کے اشارہ پر خواجہ محمود سے اس وقت کے بہت سے علما کی موجودگی میں سوال کیا کہ آپ ذکر بالجہر کس نیت سے کرتے ہیں۔ خواجہ نے فرمایا تاکہ سوتا ہوا جاگ جائے، غافل آگاہ ہو جائے، بھولا بھٹکا راہ پر لگ جائے شریعت و طریقت پر قائم ہو جائے اور توبہ و انابت کی حقیقت کی سمت راغب ہو جائے جو تمام بھلائیوں کی کنجی اور تمام سعادات کی اصل ہے۔ مولٰنا حافظ الدین نے فرمایا کہ آپ کی نیت صحیح ہے اور یہ شغل آپ کے لیے جائز ہے۔ دوبارہ آپؒ سے درخواست کی کہ ذکر بالجہر کی حد بیان کیجیے جس سے حقیقت مجاز سے ممتاز رہے اور بیگانہ آشنا سے الگ رہے۔ خواجہ نے فرمایا ذکر بالجہر اس کے لیے جس کی زبان دروغ و غیبت سے، حلق حرام اور مشتبہ چیزوں سے، دل ریاکاری اور خودنمائی سے اور اُس کا سِر ماسوی اللہ کی توجّہ سے پاک ہوں۔ اگر آپ کے مزید حالات درکار ہوں تو کتاب 'رشحات'، کا مطالعہ کریں۔ آپ کی وفات سترہ ربیع الاوّل ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں ہوئی۔ 'سفینۃ الاولیاء' میں ہے کہ وفات ۷۱۷ھ (۱۳۱۷ء) میں ہوئی۔ آپؒ کی مزار بھی بخارا میں ہے۔

ذکرِ عارف زبدۃ الاخیار ناظرِ جمال بہ چشم مخموری حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ

ریوگر (رائے مہملہ کے زیر کے ساتھ)، بخارا کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ آپؒ حضرت خواجہ کے چوتھے خلیفہ ہیں۔ آپ کا مولد اور مدفن دونوں ریوگر میں ہیں جو غجدوان سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت اور متابعت سُنّت میں آپ بلند مرتبہ ہیں۔

خرقۂ خلافت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے دستِ مبارک سے پہنا اور ساری زندگی اپنے روشن ضمیر پیرومرشد کی خدمت میں رہ کر فیضیاب ہوا کیے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کا سلسلۂ نسب و ارادت خواجہ عبدالخالق کے واسطے سے خواجہ عارف تک پہنچتا ہے۔ آپؒ کی وفات پہلی شوال ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر بہت لمبی ہوئی۔

ذکر عارف صمدانی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (غجدوانی)

آپؒ منسوب ہیں غجدوان سے جو بخارا سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ایک بڑا گاؤں ہے۔ آپؒ خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ کے چوتھے خلیفہ اور طریقۂ خواجگان کے سرخیل ہیں۔ غجدوان ہی آپ کا مولد ہے اور وہی آپ کا مدفن۔ والد ماجد کا اسم گرامی امام عبدالجمیل ہے جو امام مالکؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپ مقتدائے وقت اور علوم ظاہری و باطنی کے جید عالم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ امام عبدالجمیل کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت نصیب تھی اور حضرت خضرؑ نے آپؒ کو خواجہ کے وجود کی بشارت دی تھی اور عبدالخالق نام رکھا تھا جب وہ آپ کے پاس تشریف لائے تھے اور بعض چیزوں کی آپؒ کو تلقین فرمائی تھی۔ خواجہ صاحب کی بعض تحریروں میں ہے آپؒ فرماتے ہیں میں بائیس سال کا تھا جب حضرت خضرؑ نے مجھ کو شیخ بزرگ خواجہ یوسف ہمدانی کے سپرد کر دیا تھا اور میری تربیت کی وصیت کی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب کا آدابِ طریقت میں ایک وصیت نامہ ہے جو آپؒ نے اپنے فرزندِ معنوی خواجہ اولیا کبیر قدس سرہٗ کے لیے تحریر فرمایا ہے جس میں بڑے ہی فوائد اور منافع ہیں جو تمام سالکوں اور مریدوں کے لیے ضروری ہے تبرکاً اور تیمناً تھوڑا سا لکھا جا رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں "اے بیٹے میں تجھے وصیت کرتا ہوں علم و ادب اور تقویٰ کی ہر حال میں سلف صالحین کے آثار کی پیروی کرنا۔ سنت اور جماعت کا ہمیشہ التزام رکھنا۔ فقہ و حدیث سیکھتے رہنا۔ جاہل صوفیا سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ نماز ہمیشہ باجماعت ادا کرتے رہنا مگر امام یا موذن نہ بننا۔ ہرگز شہرت نہ چاہنا کیونکہ شہرت ایک مصیبت ہے۔ اور کسی منصب پر مقید مت ہونا بلکہ ہمیشہ گمنامی میں رہنا۔ دستاویزوں میں اپنا نام نہ لکھنا۔ عدالت میں حاضر مت ہونا نہ کسی کی ضمانت لینا اور لوگوں کی باتوں میں نہ آ جانا۔ بادشاہوں اور

شاہزادوں کی خدمت میں نہ جانا نہ خانقاہ کی بنیاد ڈالنا اور نہ خانقاہ میں بیٹھنا۔ سماع بہت زیادہ نہ سننا کیونکہ بہت زیادہ سماع سننے سے نفاق پیدا ہوتا ہے لیکن سماع سے انکار بھی نہ کرنا کیونکہ سماع والے بہت ہیں۔ کم بات چیت کرنا۔ کم کھانا اور کم سونا۔ مخلوق سے اس طرح بھاگنا جیسے لوگ شیر سے بھاگتے ہیں۔ ہمیشہ تنہائی اختیار کرنا۔ نوعمر لڑکوں، عورتوں، بدعتیوں، مالداروں اور عام لوگوں کی صحبت نہ اختیار کرنا۔ ہمیشہ حلال روزی کھانا اور مشکوک چیزوں سے پرہیز کرنا۔ جہاں تک ہو سکے شادی نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ تم محض دنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ اور عاقبت کو برباد کر لو۔ زیادہ مت ہنسنا، قہقہہ لگانے سے پرہیز کرنا کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مُردہ کر دیتا ہے۔ ہر شخص کو شفقت کی نگاہ سے دیکھنا کسی شخص کو حقیر نہ سمجھنا۔ اپنے ظاہر کی آرائش نہ کرنا کیونکہ ظاہری آرائش سے باطن کی خرابی ہے۔ مخلوق سے بحث و مباحثہ مت کرنا۔ کسی سے کوئی چیز طلب نہ کرنا اور کسی کی خدمت نہ کرنا لیکن بزرگوں کی خدمت دل و جان و مال سے کرنا، اُن کے افعال پر تنقید نہ کرنا کیونکہ اُن پر تنقید کرنے والا ہرگز نجات نہ پائے گا۔ دنیا اور دنیاداروں کے دھوکہ میں نہ آنا۔ چاہیئے کہ تمھارا دل ہر وقت غمزدہ رہے، تمھارا جسم بیمار رہے، تمھاری آنکھ ہمیشہ روتی رہے، تمھارا عمل ہمیشہ خالص رہے، تمھاری دعا ہمیشہ عاجزانہ ہو، تمھارے کپڑے ہمیشہ پُرانے ہوں۔ تمھارے ساتھی ہمیشہ دُرویش ہوں۔ تمھارا سرمایہ فقر ہو۔ تمھارا گھر مسجد اور تمھارا مونس و غمخوار ہمیشہ حق تعالیٰ رہے۔" آپؒ کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں ہوئی۔ آپ کا مزار اقدس غجدوان میں ہے۔

ذکر قطبِ وقت، غوث صمدانی حضرت خواجہ یوسف بن ایوب ہمدانیؒ

آپؒ کی کنیت ابو یعقوب ہے اور اصل ہمدان سے ہے۔ آپ شیخ ابو علی فارمدی کے مُرید ہیں اور شیخ ابو اسحٰق شیرازی سے بھی فیضیاب ہیں۔ شیخ عبداللہ جوینی اور شیخ حسن سمنانی کی بھی صحبت میں رہے ہیں۔ جب آپؒ بغداد حاضر ہوئے تو آپ اکثر حضرت غوث الثقلین کی بھی خدمت

میں حاضر رہے۔ آپؒ حنفی مذہب اور سلسلہ خواجگان کے سرخیل ہیں۔ 'سفینۃ الاولیاء' اور 'رشحات' کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۴۴۰ھ (۱۰۴۸ء) میں ہوئی۔ 'تاریخ یافعی' میں ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی بڑی کرامتیں ہیں۔ بغداد، عراق، خراسان، سمرقند، بخارا اور اصفہان میں آپؒ نے افادہ اور استفادہ کیا، حدیث حاصل کی اور وعظ فرمایا۔ مخلوق کو فیضیاب کیا۔ مرو میں آپؒ نے قیام فرمایا اور مدتوں وہاں رہے اس کے بعد کچھ عرصے کے لیے ہرات گئے اور بعد میں پھر مرو لوٹ آئے۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ ہرات تشریف لے گئے چند سال وہاں رہ کر پھر مرو واپس آئے لیکن ہرات کے راستہ ہی میں وفات پائی۔ جس جگہ وفات ہوئی اُسی جگہ دفن کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ روز بعد آپؒ کے ایک مرید ابن النجار نے جسد اطہر کو مرو میں منتقل کردیا چنانچہ آپ کی قبر وہیں ہے۔ آپؒ کی تاریخ وفات ۲۷ رجب اور بعض روایتوں کے مطابق یکم صفر ۵۳۵ھ (۱۱۴۰ء) ہے۔ آپؒ کے چار خلیفہ ہوئے۔ خواجہ عبداللہ برقی، خواجہ حسن اندانی، خواجہ احمد یسوی، خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ذکر زبدۃ السالکین قدوۃ الکاملین ذوالفیضِ ابدی خواجہ ابو علی فضل بن محمد علی شافعی فارمدی طوسی مسکناً

فارمذ طوس کا ایک گاؤں ہے۔ آپؒ خراسان کے شیخ الشیوخ اور امام ابوالقاسم قشیریؒ کے شاگرد اور شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کے مرید تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی ملاقات کرچکے ہیں۔ آپؒ تصوف میں شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے بھی نسبت رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے مشائخ کے پیشوا اور قطب وقت تھے۔ شیخ ابوعلی کہتے ہیں کہ اوائل جوانی میں مَیں بغرض طلب علم نیشاپور میں تھا کہ میں نے سنا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر میہنہ سے آئے ہوئے ہیں اور مجلس پڑھ رہے ہیں چنانچہ میں گیا جیسے ہی میری نگاہ آپؒ کے حسن وجمال پر پڑی میں عاشق ہوگیا اور اس گروہ کی محبت میرے دل میں بہت بڑھ گئی۔ آپؒ کی وفات ۴ ربیع الاوّل ۴۷۷ھ (۱۰۸۴ء) میں ہوئی۔ ایک روایت میں ۴۷۰ھ (۱۰۷۷ء) ہے۔ آپؒ کا مزار مبارک طوس میں ہے۔ گرگان (کاف اعرابی کے پیش راء مہملہ کی تشدید اور کاف عجمی و

نون کے ساتھ) مشہد مقدس کا ایک گاؤں ہے۔

ذکر سلالۂ اماجد و عالی خلاصۂ تکوین حضرت ربّانی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

خرقان، بسطام کی پہاڑیوں پر واقع ایک گاؤں کا نام ہے۔ "سفینۃ الاولیاء" میں ہے کہ آپؒ کا نام علی بن جعفر ہے اور خرقان ایک موضع ہے قزوین کے قریب۔ آپؒ اپنے زمانہ کے غوث تھے۔ تصوف میں آپؒ کی نسبت حضرت بایزید بسطامیؒ سے ہے۔ آپؒ کی تربیت روحانی بھی حضرت شیخؒ ہی کے ذریعہ ہوئی لیکن آپ کی ولادت شیخ کے وصال کے کافی عرصہ بعد ہوئی۔ آپؒ کی وفات سہ شنبہ کے روز شبِ عاشور ۴۲۵ھ (۱۰۳۳ء) میں ہوئی۔ ایک روایت میں ۱۵ رمضان ۴۲۵ھ (۱۰۳۴ء) ہے۔ آپؒ کی عمر شریف تہتر ۷۳ سال ہوئی۔ آپؒ کے مواعظ میں سے ہے، فرماتے ہیں "ہرگز ایسے شخص کی صحبت میں نہ رہو کہ تم کہو اللہ اور وہ دوسری بات کہے"۔ "شیخ شبلیؒ نے فرمایا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی طلب ہے۔ ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کون سی چیز سب سے بہتر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور ہی فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا، ایسا دل جس میں ہمیشہ اسی کی یاد رہے۔

ذکر سلطان حقیقت امام فقیہہ محدث صاحب الہیمان فی العشق مالک مجد مجید طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشاں ابویزیدؒ

تاریخ ابن خلکان میں طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن عیسیٰ بن علی بسطامی قدس سرہٗ السامی ہے۔ معجم البلدان میں ہے کہ بسطام ایک بڑا گاؤں اور بڑا شہر ہے اور حضرت بایزید بسطامی کا مزار وہاں

جس نے ان کا سمت دیکھا ہے اور ان میں یہ بھی ہے کہ ابویزید طیفور بن آدم بن عیسیٰ بن اسروشنہ بسطامی الاصغر اور قاضی عضد ... کہتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی حضرت امام جعفر صادقؓ کے سقا تھے۔ میر سید شریف شرحِ مواقف میں کہتے ہیں کہ ابویزید نے حضرت امام جعفر صادقؓ کا زمانہ نہیں پایا اور وہ حضرت معروف کرخیؒ کے بعد کے ہیں لیکن حضرت امام جعفر صادقؓ کی روح مبارک سے فیضیاب ہیں اور اسی وجہ سے اُن کا سلسلۂ نسب حضرت امام جعفر صادقؓ تک پہنچتا ہے اور اس سلسلہ میں سب سے درست وہ بیان ہے جو خواجہ علاء الدین بخاری اور خواجہ محمد پارسا نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ کی 'اربعین'، 'صحائف'، 'جامع الاسرار'، 'شرح رسالۂ صوفیہ'، اور 'شرحِ لطیفۂ غیبیہ'، میں دیکھنا چاہیے۔ شیخ ابویزید کا لقب سلطان العارفین اور نام طیفور بن عیسیٰ ہے۔ آپؒ کے دادا آتش پرست تھے جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپؒ کی اصل بسطام سے ہے۔ صاحبِ 'رشحات'، لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام جعفر صادقؓ کی طرف سے اویسی ہیں۔ صاحبِ 'تذکرۃ الاولیاء'، لکھتے ہیں کہ آپ نے ایک سو تیرہ (۱۱۳) پیروں کی خدمت کی ہے جن میں حضرت امام جعفر صادقؓ بھی ہیں۔ ابوحفص حدّاد، یحییٰ معاذ اور شفیق بلخی کو بھی آپؒ نے دیکھا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ اگر کوئی مشتبہ لقمہ بھی میرے منہ میں جاتا تو بایزید پیٹ میں بیقرار ہونے لگتے جب تک کہ وہ لقمہ دفع نہ ہو جاتا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ بایزید ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے فرشتوں کے درمیان جبرئیلؑ۔ سلسلۂ طیفوریہ آپؒ ہی سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے اس طریقہ میں جذب و سکر کا غلبہ ہے۔ آپ کی وفات بعض مورخین نے ۱۴ شعبان المعظم ۲۶۱ھ (۸۷۵ء) میں لکھی۔ ایک روایت میں ۲۳۴ھ (۸۴۸ء) بھی ہے۔ یہ دونوں قول تاریخ وفات کے بارے میں اکثر معتبر کتب میں ہیں لیکن مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے آپؒ کا سن وفات ۲۳۴ھ (۸۴۸ء) لکھا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس تاریخ سے انھوں نے یہ نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ آپؒ کا مزار اقدس بسطام میں ہے۔ عمر شریف ایک سو پچیس (۱۲۵) سال ہوئی۔ حضرت بایزید حضرت ابوعلی کی بھی خدمت میں رہے ہیں۔ ایسا ہی شیخ روزبہان بقلی نے شرح شطحیات اور شیخ الشیوخ نے عوارف المعارف میں لکھا ہے۔ امام بالحق ناطق حضرت جعفر صادقؓ کا حال سلسلۂ عالیہ قادریہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

ذکر امام طریقت شیخ حقیقت مجمع اسرار الٰہیہ مطلع انوار نبویہ قدوۂ اعاظم حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

آپ کا شمار بڑے اجلہ تابعین میں ہے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہا میں سے ایک آپ ہیں۔ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تربیت پائی۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مدینہ میں ہم نے کسی کو بھی قاسم سے افضل نہ پایا۔ ابو الزناد کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے بڑھ کر عالم سنت نظر والا نہیں دیکھا۔ عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ اگر خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بناتا۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ قاسم اس امت کے فقیہوں میں سے ہیں۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نانا ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۱۰۱ھ (۷۱۹ء) میں بہتر سال کی عمر میں ہوئی اور بعض نے سنہ ۱۰۸ھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ کی ولادت سنہ ۲۴ھ (۶۴۵ء) میں ہوئی جو مستند ہے۔

واضح ہو کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خرقہ کی نسبت دو سمت سے ہے ایک امام محمد باقر سے ہو کر حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک دوسری اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ان کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اور انہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لہٰذا نقشبندیہ سلسلہ کے دو طریقے ہیں ایک نقشبندیہ صدیقیہ دوسرا نقشبندیہ علویہ۔

ذکر مظہر عجائب آیات مصدر غرائب کرامات صاحب مقامات عالیہ وحالات سنیہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے آپ کو سلمان ابن اسلام کہتے ہیں آپ کا شمار اکابرین صحابہ میں ہے۔ جامع الاصول میں ہے کہ ابو عبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سلمان الخیر مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں اور آپ خود فرماتے ہیں "انا سلمان ابن الاسلام" (میں سلمان بن اسلام ہوں)۔ آپ

کی اصل فارس کے رامہر سے ہے۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ آپ کی اصل اصفہان کے اس گاؤں سے ہے جسے
جے کہتے ہیں۔ آپ وہاں سے دینِ حق کی طلب میں حاضر ہوئے تھے پہلے آپ دین نصاریٰ پر تھے۔ بعض عربوں
نے آپ کو پکڑ کر یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور بعد میں رسول اللہ صلعم نے آپ کو آزادی کی شرط کے
ساتھ خرید لیا۔ اور اسی کتاب میں ہے کہ ـــــ

یقال انہ تداولہ فی رق بضعۃ عشر ربا من رب الی رب حتی انتھی الی النبی علیہ السلام لما قدم النبی الی المدینۃ ومنعہ الرق عن بدر واحد واول مشاھدہ الخندق وما بعدھا ولما حضر رسول اللہ الخندق جعل لکل عشرۃ نفر اربعین ذراعًا فاحتج المھاجرین والانصار فی سلمان وھو کان رجلا قویا فقال المھاجرون سلمان منا وقال الانصار سلمان منا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلمان منا اھل البیت واحد الذین اشتاقت الیھم الجنۃ وکان من المعمرین۔ قیل عاش مائتین وخمسین سنۃ وقیل ثلثمائۃ وخمسین سنۃ والاول اصح ومناقبہ کثیرۃ وفضائلہ عزیزۃ اثنی علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومدحہ ومات بالمدائن سنۃ خمس وثلثین۔ قیل مات زمن عمر الاول اکثر روی عنہ انس بن مالک وغیرہ۔

(کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک سے دوسرے یعنی دس سے زیادہ معبودوں کی عبادت میں مداولت کی یہاں تک کہ حضورؐ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کو غیر اللہ کی عبادت سے روکا اور یہ اسلام لائے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سب سے پہلے خندق کی جنگ میں شریک ہوئے، اس کے بعد کے غزوات میں بھی رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی کھدائی کے موقعہ پر تشریف لائے تو آپؐ نے ہر دس آدمیوں کو ۴۰ ہاتھ کھودنے پر مقرر فرمایا۔ مہاجرین وانصار میں حضرت سلمانؓ کے سلسلہ میں اختلاف ہوا کیونکہ وہ ایک طاقتور مرد تھے۔ چنانچہ مہاجروں نے کہا سلمان ہم میں سے ہیں، انصار نے کہا ہم میں سے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہلبیت میں سے ہیں۔ وہ ان میں سے ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ آپؓ کی عمر طویل ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ ڈھائی سو سال

ہوگا اور دوسری روایت ساڑھے تین سو سال کی ہے۔ مگر پہلی روایت ۲۵۰ سال کی درست ہے۔ آپؓ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کی تعریف و توصیف فرمائی۔ ۳۵ھ میں آپؓ کا وصال مدائن میں ہوا۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ (پہلی روایت ۳۵ھ کی زیادہ تواتر سے ہے)۔ حضرت انس بن مالکؓ وغیرہ نے آپؓ سے بہت سی احادیث کی روایت کی۔)

ذکرِ سید امام شفیق معدنِ فضل و ہدیٰ و تحقیق کوکبِ زاہر بانوار التصدیق صاحبِ رسول اللہ رفیقِ غار خلیفۂ اکمل امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان افضل البشر بعد انبیاء کی کنیت ابوبکر، لقب، صدیق اکبر اور عتیق اور اسم مبارک عبد اللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب۔ بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب قرشی ہے۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اُمّ الخیر سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا سلسلۂ نسب ماں اور باپ دونوں کی طرف سے مُرّہ تک جو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں دادا اور آپ کے چھٹے دادا ہیں حضور سرور عالمؐ تک پہنچتا ہے۔ صدیق اکبر کی ولادت باسعادت واقعۂ عام الفیل کے دو سال چار ماہ بعد ہوئی اور بوڑھوں میں آپ کی ذات پہلی ہے جو نبی کریمؐ پر بغیر کسی معجزہ کے مطالبہ کے ایمان لائی۔ آپ کی ذات گرامی تمام کمالات انسانی کی جامع تھی۔ قریش میں آپ صاحبِ مال و ثروت تھے اور آپ کا شمار وہاں کے روٴسا میں کیا جاتا تھا۔ علم انساب تعبیرِ خواب اور فن عروض و قافیہ میں آپ ماہر تھے اور خوب اشعار کہتے تھے۔ مبعوث ہونے کے پیشتر سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک سفر و حضر میں حضور کے رفیق رہے اور کمال صدق و صفا سے جان و مال کو آنحضرت صلعم کی محبت میں لگائے رہے کسی بھی حال میں آنحضرتؐ کی پیروی سے گریز نہ فرماتے اسی وجہ سے آپ سب کے امام ہوگئے۔ تمام مشائخ آپ کو اربابِ مشاہدہ کے متقدمین میں شمار کرتے ہیں۔ آپ کے کمالات کا اندازہ حضرت

عمرؓ کے اس قول سے کیجیے کہ فرماتے ہیں "کاش کہ میں ابوبکر کے سینہ کا ایک بال ہوتا"۔ کہا جاتا ہے کہ قیامت میں ساری مخلوق کو ایک بار تجلی حق ہوگی اور حضرت صدیق اکبرؓ کو تنہا ایک بار۔ آپ کا صدیق لقب اس وجہ سے ہوا کہ واقعہ معراج کی سب سے پہلے تصدیق آپ نے ہی فرمائی۔ دار قطنی ابو یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اکثر امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بر سر منبر سنتا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو نبی کریمؐ کی زبانِ مبارک سے صدیق کہلوایا۔ آپ کا عتیق لقب ہونے کی یہ وجہ ہے کہ رسولِ مقبولؐ نے ایک روز ان کی کھڑکی کی سمت دیکھ کر فرمایا "من سرہٗ ان ینظر الی عتیق من النار فلینظر الی ابی بکرؓ (جسے خواہش ہو کہ وہ عتیق من النار (یعنی آگ سے نجات یافتہ) کو دیکھے اُسے چاہیئے کہ ابوبکر کو دیکھ لے) سرور کائناتؐ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام کے اتفاق رائے سے مسندِ خلافت پر دو سال تین ماہ فائز رہ کر دینِ متین کے احیاء کی زبردست کوشش فرمائی اور عرب کے اُس گروہ کو راہِ راست پر بزورِ شمشیر لائے جو رسولِ مقبولؐ کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ قرآن مجید کو حضرت عمرؓ کی درخواست اور مدد سے جمع فرمایا جو اس سے پیشتر متفرق تھا۔ اگر کوئی صحابی کوئی آیت لے کر آتا تو آپؓ اسے قبول نہ فرماتے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دے لیتے اور تصدیق نہ کر دیتے۔ آپؓ کی وفات ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں دو شنبہ کے دن اور ایک قول میں جمعہ ۲۲ یا ۲۳ جمادی الآخر اور زیادہ صحیح روایت میں سہ شنبہ کے روز ہوئی۔ عمر شریف ترسٹھ ۶۳ یا پینسٹھ ۶۵ سال ہوئی۔ خلافت کی مدت دو سال تین ماہ ہے۔ آپؓ کا مزار رسولِ اکرمؐ کے مزار کے متصل ہے۔ اخبار الاول میں "نزہۃ النواظر" سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آخر وقت مجھ کو بلایا اور فرمایا یا علی مجھ کو دو نہی میں غسل دیجیے جس میں رسول مقبولؐ کو غسل دیا گیا اور مجھ کو میرے کپڑوں میں کفن دیجیے اور میرے تابوت کو حجرۂ نبوی صلعم کے دروازہ پر جا کر رکھ دیجیے اگر وہاں کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں لے جائیے ورنہ مجھے جنت البقیع لے جائیے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا فوراً ہی حجرہ کا دروازہ کھل گیا اور آواز آئی " ادخلوا الحبیب الی الحبیب فان الحبیب الی الحبیب مشتاق " (دوست کو دوست کے پاس لے آؤ کیوں کہ دوست اپنے دوست کا مشتاق ہے)۔ اس کے بعد آپؓ کی نعش مبارک کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی دفن کیا گیا۔ آپؓ کے سر کو پیغمبر خدا صلعم کے دوش مبارک کے قریب رکھا گیا۔ آپؓ کے فضائل و مناقب کی احادیث بہت ہیں لیکن یہاں ان میں سے چند نقل کی جا رہی ہیں۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا "ماطلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبیا" (سورج طلوع اور غروب نہیں ہوا کسی شخص پر جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر ہو)۔

"عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی الی اباک و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابا بکر رواہ مسلم" (حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے مرض الوصال میں فرمایا' اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں کچھ لکھ دوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی دوسرا خلافت کی آرزو نہ کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مومنین سب ابوبکر کے علاوہ کسی اور کی خلافت کے منکر ہیں۔ مسلم)۔ وعن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یومھم غیرہ (حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے "قوم کو نہیں چاہیئے کہ وہ امامت کرے جبکہ ان کے درمیان ابوبکر موجود ہوں)۔ وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مانفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر فبکی ابوبکر وقال ھل انا ومالی الا لک یارسول اللہ رواہ احمد (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے "مجھے کسی کے مال و دولت نے اتنا فائدہ نہ پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا") یہ سن کر ابوبکرؓ رو دیے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرا مال و دولت آپ کے سوا کسی اور کے واسطے ہے۔) (احمد) راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کے مال و دولت کو بے دریغ خرچ کرتے اور اپنے اور ابوبکر کے مال میں کوئی فرق نہ فرماتے۔

جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ نبی صلعم کے در دولت پر بیٹھے تھے اور مہاجرینؓ انصار بھی تھے ہم آپس میں بزرگی اور فضیلت کا ذکر کر رہے تھے کہ حضور تشریف لائے اور فرمایا تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ میں نے عرض کیا ہم فضائل کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا "جان لو کہ تم میں سے کوئی ابوبکر پر کسی کو فوقیت نہ دے کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں تم سب پر افضل ہے۔"

ابوداؤد اور حاکم ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "جبرئیل میرے پاس آئے میرا ہاتھ پکڑ کر لے گئے اور مجھے بہشت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت داخل ہوگی۔ ابوبکرؓ نے کہا میری بڑی تمنا ہے کہ کاش میں بھی حضور کے ساتھ وہاں ہوتا۔ میں نے اس در کی سمت نظر کی تو اپنے ساتھ تم کو اس میں دیکھا لہٰذا آگاہ ہو جاؤ اے ابوبکر کہ تم پہلے شخص ہو گے میری امت میں جو اس سے داخل ہو گے۔"

بخاری و مسلم میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو [redacted] خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلعم خطبہ دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو دنیا و آخرت دونوں پر اختیار دیا۔ بندہ نے آخرت کو پسند کیا۔ یہ جملہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو دیے ہم کو اُن کے رونے سے تعجب ہوا کہ یہ کون سا موقع رونے کا ہے۔ کچھ ہی روز بعد آنحضرت صلعم فردوس بریں کو سدھار گئے اُس وقت ہیں سمجھ گیا کہ اُن کے رونے کا مقصد تھا کہ غالباً آنحضرت صلعم نے اپنے وصال کی خبر دی لیکن ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ اور کوئی نہ سمجھ سکا۔ وہ ہم سب میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ جس وقت حضرت ابوبکرؓ رونے لگے تو حضور صلعم نے فرمایا "مت رو تمھارا احسانِ رفاقت و مال مجھ پر بہت زیادہ ہے اگر حق تعالیٰ کے سوا میں اور کسی سے دوستی کرتا تو تم سے ہی کرتا لیکن میرے اور تمھارے درمیان اسلامی اخوت و محبت ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے مرضِ وصال میں فرمایا "ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ نماز کی امامت کریں" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نرم دل والے ہیں اگر حضورؐ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے اور لوگ قرآن نہ سُن سکیں گے لہٰذا حضور حضرت عمرؓ سے فرمادیں کہ وہ امامت کریں مگر حضورؐ نے پھر وہی بات دُہرائی کہ ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ ہی امامت کریں دوبارہ ام المومنین حفصہ سے میں نے عرض کیا انھوں نے بھی عرض کیا آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا "تم سب حضرت یوسفؑ کے زمانہ والی عورتوں کی طرح ہو یعنی ہمارے حکم کی خلاف ورزی کیوں کرتی ہو جاؤ جاکر ابوبکر سے کہدو کہ وہ امامت کریں اور نماز پڑھائیں۔ غرض یہ کہ حضور انور صلعم کی حیات طیبہ میں پانچ روز تک حضرت صدیق اکبرؓ نے امامت فرمائی اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضور انور صلعم نے اپنی حیات طیبہ میں منصبِ امامت اُن کے سپرد فرمایا۔ مختصر یہ کہ آپؓ کے فضائل و مناقب بہت ہیں یہاں بہت مختصر طور پر درج کیے گئے جس کو تفصیل درکار ہو اُسے سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلعم کا ذکر مبارک اس سے پیشتر سلسلہ عالیہ قلندریہ میں ہو چکا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سلسلہ نقشبندیہ اور مداریہ کے علاوہ تمام روحانی سلسلے حضرت امیرالمومنین اسداللہ الغالب علی مرتضیٰؓ تک پہنچتے ہیں۔ وہ تمام سلسلے جو ہندوستان، ایران، توران، ترکستان، بخارا و سمرقند، بدخشاں و گیلان اور روم میں مشہور و معروف ہیں سب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتے ہیں اور یہ بات کتاب ملاحظہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خواہ بہ واسطہ شہزادہائے کونین خواہ بہ واسطہ خود نقشبندیہ

اور مدار یہ بھی اسی طرح حضرت علی تک پہنچتے ہیں۔

ضمیمہ اور تتمہ

وہ جس نے تعریف د توصیف کے خوشبودار پودوں اور پھولوں کو اعیانِ ثابتہ اور صورِ علمیہ کے باغبان کی حکمت کاملہ اور قدرت شاملہ کے طریقے (آئین) پر نچھاور کیا۔

اور اس گلدستہ کے آغاز کو مشائخ ہفت سلاسل کے منازل و مقامات کے خوشنما اور رنگین پھولوں سے مزین فرمایا۔ اب اسی کے حسنِ توفیق سے امید ہے کہ اس آغاز کے انجام کو چار پیرانِ گرامی اور ان کے چودہ خانوادوں کی تصویر سے مزین کرے تاکہ راقم بہشت بریں میں اس نعمت کی شکرگذاری کے لیے ہمیشہ ہمیشہ آسودہ رہے۔

جان لیجیے کہ چار پیرانِ گرامی یہ ہیں:۔

اوّل — حضرت قرۃ عینینِ رسولؐ بضعۂ بتول مسموم سم شہادت مقبول رب ذوالمنن حضرت امام حسن علیہ السلام۔

دوم — سبط الرسول فاتح بابِ خلافت من خاتم الولایۃ سند الاولیا و سید الشہدا امام المشرقین حضرت امام حسین علیہ السلام۔

سوم — سید التابعین سند العارفین رضیع ام المومنین حضرت ام سلمہؓ زوجۃ النبیؐ ابو سعید حسن بن ابی حسن البصری

چہارم — امام ہمام علم الاعلام کمیل بن زیاد بن نُہیک بن الہیثم بن سعد بن مالک بن حارث بن صہبان بن سعد بن مالک بن نخع الکوفی۔ جن کو کمیل بن عبداللہ اور کمیل بن عبدالرحمٰن تابعی بھی کہا جاتا ہے اور جو حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔

ان پانچ خانوادوں کی تفصیل جو حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کے ذریعہ خواجہ حسن بصریؒ تک پہنچتے ہیں اور ان دونوں حضرات کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

پہلا خانوادہ زیدیاں :۔ خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ سے منسوب ہے۔

دوسرا عیاضیاں :۔ خواجہ فضیل بن عیاضؒ سے منسوب ہے۔

تیسرا ادہمیاں :۔ خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ سے منسوب ہے۔

چوتھا ہُبیریاں :۔ منسوب ہے خواجہ ہُبیرہ بصریؒ سے۔ آپ خواجہ حُذیفہ مرعشیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں جو حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے خلیفہ ہیں۔ الیٰ آخر السلسلہ خواجہ ہُبیرہ کو ارشاد و تلقین مریداں میں ایک قبولیت حاصل تھی۔

پانچواں چشتیاں :۔ منسوب ہے خواجہ ممشاد علو دینوریؒ سے۔ ان سب حضرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

اب مکرر لکھنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرے نو خانوادے جو حضرت خواجۂ حبیب عجمیؒ کے ذریعہ خواجہ حسن بصریؒ تک پہنچتے ہیں۔

پہلا عجمیاں :۔ خواجہ حبیب عجمی سے منسوب ہے۔ بعضوں کے نزدیک یہی خانوادہ حبیبیہ کے نام سے بھی منسوب ہے۔ حبیب عجمی کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ حضرت حسن بصریؒ کے مرید ہیں۔ آپ نے بہت سے مشائخ سے فیض حاصل کیا اور آپ فارس کے ہیں۔ بعض رسائل خانوادہ میں ہے کہ آپ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائیوں میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت خواجہ کی وفات ۱۵۶ھ (۳ ، ۷ ، ۶) میں ہوئی۔ آپ کا مزار بصرہ میں ہے۔

دوسرا طیفوریاں :۔ سلطان العارفین طیفور شامیؒ سے جو بایزید بسطامی کے نام سے مشہور ہیں، منسوب ہے۔ چونکہ آپ کا نام طیفور تھا لہٰذا آپ کے مریدین نے اپنے نام کے ساتھ طیفوری لگا لیا۔ آپ کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔

تیسرا کرخیاں :۔ خواجہ معروف کرخی سے منسوب ہے۔

چوتھا سقطیاں :۔ خواجہ سری سقطی سے منسوب ہے۔

پانچواں جنیدیاں :۔ حضرت جنید بغدادی سے منسوب ہے۔ ان سب حضرات کا حال رسالہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

چھٹا گاذرونیاں :۔ خواجہ اسحٰق گاذرونی سے منسوب ہے۔ بعض رسالوں میں گاذرونیاں اور اویسیاں دونوں ایک ہی خانوادے لکھے ہیں۔ آپ کا نام خواجہ ابو اسحٰق ابراہیم گاذرونی ہے آپ اصلاً ایرانی ہیں۔ تصوف میں آپ کو شیخ ابو علی حسین بن محمد فیروز آبادی سے نسبت ہے جیسا کہ سفینۃ الاولیاء میں ہے۔ شیخ عبدالنبی نقشبندی رسالۂ خانوادہ میں لکھتے ہیں کہ ابو اسحٰق بن شہریار گاذرونی کے مرید ہیں۔ اُن کے نزدیک گاذرونی اُن کا نام ہے جنھوں نے شیخ حسن وحسین اکابر سے خرقہ پہنا ہے انھوں نے عبداللہ خفیف سے اُنھوں نے جعفر حدّاد سے اُنھوں نے ابو عمر اصطخری سے اُنھوں نے ابو تراب نخشبی سے انھوں نے شقیق بلخی سے انھوں نے ابراہیم ادہم سے انھوں نے موسیٰ بن زید راعی سے اور انھوں نے حضرت اویس قرنی سے۔ فقیر کاتب الحروف کہتا ہے کہ گاذرونی ، نگ سے کسی صاحب کا نام نہیں ہے۔ اسی کو دمیاط عجم بھی کہتے ہیں۔ وہاں ریشمی کپڑے بہت ہوتے ہیں۔ ایک پرانا شہر ہے اور ایک نیا شہر۔ صاحب عجائب البلدان کہتے ہیں کہ ابو اسحٰق ابن شہریار وہیں کے ہیں

بعض اسے گاذران کہتے ہیں بلکہ یہ نسبت ہے گاذرون سے جو شہر فارس کا ایک مشہور گاؤں ہے اور اپنی خوشگوار آب وہوا کے لیے معروف ہے۔ غرضیکہ آپ خواجہ عبداللہ خفیف کے مُرید ہیں۔ آپ کی وفات ذی قعدہ کے ماہ میں ۴۲۶ھ (۱۰۳۵ء) کو ہوئی۔

ساتواں طوسیاں :۔ خواجہ علاء الدین طوسی سے منسوب ہے۔ بعض لوگوں کے مطابق فردوسی اور طوسی ایک ہیں۔

آٹھواں سہروردیاں :۔ شیخ ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن سعد محدث فقیہہ شافعی سہروردی سے منسوب ہے۔ آپ کو اپنے عم محترم شیخ وجیہہ الدین ابوحفص عمر سہروردی سے اُن کو اپنے والد شیخ معمر نجیب الدین محمد بن عبداللہ بن سعد سہروردی معروف بہ ابن عمویہ سے اُن کو شیخ احمد اسود دینوری سے اُن کو ممشاد دینوری سے اور ان کو حضرت جنید بغدادی سے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ آپ کے مرید اپنے کو سہروردی کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ شیخ ابونجیب کے واسطے سے شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔

نواں فردوسیاں :۔ شیخ نجم الدین کبریٰ سے منسوب ہے جو ابونجیب فردوس کے خلیفہ ہیں۔ فردوس یمامہ کے نزدیک بنی یربوع کے ایک باغ کا نام ہے اور کوفہ کے نزدیک قزوین میں ایک قلعہ ہے اور فرادس اس کی جمع ہے اور دمشق وحلب کے نزدیک ایک موضع ہے۔

چودہ خانوادوں کی شاخیں جن کی چودہ اصل ہیں۔

اوّل قادریہ غوثیہ :۔ امام فقیہہ محدث ومحقق قطب الاقطاب فرد الافراد حضرت محی الملۃ والدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلی شافعی حنبلی سے منسوب ہے۔ آپ کا تفصیلی حال "بہجۃ الاسرار" اور "اخبار الاخیار" وغیرہ میں تلاش کیا جائے۔ (حاشیہ) مولف موصوف رضی اللہ عنہ کی کتاب منتطاب الدر المنظم فی مناقب غوث الاعظم حضرت غوث پاک کی سیرت پر دو ضخیم جلدوں میں بہترین کتاب ہے جس پر تمام علماء متفق ہیں۔

دوم یسویہ :۔ خواجہ احمد یسوی سے منسوب ہے جو ترکستان کے شیخ ہیں۔ یہ سلسلہ بھی حضرت جنید بغدادی سے ملتا ہے۔

سوم نقشبندیہ :۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منسوب ہے۔

چہارم نوریہ :۔ شیخ ابوالحسن نوری سے منسوب ہے۔ آپ کا نام احمد بن احمد یا محمد بن محمد بن عبدالصمد بغدادی بغشوری معروف بہ ابن بغوی ہے۔ بغشور ہرات اور مرو کے درمیان ایک شہر کا نام ہے۔ آپ کو نوری اس لیے کہا جاتا ہے کہ وعظ کہتے وقت آپ سے نور کی کرنیں نکلتی تھیں جیسا کہ قاموس میں ہے یا پھر اس وجہ سے کہ جب آپ شونیزیہ کی مسجد میں داخل ہوتے تو وہاں کا چراغ گل ہو جاتا۔ اسے شعرانی نے نقل کیا ہے۔ اور آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے نورِ حق کی طرف دیکھا اچانک میں خود نور عین ہو گیا۔ طبقات شیخ الاسلام میں اسی کا ذکر ہے۔ آپ مرو میں پیدا ہوئے اور بغداد میں پروان چڑھے۔ حضرت سری سقطی کے مرید ہیں اور حضرت ذوالنون مصری کو بھی دیکھا ہے۔ محمد علی قصاب اور احمد بن حواری کی بھی صحبت اٹھائی ہے اور حضرت جنید کے ہم عصروں میں سے ہیں۔ طریقتاً آپ مجتہد تھے۔ مشائخ وقت آپ کو امیر القلوب کہتے۔ آپ کے طریقہ کو نوریہ کہا جاتا ہے اور ان لوگوں کی معاملت جنیدیہ سلسلہ جیسی ہے۔

پنجم خضریہ :۔ خواجہ احمد خضرویہ سے منسوب ہے۔ آپ کی کنیت ابوحامد ہے۔ آپ بلخی الاصل اور حضرت حاتم اصم کے مرید وہ حضرت شقیق بلخی کے اور وہ ابراہیم بن ادہم کے نیز خراسان کے بڑے مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سلطان ابراہیم ادہم، ابوتراب نخشبی اور ابوحفص حداد کو آپ نے دیکھا ہے۔ آپ ملامتیہ طریقہ رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۹۵ سال کی عمر میں ۲۴۰ھ (۸۵۴ء) میں ہوئی۔ مزار شریف بلخ میں ہے۔

ششم شطاریہ عشقیہ :۔ یہ دونوں سلسلے سلطان العارفین تک پہنچتے ہیں۔ متقدمین نے اپنی کتابوں میں اسے طیفوریہ بھی لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن عشقی کی وجہ سے اس کا نام عشقیہ پڑ گیا اور عبداللہ شطار کی نسبت سے شطاریہ۔ بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ صرف یہی سلسلہ ہے جسے شطاریہ اور عشقیہ دونوں کہا جاتا ہے۔ فقیر راقم الحروف کہتا ہے کہ پیرانِ حقیقت نگار اور رہروانِ معرفت گذار نے یہ فرمایا ہے کہ اس خانوادہ کے سرخیل راس الواصلین رئیس المحققین شیخ زمانہ قطبِ وقت مرشدِ زماں عارفِ جہاں ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشاں بسطامی ہیں۔ عشقیہ مشرب درجات فنا و بقا اور منازل صدق و صفا میں دیگر مشربوں کے مقابلہ میں السابقون اولئک

ہم المقربون) کے مثل ہے چنانچہ تلوین و تمکین اور احتجاب و انکشاف، قبض و بسط، منع و عطا، ہست و نیست، تنہائی و ہمراہی، کنج و میدان، خموشی اور گویائی قصہ مختصر یہ کہ تمام متضاد احوال اور متضاد اوصاف اس گروہ کی نظر کیا آتی ہیں، کمالِ اسماء کے مقام یافت پر جو کمال ذاتی کی حقیقت ہے یکساں دکھائی دیتے ہیں۔ اس راستے کے سالک اور اس حلقہ سے وابستہ لوگ بے شمار ہیں۔ یہ لوگ کسی بھی حال کے بند یا کسی بھی مقام کے قید میں مبتلا نہیں ہیں، بلکہ ہر لمحہ ایک نئی شان و شوکت اور ہر گھڑی اوقات کو حیات بخشنا اور طریقۂ زندگی کا آئین مرتب کرنا اس گروہ کے پیروں کی مخصوص روش ہے۔ عراق و عجم، ایران و توران، سب جگہ ان کے مشائخ کے برکات کا وجود چراغِ مصطفویؐ کے فروغ کا وسیلہ ہے۔ خاص طور پر ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء) کے آس پاس اس گروہ کے سرخیل شیخ محمد صادق ماوراءالنہر کے اطراف میں علم رہنمائی و رشد و ہدایت بلند کیے ہوئے اُس زمانہ کے تمام فضلاء و مشائخ کے قبلہ گاہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام مریدین و طالبین آپ کی صحبت بابرکت سے سرمایۂ ولایت اور سامانِ کمال حاصل کرتے اور ان اعزہ کرام میں سے جس والاصفات نے ہندوستان کے تاریک کدہ میں جس رہنمائی اور جمال ہدایت افزائی کو اللہ نور السماوات والارض کے مطابق فروغ دیا وہ ذاتِ خورشید صفات حضرت شاہ عبداللہ شطّاری ہیں۔ حسام الدین عبداللہ بن رشید الدین بن ضیاءالدین بن نجم الدین بن جمال الدین حمّاد بن عمر معروف بہ شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی جنھوں نے نویں صدی ہجری میں زمین ایران سے ہندوستان کے باشندوں کی رہنمائی کی خاطر قدم میمنت لزوم اٹھائے۔ آپ کی تشریف آوری سے طرح طرح کے اذکار و اشغال اور اعمال ابرار و اخیار اور دعاہائے ماثورہ کے نت نئے طریقے طالبینِ حق کو اُن کی استعداد کے مطابق تلقین فرمائے۔ قلم نے کسی جگہ بھی شطاریہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک حرف بھی واضح نہیں لکھا۔ لیکن کرشمۂ شاہد فصلِ ثانی کی عبارت میں لطیفۂ غیبیہ میں اُن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں قدرے رقمطراز ہیں۔ اُس عبارت کا لبّ لباب یہ ہے کہ اُمتِ محمدی اور ملتِ احمدی علیٰ صاحبہا افضلُ من الصلوٰۃ و اکملُ من التحیات کے خداشناس حضرات راہِ سلوک میں تین مشربوں پر ہیں۔ اخیار، ابرار، شطّار اور ان تینوں گروہوں میں سے ہر ایک اپنا اپنا عمل ورد۔ ذکر و شغل فکر کشف و قرب الگ الگ طریقوں سے کرتا ہے اور اُسی طریقہ کی تعلیم اپنے طالبین کو حسبِ استعداد فرماتا ہے۔ چاہیئے کہ قول مبارک علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کے مطابق جو فرق مراتب انبیاء علیہم السّلام کے درمیان قرآن پاک کے مطابق ہے اُسی

کی روشنی میں اس گروہ کی بھی رعایت کریں اسی لیے فرق و اختلاف کو اعتقاداً اُن کی ولایت کے اقرار میں جگہ نہ دیں اور رسولوں پر ایمان مطابق لا نفرق بین احد من رسلہ کے مطابق اُن پر بھی قیاس کریں تاکہ شریعت کا ایمان طریقت کے وصف سے فراہم ہو اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کے زمرہ میں اعتبار قرب، وحی و کتاب معجزات اور عزم اور اولوالعزمی اور کثرت و قلتِ اُمت میں فرق کرتے ہیں۔ اسی طرح اس گروہ کی فضیلت جو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں بہ اعتبار سُرعت و سیر اور راہِ سلوک میں ریاضت و عبادت بہ سبب اُن کے احوال و درجات و مقامات و خطابات اعیانِ ثابتہ کے تقاضہ سے مبداء و معاد کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اسے آیۂ کریمہ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض (اُن رسولوں میں سے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے) کے مطابق بہ طیب خاطر قبول کیا جاتا ہے۔ اندیشۂ خیال کے آئینہ میں اس کا عکس اس طرح پڑ رہا ہے کہ اس گفتگو سے مُراد ان کی منازل طریقت میں تیز گامی ہے جس کا علم اللہ کو ہے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کی اسی روش کی وجہ سے اُن کو اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مشرب کے بعض اکابرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ گروہ بغیر ظاہری صحبت و ملازمتِ جسمانی کے بزرگوں کی ارواح طیبہ سے جو بارِ پیکر سے سبکدوش ہیں فیضیاب ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے۔ لہٰذا اس معنوی نسبت کی سُرعت خرامی کے سبب جس سے وہ عالم مرکبات طے کرتے ہیں شطار لقب پایا۔ ایک وجہ اور بھی ہے کہ ہندوستان کے شطاریہ سلسلہ کے کُل مشائخ شاہ عبداللہ شطاری سے فیضیاب ہیں اور شیخ عبداللہ شطاری صدیقی بخاری شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے بنائر (پوتوں) میں سے ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی اعتبار سے صاحب شوکت و سطوت اور اپنے عہد کے مرشد طریقت تھے۔ سلسلہ شطاریہ کے جو مخصوص اذکار و اشغال ہیں اُس میں آپ منفرد تھے۔ اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی شخص طالب جسے میں اللہ تک پہنچادوں جب آپ مجلس میں بیٹھتے تو ہر سمت نگاہ دوڑاتے اور فرماتے کہ یہاں تختۂ سیاہ جس سے مراد وہ طالب علم ہیں جو شک میں مبتلا اور بد اعتقاد ہیں نہ ہونا چاہیئے تاکہ اللہ کی باتیں کی جائیں۔ سلسلۂ شطاریہ کے اذکار و اشغال و مراقبات میں آپ کا رسالہ بہت مشہور ہے۔

رسالہ مذکورہ کے شروع میں ہی آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اپنی نسبت کا ذکر فرمایا ہے کہتے ہیں کہ آپ کی ارادت کا سلسلہ پانچ واسطوں سے شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہنچتا ہے۔ جب کوئی طالبِ حق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اُس کے عقل و ہوش کا امتحان یوں فرماتے کہ روٹی سالن کے ساتھ اُس کے پاس بھیجتے اور کسی کو مقرر فرماتے کہ دیکھتے رہو کہ وہ روٹی سالن کے ساتھ برابر کھاتا ہے یا اُس میں کوئی ایک چیز

بچ جاتی ہے۔ اگر برابر برابر کھاتا تو آپ اُس کی فراست و دانائی جان لیتے اور اذکار و اشغال باطنی میں سے کسی کی تعلیم فرماتے اور اگر یہ دیکھ لیتے کہ دونوں میں سے ایک چیز اس نے چھوڑی تو اِسے اُسی کی بے خبری اور بے اعتدالی پر محمول فرماتے اور کوئی دعا یا وظیفہ ظاہری اُسے تعلیم فرماتے۔ آپ کی مزار شریف منڈو میں صُفّۂ سنگین سے جنوب کی سمت مقبرہ خلجیان میں واقع ہے۔ شطاریہ اور نقشبندیہ سلسلوں میں اتنا ہی فرق ہے کہ سلسلۂ شطاریہ ائمۂ اطہار کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم تک پہنچتا ہے۔ اور نقشبندیہ سلسلہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی تک پہنچتا ہے جو حضرت سلطان العارفین بایزید بُسطامیؒ کی روح مبارکہ سے فیضیاب ہیں۔ شاہ عبداللہ شطاری کا لقب حضرت اعلیٰ ہے۔ حسام الدین بن رشید الدین بن ضیاء الدین بن نجم الدین بن جمال الدین بن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمہم اللہ اجمعین۔ آپ شیخ محمد عارف کے خلیفہ ہیں جو شیخ محمد عشقی کے خلیفہ ہیں وہ اپنے والد ماجد شیخ خدا قلی ماوراء النہری کے وہ شیخ ابوالحسن خرقانی عشقی کے وہ مولٰنا ابوالمظفر ترک کے وہ شیخ ابویزید اعرابی کے وہ شیخ محمد مغربی کے وہ سلطان العرفا شیخ ابویزید بُسطامی کے قدس اللہ اسرارہم۔ اسی وجہ سے اس سلسلہ کو ایران و توران میں عشقیہ اور روم میں بسطامیہ کہتے ہیں۔ علم دعوت اور طریقۂ اذکار و اشغال جو تمام سلاسل میں رہنمائی کی اصل و بنیاد ہیں اُن میں سے کُل کو اس سلسلہ نے اختیار کیا ہے۔ رسالۂ لطیفہ غیبیہ جو آپ کی تصنیف ہے جسے سلطان غیاث الدین خلجی امیر مالوہ کے نام سے معنون کیا ہے اُس رسالہ میں اسرار توحید و اطوار مواجید حقائق الٰہی طریقۂ شاہی اور نکات طریقت و حقیقت اس طرح سموئے ہیں کہ وعلمناہ من لدنا علما (ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم عطا کیا) کی دلیل بین ہیں۔ جسے دیکھ کر فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو) یاد آتا ہے۔ رسالۂ مذکورہ مشائخ طریقت کی ہدایت کا وسیلہ ہے گویا کہ صفحۂ خاطر کو لوح محفوظ بنا لیا ہے تاکہ اصحاب ظاہر و باطن دونوں اُس سے فیضیاب ہوں اور رحمۃٌ للعالمین کے منشاء کے مطابق اپنی خلافت کو درست ثابت کریں۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ نفی و اثبات کے ذکر کی تلقین پورے طور سے ایک مردِ کامل کے ذریعہ مجھ تک پہنچی۔ جس زمانہ میں میں بخارا میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ شیخ مظفرؔ کتابی خلوتی اپنے خلوت کدہ واقع نیشاپور میں صوفی کو تین روز میں خلوت خانۂ خدا تک پہنچا دیتے ہیں۔ فوراً میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جیسا کانوں سے سُنا وہ حقیقت کی نگاہوں سے دیکھ لیا۔ کچھ روز تک میں اُن کی خدمت بابرکت میں رہا اور

ذکر نفی و اثبات پر عامل رہا۔ یہ ذکر انھوں نے شیخ ابراہیم عشق آبادی سے انھوں نے سید نظام الدین حسین سے انھوں نے شیخ محمد خلوتی سے اور انھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے حاصل کیا۔ اُس کے بعد خراسان و عراق کی سیاحت کرتے ہوئے آذر بائیجان پہنچا وہاں میں نے سید علی موحد کی خدمت حاصل کی اُن کو میں نے شریعت وطریقت و حقیقت میں زیورِ کمال سے آراستہ پایا۔ اُن کی صحبت بابرکت سے مجھے بڑے فوائد حاصل ہوئے اُن کو شیخ زین الدین خوافی سے اجازت تھی۔ آپ کا واسطہ چار واسطہ سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔ ۸۹۰ھ (۱۴۸۵ء) میں آپ ترک تعینات فرماتے ہوئے خلوت کدۂ لاتعین کو روانہ ہوئے۔ آپ کی آرامگاہ مانڈو میں سلاطین خلج کے گنبد کے جنوبی سمت واقع ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ شاہ صاحب لباس سلطانی و درویشی زیب تن فرماتے ہوئے اپنا جھنڈا بلند کیے اور اسی طمطراق کے ساتھ جہاں پیمائی کرتے ہوئے خود بھی فیضیاب ہوتے رہے اور دوسروں کی بھی فیض رسانی فرماتے رہے جس جگہ بھی تشریف لے جاتے وہاں کے مشائخ کے پاس پیغام بھیجتے کہ ایک فقیر اسی آرزو میں سارے عالم میں گھومتا پھر رہا ہے کہ اگر کوئی کلمۂ توحید کی معنویت کو اس سے بہتر سمجھتا ہے تو اسے سکھادے ورنہ اس مسافر سے توحید کا خزانہ حاصل کرے کیونکہ سعادت کے اسباب کے ساتھ فرصت بڑی مشکل سے ملتی ہے قصہ مختصر یہ کہ جب آپ بنگال پہنچے تو حسب معمول اپنا پیغام شیخ محمد علا عرف قاضی شطاری کو پہنچایا انھوں نے جواب دیا کہ اس قسم کے پیغام خراسان و عراق و فارس سے بہت آتے رہتے ہیں۔

اُس زمانہ میں سلطان غیاث الدین خلجی چتوڑ کا قلعہ گھیرے ہوئے تھا۔ شاہ صاحب اُسی راستہ سے لوٹتے ہوئے قلعہ کے پاس پہنچے اور سلطان سے ملاقات کی۔ چند ہی روز بعد بلا وہم وگمان آپ کی توجہ باطنی سے قلعہ کھل گیا۔ سلطان نے آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور آپ کو اپنے سے پہلے دارالسلطنت روانہ کیا۔ بیان کرتے ہیں کہ اُسی کے قریب شیخ محمد علا چلہ میں بیٹھے تھے ایک رات اُن کے والد ماجد نے فرمایا کہ اے علا تمھارا کشود کار اس ریاضت سے نہیں ہوگا بلکہ اُسی خراسانی "خرافات بکنے والے" کے ذمہ ہے۔ مجبوراً آپ بڑی دقت سے سفر کر کے منڈو پہنچے اور بادشاہ کے دروازہ پر تین روز تک کھڑے راستہ دیکھتے رہے چوتھے دن صبح شاہ صاحب باہر ٹہلتے تشریف لائے اور آپ کی آزمائش کی غرض سے بڑی سرزنش کی اُس کے بعد آپ کو تعلیم فرمائی اور کچھ عرصہ بعد خلافت سے سرفراز کیا۔ اس سلسلہ کے پیروؤں کو شطاری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ راہِ سلوک میں یہ دوسرے خانوادوں کے مقابلہ میں بہت تیز گامی برتتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ

اُن کا پہلا قدم دوسرے درویشوں کا آخری قدم ہے۔ ایک روز وہ اس معمہ جیسی بات کے حل کے جیسا ال
ہیں غلطاں و پیچاں تھے جب اس گروہ کے اذکار و اشغال سے واقفیت حاصل ہوئی اور صوفیاء کے
دوسرے گروہوں سے اس کا موازنہ کیا تو اس کے سوا اور کوئی فرق نظر نہ آیا کہ شطاریہ مشرب میں صوفی
خود کو عین ذات سمجھتے ہوئے درجہ بدرجہ عالم تعینات سے مرکز خاک تک نزول کرتا ہے اور دوبارہ اس
نزول سے عالم الٰہ کی طرف عروج کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ کے مشائخ کی یہ روش ہے کہ شروع میں طالب
درجہ بدرجہ عالم ناسوت سے مرتبۂ وحدت وجود تک ترقی کرتا ہے اور اُس مقام سے تعین پذیری کے طریقہ
سے ہر تعین میں اُس کے رنگ میں آکر مُلکِ شہادت کا سفر کرتا ہے۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں اول یہ کہ پہلا
قدم حضرت ذات سے آغاز سلوک ہے اور انتہا مرتبۂ احدیت کی سیر ہے۔ غرض یہ کہ یہ سلسلہ ہندوستان
میں خواجہ عبداللہ شطاری سے ہے جو شیخ محمد عارف کے مُرید اور خلیفہ ہیں وہ شیخ محمد عشقی کے، وہ ابو المظفر
ترکی طوسی کے، وہ شیخ بایزید عشقی کے وہ محمد مغربی کے اور وہ حضرت بایزید بُسطامی کے۔

ساتواں بُخاریہ :۔ یہ سلسلہ سادات حسینی سے منسوب ہے جو بارہ اماموں کے واسطہ سے
جناب امیر علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ سید جلال بخاری کا لقب مخدوم جہانیاں ہے۔ آپ علم، ولایت اور
سیادت کے جامع ہیں آپ کے جد بخارا سے ہندوستان آکر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مُرید ہوئے۔
آپ صحیح النسب اور جلیل القدر سادات میں سے ہیں اور علوم ظاہری و باطنی میں طاق۔ آپ کے تین صاحبزادے
(۱) سید احمد کبیر (۲) سید بہاء الدین (۳) سید محمد تھے۔ سید احمد کبیر کے ہونہار اور لائق و فائق
دو صاحبزادگان تھے ایک اپنے دور کے غوث و قطب اور شیخ المشائخ، مخدوم جہانیاں کے زمانہ میں
تھے اور دوسرے صاحبزادے سید راجو قتّال بھی بڑے اولیاء اللہ میں تھے۔ اگرچہ مخدوم جہانیاں
کی ظاہری و باطنی تربیت آپکے والد ماجد نے فرمائی لیکن آپ شیخ رکن الدین بن صدر الدین بن شیخ
بہاء الدین زکریا ملتانی ؒ کے مُرید تھے۔ آپ کو مخدوم جہانیاں اس لیے کہتے ہیں کہ عید کے دن آپ حضرت
شیخ بہاء الدین اور شیخ صدر الدین کے روضہ پر حاضر ہوئے اور اپنی عیدی طلب کی۔ آواز آئی کہ
اللہ تعالیٰ نے تم کو مخدوم جہانیاں بنایا ہے اور یہی تمھاری عیدی ہے۔ جب آپ شیخ رکن الدین کے روضہ پر
حاضر ہوئے تو وہاں سے بھی یہی آواز آئی۔ باہر تشریف لانے کے بعد سب لوگ آپ کو مخدوم جہانیاں کہنے لگے۔

آپ سے بہت سی کرامتیں سرزد ہوئیں۔ مخدوم صاحب حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد آخر زمانہ میں ایک واقعہ کی وجہ سے ہندوستان آئے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے شرف نیاز حاصل کیا اور حضرات چشت کا خرقہ امتبرک پہنا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک رات سرور کائنات صلعم کی مجلس مبارکہ میں آپ باریاب ہوئے۔ اتفاقاً حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی اور سید صاحب ایک دوسرے کے پہلو میں کھڑے تھے۔ شیخ جلال بخاری اس طرح کھڑے تھے کہ سید صاحب کا کاندھا شیخ صاحب کی طرف تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سید جلال ہوشیار ہو اور ادب سے کھڑے ہو کہ میرا بھائی شیخ محمود کھڑا ہوا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر یہ شیخ محمود کو پہچانتے ہوتے تو ادھر اُدھر نہ پھرتے۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ سید جلال نے بہت سے بزرگوں سے نعمت و برکت حاصل کی اور مشہور ہے کہ آپ جس سے بھی معانقہ فرماتے اُس سے نعمت حاصل کر لیتے۔ یعنی اس کی ایسی خدمت کرتے کہ وہ بے اختیار ہر نعمت عطا کر دیتا۔ تاریخ محمدی میں لکھا ہے کہ آپ نے پہلے خرقہ اپنے عم محترم شیخ صدر الدین بخاری سے پہنا اُس کے بعد کلاہِ ارادت اور خرقۂ مبارک شیخ الاسلام سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ مطری سے حرم شریف نبوی میں پہنا دو سال تک اُن کی خدمت میں رہ کر کتاب عوارف اور سلوک کی دیگر کتابیں پڑھیں۔ طریقت اور ذکر کی تلقین حاصل کی بعد ازاں شیخ عفیف الدین نے فرمایا کہ تمھاری مقراض دانی گاذرون میں موقوف ہے چنانچہ جب سید صاحب گاذرون میں پہنچے تو شیخ الاسلام امین الدین کے بھائی شیخ امام الدین نے فرمایا کہ شیخ امین الدین نے وصال کے وقت سے مجھ سے وصیت فرمائی تھی کہ سید جلال بخاری مجھ سے ملنے کے لیے ملتان سے آرہے تھے راستہ میں شیطان نے انھیں رغلا دیا کہ شیخ امین الدین کا وصال ہو چکا ہے یہ سُن کر سید جلال بخاری مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے واپسی میں جب گاذرون ہوتے ہوئے لوٹیں تو اُن کو میرا سلام کہنا اور میرا سجادہ اور قینچی اُن کے حوالہ کر کے میرا خلیفہ و مجاز مقرر کر دینا چنانچہ شیخ امام الدین نے ایسا ہی کیا۔ سید السادات نے وہاں اُن سے بہت کچھ حاصل فرمایا اور واپس ہوئے۔ شیخ الاسلام رکن الحق والدین سے خرقۂ مبارک پہن کر سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز ہو کر سیوستان کی خانقاہ محمدی میں جلوہ افروز ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد سب کچھ چھوڑ کر کعبہ شریف کا سفر کیا۔

آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے۔ سلطان فیروز کے زمانہ میں اُچھ کی سرزمین سے دہلی کئی بار آئے۔

سلطان فیروز آپ سے بڑا خلوص و اعتقاد رکھتا تھا۔

مخدوم جہانیاں کو حضرات سلسلۂ عالیہ قادریہ سے بے حد محبت تھی چنانچہ آپ خزانۂ جلالی میں ارشاد فرماتے ہیں "حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضؓ فرماتے ہیں طوبیٰ لمن رأنی ولمن رأی من رأنی ولمن رأی من رأنی (مبارک ہے وہ شخص جس نے میری زیارت کی اور وہ بھی جس نے اس کی زیارت کی جس نے میری زیارت کی اور وہ بھی جس نے اُس کی زیارت کی)۔ آپ قطب اور صادق ہیں۔ اس فرمان سے مجھے بڑی امیدیں وابستہ ہیں کہ اس کلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھ پر رحمتِ خاص فرمائے گا۔ اس سلسلہ کے بعد جو ایک واسطہ سے شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے الگ ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں کی زیارت کی اور انہوں نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اور انھوں نے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضؓ کی۔

نقل ہے کہ ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے اس جگہ اچانک آگ لگ گئی۔ آپ نے ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لے کر حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضؓ کا نام نامی بلند آواز سے لے کر آگ پر پھینک دی چنانچہ آگ فوراً ہی بجھ گئی۔ تکملۂ فارسی جو تمام ممالک میں بہت مشہور ہے آپ ہی کے مریدین میں کسی نے امام عبداللہ یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ کیا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت جمعہ کے دن شب برأت کے روز ۷۰۷ھ (۱۳۰۸ء) میں ہوئی اور آپ کی وفات غروب آفتاب کے وقت چہارشنبہ کے روز دس ذی الحجہ ۷۸۵ھ (۱۳۸۴ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف اٹھتر برس تین ماہ چھبیس دن ہوئی۔ مزار اُچھ (ملتان) میں ہے۔ مخدوم جہانیاں کو چشتیہ سلسلہ کی اجازت حضرت شاہ نور قطب عالم پنڈوہ سے ہے۔ مخدوم جہانیاں کے خلفاء میں سید راجو قتال بھی ہیں جنھوں نے شیخ سارنگ سے اور انھوں نے حضرت معین الدین سے اجازت خلافت پائی جو شاہ مینا لکھنوی کے نام سے مشہور ہیں۔ شیخ سعد خیرآبادی وغیرہ نے بھی اُن سے خلافت حاصل کی ہے۔ مخدوم جہانیاں سے آپ کے صاحبزادے سید محمود نے خلافت پائی۔ اُن سے سید برہان الدین بخاری غریب اللہ عرف شاہ عالم اور شاہ منجھن بخاری نے خلافت پائی۔ کہا جاتا ہے کہ مخدوم اخی جمشید کو حضرت شاہ بوعلی قلندر سے رشد و ہدایت حاصل ہوئی۔ حضرت مخدوم صاحب دراصل لکھنؤ کے اطراف کے قدوائیوں میں سے تھے جنھیں بادشاہ کی طرف سے منصب ملا تھا لیکن اُسے چھوڑ کر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔

مخدوم صاحب کی وفات ۱۰ ارشوال المکرم ۸۰۹ھ (۱۴۰۷ء) میں چہار شنبہ کے روز ہوئی۔ سید شرف الدین مشہدی اپنے رسائل میں لکھتے ہیں کہ مخدوم صاحب کو چار سو چار بزرگوں سے خلافت عطا ہوئی۔ چنانچہ ان میں سے جن کی تصدیق ہوئی ہے وہ درج کیے جا رہے ہیں۔ پہلے تو اپنے والد ماجد سید کبیر بخاری سے۔ یہ سلسلہ آپ کے آباؤ اجداد سے ہوتا ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے۔ دوسرے اپنے عم اکرم سید محمد بخاریؒ سے۔ تیسرے شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ سے، یہ دونوں خانوادے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ تک پہنچتے ہیں۔ چوتھے شیخ الاسلام محمود شاہ تستریؒ سے جن کا مقام بیدالشں ملکِ فارس ہے۔ مخدوم صاحب نے ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) میں جس وقت شاہ صاحب کی عمر ایک سو تیس سال تھی خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور کتابِ "عوارف" مقدمہ سے لے کر خاتمہ تک آپ سے پڑھی۔ انھوں نے "عوارف" مصنفِ کتاب سے پڑھی تھی۔ اس خانوادہ کا سر رشتہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک پہنچتا ہے۔ پانچواں امام عبداللہ یافعیؒ سے اور اس شجرہ نے ابومدین مغربیؒ سے فیض حاصل کیا۔ چھٹے شیخ عبداللہ عیلیؒ سے، ساتویں شیخ نورالدین علی بن عبداللہ طرابلسیؒ سے یہ دونوں اسناد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتی ہیں۔ آٹھویں عالم روحانی میں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے نویں شیخ قطب الدین منور سے، دسویں مولانا شمس الدین یحییٰ اودھیؒ سے۔ گیارھویں نصیر الاولیاء چراغ دہلیؒ سے اور یہ چاروں چمن خواجہ معین الاولیاء چشتی اجمیریؒ سے کھلے ہوئے اور شگفتہ ہیں۔ بارہویں شیخ رکن الدین بلخیؒ سے۔ یہ سلسلہ شیخ عبداللہ خفیف شیرازیؒ اور سلطان ابراہیم ادہمؒ سے ہوتا ہوا حضرت اویس قرنیؓ پر ختم ہوتا ہے۔ تیرھویں سید جلال اجویؒ سے، یہ سلسلہ شیخ نجم الدین کبریؒ سے منور ہے۔ چودھویں سید حمید الدین محمود چشتی سمرقندیؒ سے۔ یہ خانوادہ خواجہ مودود چشتیؒ تک پہنچتا ہے۔ پندرھویں شیخ نجم الدین اصفہانیؒ سے، یہ خانوادہ شیخ ابوبکر نساجؒ تک پہنچتا ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔ ان کے علاوہ اور بہت سی خلافتیں ہیں جن کی تصدیق نہ ہو سکی۔ ایک دوسری روایت میں تعداد سو سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ سید شرف الدین مشہدی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ تقریباً چار سو چالیس رہنمایانِ دارین سے مخدوم صاحب فیضیاب ہو کر خلعت حاصل فرما چکے ہیں۔

شیخ قوام الدین بھی مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کا مقبرہ شہر لکھنؤ میں واقع ہے۔ شیخ سارنگ شروع میں سلطان شاہ فیروز کے حکام میں سے تھے۔ شہر سارنگ پور جو ہندوستان میں بہت مشہور ہے آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔ آخر میں جذباتِ عنایاتِ حق تعالیٰ نے آپ کو منتخب فرمایا تو پہلے آپ شیخ قوام الدین

کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید ہوئے شغلِ باطن کا طریقہ اور ذکرِ خفی کی تعلیم آپ سے حاصل کی اُس کے بعد سفرِ حجاز کا ارادہ فرمایا مدت تک شیخ یوسف ایرجی کے حلقۂ صحبت میں رہ کر علوم طریقت کا استفادہ کیا اور آخر میں شیخ راجو قتال نے جتنی امانتیں اور خرقہ وغیرہ پیرانِ عظام سے حاصل کیا تھا کُل بغیر کسی طلب کے شیخ سارنگ کے گھر بھجوادیں۔ شیخ نے اُن سب کو واپس کر دیا۔ انھوں نے دوسری مرتبہ پھر اُن تبرکات کو واپس بھیجا۔ شیخ حسام نے جو سلسلۂ سہروردیہ کے بڑے بزرگ ہیں شیخ سارنگؒ کو اُنھیں قبول کرنے پر آمادہ کیا تب انھوں نے قبول فرمایا۔ شیخ مینا لکھنؤ شہر کے صاحبِ ولایت ہیں آپ کا نام نامی شیخ محمد ہے۔ آپ بچپن سے ہی شیخ قوام الدین کے سایۂ تربیت وعنایت میں پروان چڑھے اور شیخ سارنگ کے مرید ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ قوام الدین کے شیخ محمد نام کے ایک بیٹے تھے جنھیں شیخ مینا کہا جاتا تھا۔ مینا کے معنی اُن اطراف میں معزز و محبوب کے لیے جاتے ہیں۔ اُن شیخ محمد مینا بن شیخ قوام الدین نے نفسانی خواہشات کی بنا پر بادشاہوں میں سے ایک کی خدمت میں رہنا شروع کیا۔ چونکہ اس زمانہ کے اکثر بادشاہ اُن کے والد ماجد کے مُرید تھے لہٰذا اُن کی خدمت میں بار یاب ہوئے لیکن شیخ صاحب اپنے بیٹے سے ناراض ہو گئے۔ انھوں نے بہت چاہا کہ والد کی خوشنودی حاصل کریں لیکن میسر نہ ہوئی۔ آخر میں ارادہ کیا کہ وطن واپس آکر شیخ صاحب کے قدموں پر گر کر معافی مانگ لیں اِسی ارادہ کے تحت وطن واپس ہوئے اُن کے واپس آنے کا بڑا شہرہ ہوا جب شیخ نے سُنا تو فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے سامنے آئے۔ اُسی روز وہ بیمار پڑے اور عالم فانی کو رحلت کی۔ شیخ قطب نام کے ایک درویش شیخ قوام الدین کی خدمت میں مخصوص تھے آپ نے اُن سے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تمھارے ایک بیٹا ہو جس کا نام محمد مینا ہو اور جو میرے بیٹے کا نعم البدل ثابت ہو چنانچہ جب شیخ مینا کی ولادت ہوئی تو شیخ صاحب نے اُنھیں بیٹے کی طرح پرورش کیا اور توجہ خصوصی سے نوازا۔ ایسا کہ وہ آپ کے بیٹے کہلائے۔ شیخ مینا مجرد تھے اور دنیا سے مجرد ہی سدھارے۔ سلوک کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدے کیے۔ آپ کا تفصیلی حال آپ کے ملفوظ اور مخدوم شیخ سعد کی تصانیف سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت شاہ مینا صاحبؒ کا مزار لکھنؤ میں بہت مشہور و معروف ہے۔

آٹھواں سلسلہ زاہدیہ :۔

یہ سلسلہ خواجہ بدر الدین زاہد سے منسوب ہے بعض رسائل میں ہے کہ زاہدیہ حضرات بھی

حضرات جنیدیہ میں داخل ہیں۔ اس کا نام حضرت شیخ فخر الدین زاہد سے زاہدیہ پڑا۔ شیخ کی قبر میرٹھ میں ہے لیکن راقم الحروف کے نزدیک سلسلۂ زاہدیہ شیخ بدر الدین زاہد سے ہے۔ آپ حضرت فخر الدین زاہد کے مرید اور خلیفہ ہیں جو شیخ شہاب الدین زاہد کے خلیفہ وہ صدر الدین سمرقندی کے وہ حضرت عبدالسلام کے وہ حضرت عبدالکریم کے وہ حضرت قطب الدین عبدالمجید کے وہ خواجہ اسحٰق گازرونی کے وہ حسین مروزی کے وہ ابو محمد رویم کے اور وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

نواں سلسلہ انصاریہ :۔

یہ سلسلہ شیخ عبداللہ انصاری سے جن کی کنیت ابو اسمٰعیل ہے منسوب ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام ابو منصور محمد الانصاری اور لقب شیخ الاسلام ہے۔ نفحات میں جس جگہ بھی شیخ الاسلام لکھا ہے اس سے آپ ہی مراد ہیں۔ آپ اپنے والد ماجد کے مرید ہیں آپ کی اصل ہرات سے ہے۔ آپ حضرت ابو منصور انصاری ابن حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے مشہور صحابی تھے۔ ابو منصور حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں احنف بن قیس کے ساتھ خراسان آئے اور ہرات میں بس گئے۔ آپ کا شمار بزرگ محدثین صاحبِ مقامات بلند اور کرامات ارجمند و یگانۂ روزگار ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ جمعہ کے دن غروب آفتاب کے وقت ۲ شعبان المعظم ۳۹۶ھ (۱۰۰۶ء) ہے۔ آپ کی وفات پچاسی سال کی عمر میں ۹ ربیع الآخر ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء) کو ہوئی۔ مزار گازرگاہ ہرات میں واقع ہے۔

دسواں سلسلہ صفویہ :۔

یہ سلسلہ شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی سے منسوب ہے جو شیخ زاہد ابراہیم گیلانی کے مرید، خلیفہ اور داماد ہیں۔ وہ سید جمال تبریزی کے وہ شیخ الشیوخ سہروردیؒ کے وہ شیخ رکن الدین سجاسی کے وہ قطب الدین ابہری کے وہ ابو نجیب سہروردی کے۔ یہ حضرت جنید بغدادیؒ پر ختم ہوتا ہے۔

گیارھواں سلسلہ عیدروسیہ :۔

یہ سلسلہ سید عبداللہ عیدروس یا عیدروس سے (جو ایک شہر کا نام ہے) منسوب ہے۔ ان کو اجازت خلافت اپنے والد ماجد محمد بن علی سے ان کو اپنے والد علی بن علوی سے ان کو اپنے والد علوی بن محمد سے ان کو اپنے والد سے جن کو "فقیہہ مقدم التربۃ" کہا جاتا ہے (یعنی مقبرہ میں پہلے ان کی

زیارت کی جاتی ہے اُس کے بعد تمام سادات کرام کی اسی لیے آپ کو مقدم کہا جاتا ہے) اُن کو شیخ ابومدین سے۔ شیخ ابومدین کو دو واسطوں سے سلسلہ پہنچا ہے ایک شیخ عبداللہ صالح مغربی اور دوسرے شیخ عبدالرحمٰن مغربی سے۔ شیخ ابومدین نے طریقت اور خرقۂ خلافت اپنے شیخ ابویعزا سے حاصل کیا انھوں نے شیخ علی بن حرزم سے انھوں نے فقیہہ، حافظ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد معافری سے جو ابوبکر بن العربی اندلسی الاشبیلی معافری سے منسوب ہیں۔ انھوں نے حجۃ الاسلام امام غزالی سے۔ اس زمانہ کی تحقیق مولف کے رسالہ "تنویرالافق" فی شرح تبیین الطریق (یہ رسالہ مع اصل متن اور اردو ترجمہ از حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ خلف اوسط حضرت مولف طبع ہو چکا ہے) سے ہو سکتی ہے۔ اُن کو عبدالملک سے اُن کو اپنے والد ابومحمد عبداللہ بن یوسف جوینی سے جوین جو نیشاپور کے کنارے ہے ان کو شیخ ابوطالب مکی سے جو "قوت القلوب" کے مصنف ہیں۔ ان کو محمد بن علی بن عطیہ حارثی سے ان کو شیخ ابوبکر شبلی سے ان کو ابوالقاسم جنید بغدادی سے آخر تک۔ شیخ عبدالقادر عیدروس نے اس سلسلہ کے اکثر مبہم ناموں کو کتاب "نفحات القدوسیہ فی الخرقۃ العیدروسیہ" میں درج کیا ہے۔ یہ طبقہ عقائد میں اہلسنت والجماعت اور فقہ میں امام شافعیؒ کے پیرو ہے۔ سلوک میں جو کچھ احیاء میں درج ہے۔ میں نے اتنا کچھ سلسلہ کی ندرت و جدت کے خیال سے لکھا ہے۔

بارھواں سلسلہ قلندریہ :۔

یہ سلسلہ شاہ حیدر قلندرؒ اور حسین قلندر بلخیؒ سے اور ہندوستان میں سید خضر رومیؒ سے منسوب ہے۔

تیرھواں سلسلہ اویسیہ :۔

یہ سلسلہ خیر التابعین تجرید و تفرید میں حضرات صوفیہ کے سرگروہ اور ان کی پسندیدہ سیرتوں کے قائد حضرت اویس بن عامر یا عمر قرنی یمنی مقیم کوفہ سے منسوب ہے۔ قرن نسبت آپ کے اجداد میں کسی ایک سے ہے نہ کہ قبیلۂ اہل نجد سے جیسا کہ صاحب صحاح کا خیال ہے اور ایسا ہی صاحب صراح نے لکھا ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں موجود تھے لیکن دو وجہوں سے آپ خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ایک تو اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کے سبب دوسرے کمالِ غلبۂ محبت و حال کی وجہ سے۔ آپ اونٹ ہانکنے کا پیشہ فرماتے اور اس سے اپنا اور اپنی والدہ کا خرچ چلاتے تھے۔ آنحضرت صلعم سے کمال محبت کی وجہ سے جب آپ کو معلوم ہوا کہ جنگِ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا

ہے تو چونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ کونسا دانت شہید ہوا ہے لہٰذا آپ نے اپنے تمام دانت شدتِ غم میں توڑ ڈالے۔ چونکہ پیغمبرؐ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ جا کر اویس کو پہنچا دینا اور کہہ دینا کہ میری اُمت کے حق میں دعا کریں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو وہ خرقہ لے کر آپ کے پاس بھیجا اور اُمتِ محمدی کے لیے دعا کے طالب ہوئے۔ حضرت اویس قرنی کا آنحضرت صلعم سے اخذِ طریقت پر (روحانی طور پر) تمام اکابرین متفق ہیں البتہ بعض حضرات کے نزدیک اُن کا آنحضرت صلعم تک بذاتِ خود پہنچنا ثابت ہے چنانچہ قشاشی کہتے ہیں وقد نقل عن اویس القرنی انہ حضر مع رسول اللہ صلعم واقعۃ احد وانہ قال واللہ ماوطیٔ ظھر رسول اللہ صحتی وطی ظھری وما کسرت رباعیۃ حتی کسرت رباعینی انتھی (منقول ہے کہ حضرت اویس قرنی جنگِ اُحد میں آنحضرت صلعم کے ساتھ موجود تھے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں بخدا جیسے ہی رسول اللہ صلعم کی پشت مبارک جھکی تو میری بھی پشت جھک گئی اور جیسے ہی حضورؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے میں نے بھی اپنے دانت توڑ ڈالے) گو کہ یہ کلام شک سے خالی نہیں لیکن اُن کا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ملنا یقینی ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ قسطلانی کہتے ہیں "بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت اویس قرنی کو خرقۂ خلافت حضرت علیؓ سے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عطا ہوا اور یہ مستند ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ملا علی قاری اپنے موضوعات میں متکلمین کے ارشادات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اسی طرح خرقہ کی نسبت حضرت اویس قرنی سے اس طرح ہے کہ وہ اُن تک حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے ذریعہ رسول کا فرستادہ پہنچا۔" راقم کے نزدیک ملا علی قاری کا یہ قول غیر مسلّم ہے کیونکہ امام ابوالفتوح طاؤسی نے اپنے رسالہ "جمع الفرق لرفع الخرق" میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے دونوں خلفاء یعنی حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی کہ وہ حضرت اویس قرنی سے ملاقات کریں اور تبلیغ اسلام کے لیے اُن کی دعاؤں سے برکت حاصل کریں اور خرقہ عطا کیا کہ یہ حضرت اویس کو پہنا دیں۔ محدث فارسی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنیؓ کو میدان عرفات میں حضرت علیؓ کی موجودگی میں خرقہ پہنایا اور حضرت علیؓ نے ان کو چادر اوڑھائی بعد میں جنگ صفین میں دوبارہ پہنایا اور ان دونوں حضرات کو رسول اللہؐ نے پہنایا تھا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ خرقہ پہنانے کا مطلب صرف پہننا ہی نہیں ہے بلکہ اُس سے مقصد ولایت و تصرف اور تبرک ہے۔ اور حضرت اویسؓ کی روایت حضرت علیؓ

سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے مقدس نام ہیں۔ اسی کو سُلمی، قُشیری اور بعض دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ آپ کی وفات کے بارے میں "شواہد النبوت" میں اس طرح درج ہے کہ آپ اکذربائیجان ایک غزوہ میں تشریف لے گئے وہیں آپ کا وصال ہوا لوگوں نے آپ کی قبر کھودنا چاہی ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اُس پر آپ کی قبر کا کندہ تھا اور لحد کھدی ہوئی تیار تھی۔ اُن لوگوں نے آپ کے کفن کے لیے انتظام کرنا چاہا تو ایسا کپڑا حاصل ہوا جو انسانی ہاتھ کا بُنا ہوا نہ تھا اُسی سے آپ کا کفن تیار کیا گیا اور اُسی قبر میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ "کشف المحجوب" اور "تذکرۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے آپ کی تاریخ وفات ۳ رجب ۲۲ھ (۶۴۳ء) اور دوسرے قول کے مطابق ۳۷ھ (۶۵۷ء) ہے۔ امام عبداللہ یافعی نے روض الریاحین میں یہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔

چودھواں سلسلہ مداریہ:۔

یہ سلسلہ حضرت بدیع الدین مدارؒ سے منسوب ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔

تمام شد

ضروری خانوادے اور دوسرے سلسلے جن کے نام اس میں نہیں آسکے اُن کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ سلسلہ عُلاویہ شیخ میر ابوالعُلا اکبرآبادی سے منسوب ہے جو خواجہ کبیر کی روحانیت سے مستفیض ہیں۔ سلسلہ رحیمیہ کے شیخ امام ابو محمد عبدالرحیم بن احمد بن حجون بن احمد بن محمد بن جعفر بن اسمٰعیل بن جعفر الذکی بن محمد بن مامون بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ سلسلہ سعیدیہ کے شیخ امام فقیہہ عارف ابو سعید قیلوی امام حسینؑ کی اولاد سے ہیں۔ حافظ شطنوفی کی کتاب "بہجۃ الاسرار" میں یہی درج ہے۔ سلسلہ رفاعیہ کے شیخ فقیہہ احمد بن رفاعی شافعی کاظمی حسینی ہیں جن کی نسبت قاضی القضاۃ جمال الدین ابو المحامد یوسف التادفی الربعی الانصاری الحنبلی سے ہے "قلائد الجواہر فی مناقب الامام عبدالقادرؒ" میں آپ کے پوتے نے یہی نقل کیا ہے۔ ابن خلکان کا قول ہے کہ اس سلسلہ کو ایک عرب سے نسبت ہے جن کا نام رفاعہ ہے۔ شعرانی اور سبکی بھی یہی کہتے ہیں کہ احمد بن علی بن احمد بن یحییٰ بن حازم بن علی بن رفاعہ۔ سلسلہ بدویہ کے امام سید ابوالعباس احمد بن علی بن ابراہیم بن محمد بن ابی بکر مقدسی الشافعی البدوی ہیں، حافظ ابن حجر نے اسے روایت کیا ہے۔ شعرانی اپنی "طبقات" میں لکھتے ہیں کہ آپ کی شہرت مصر، شام،

حجاز، یمن، ہندوستان، روم اور مغرب میں ہے۔ آپ کی تعریف سے قاصر ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۶۷۵ھ (۱۲۷۶ء) میں ہوئی۔

سلسلۂ علائیہ کے امام علاء الدین سمنانی ہیں۔ حافظ ابن حجر اپنی کتاب "درر کامنہ فی احوال اعیان المأۃ الثامنہ" میں علاء الدولہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ آپ نے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی اور علم میں ماہر ہوئے پھر توبہ اور انابت کی بعد ازاں خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ صدرالدین بن حموی، سراج الدین قزوینی اور امام الدین علی بن مبارک بکری وغیرہ آپ سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد تین سو سے زائد ہے۔ شیخ ابراہیم کردی کی 'مسالک الابرار' میں بھی یہی لکھا ہے۔

سلسلۂ شاذلیہ کے امام حضرت نورالدین ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار شریف حسن مغربی شاذلی اور سلسلۂ ہمدانیہ کے امام سیّد علی ہمدانی حسینی ہیں۔

اُن الفاظ کا بیان جن کا جاننا مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے

تِلمسانی :۔ ت اور ل کے زبر اور میم کے جزم کے ساتھ۔ عرب کا ایک شہر ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

بِجائی :۔ جایہ سے منسوب ہے۔ ب کے زیر کے ساتھ۔ مغرب کا ایک شہر ہے۔

صِنہاجی :۔ صنہاجہ سے منسوب ہے۔ ص کے زیر کے ساتھ۔ منسوب ہے ایک قوم سے جو مغرب میں صنہاجۃ الحمیری کی اولاد میں ہے۔

طرابلسی :۔ طرابلس سے منسوب ہے جو مغرب کا ایک شہر ہے۔

قیروان :۔ مغرب کا ایک شہر ہے۔

تُستَر :۔ کنجذب کے وزن پر ایک شہر ہے۔

کوزبازی :۔ باب نیشاپور کا ایک گاؤں جو بخارا کے راستہ میں ہے۔

قرمیسین :۔ دینور کے قریب ایک گاؤں کرمان شاہان کا معرب۔ قاموس میں ایسا ہی ہے۔

اِخمیم :۔ مصر کا ایک شہر۔

نخشب :۔ ماوراء النہر کا ایک شہر اور اسے نسف بھی کہا گیا ہے جیسا کہ طبقات السبکی اور قاموس اور مدینۃ العلوم میں ہے۔ ابوتراب نخشبی اسی جگہ کے رہنے والے تھے جن کی وفات ۲۴۵ھ (۸۵۹ء) میں ہوئی۔

ابن جلّاد :۔ ایک بہت بڑے صوفی تھے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

نبّاجی :۔ منسوب ہے نباج سے۔ بدوِ نجرا کا ایک

گاؤں جو مکہ معظمہ کی نصف راہ پر واقع ہے۔

عَنسی :۔ عنس بن مالک سے منسوب ہے جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے۔

دارانی :۔ داریہ سے منسوب ہے۔ دمشق کے قریب کا ایک گاؤں ہے۔

جعفی :۔ جعف بن اسعد عشیر ابوحی یمنی سے منسوب ہے۔

بُرجلانی :۔ پیش کے ہمراہ واسطہ کا ایک گاؤں اور بُرجلانیہ بغداد کا ایک محلہ ہے۔

رُوذبار :۔ ر کے زبر واؤ کے جزم کے ساتھ جیسا کہ طبقات سبکی میں ہے۔

دقّاق :۔ بمعنی آٹا بیچنے والا۔ شیخ ابوعلی کا لقب ہے کیونکہ وہ آرد فروش تھے جیسا کہ منتخب میں ہے۔

وَہرہ :۔ واؤ کے زبر کے ساتھ۔ یوسف بن حسین کے دادا کا نام۔ جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے۔

بُوذنجردی :۔ ہمدان کا ایک گاؤں ہے۔

محاسبی :۔ م کے پیش اور ح کے زبر اور سین مہملہ کے ساتھ۔ ابوحارث مُحاسبی سے منسوب کیوں کہ آپ اپنے نفس کے محاسب تھے۔ ایسا ہی تاریخ ابن خلکان میں ہے اور سمعانی کہتے ہیں کہ آپ اسی لیے اس نام سے منسوب ہوئے۔

سَمّاک :۔ س کے زبر م کے تشدید کے ساتھ۔ مچھلی کا کاروبار اور شکار کرنے والا۔ اور ایسا ہی تاریخ ابن خلکان میں ہے۔

خُنَیش :۔ ایک مُکَرَّم نام ہے۔ جامع الاصول میں س کے ساتھ ہے۔

آملی :۔ منسوب ہے آمل سے۔ جو طبرستان کا ایک شہر ہے۔

سَرخَس :۔ س اور ر کے زبر کے ساتھ۔ خراسان کا ایک بڑا شہر ہے۔

راجہ :۔ ہندی زبان میں بادشاہ کے معنی ہیں۔ سید حامد شاہ کو راجہ کہا جاتا کیونکہ ان کے آباؤ اجداد مانک پور ریاست کے راجہ تھے۔

اَودھ :۔ الف، واؤ کے زبر اور دال کے ہمزہ کے ساتھ۔ پورب کا ایک بڑا شہر اور ہندوستان کا ایک صوبہ۔

سادات بخاریہ :۔ ایک قبیلہ جو جعفر بن علی بن رضا کی اولاد میں ہے۔

راجو :۔ ہندی نام بمعنی بادشاہ۔ مشتق ہے راج سے۔

قتّال :۔ ریاضت و مجاہدۂ نفس کرنے کی وجہ سے

چراغ دہلی :۔ حضرت نصیرالدینؒ کا لقب کیوں کہ آپ دہلی کے صاحب ارشاد تھے۔

قُشیری :۔ ق کے پیش، ش کے زبر کے ساتھ۔ بنو قُشیر سے نسبت ہے جو عرب کے ایک قبیلہ سے منسوب ہے۔

دمیاط:۔ د کے زبر یا ذ کے زیر ساتھ۔ مصر کا ایک شہر ہے۔

کُوران:۔ کٗ عجمی کے ساتھ ایک قبیلہ کا نام کُرد قبیلوں میں سے۔

بُرغُش:۔ ب کے پیش کے ساتھ نام ہے۔

عمُّویہ:۔ ع مہملہ کے پیش م کی تشدید کے ساتھ بہ قول محل نظر ہے مثل راہویہ کے جو ایک بزرگ کا نام ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اَخی فرج:۔ ایک بزرگ کا نام۔

زنجانی:۔ ز کے زبر ن کی جزم، ج اور الف کے زیر کے ساتھ۔ منسوب ہے زنجان سے جو ایک شہر ہے۔

خُلدی:۔ بغداد کا ایک محلّہ

تہر جوری:۔ نیشاپور کا ایک محلہ، اصفہان کا ایک گاؤں بھی جوج کے زبر اور و کے زیر کے ساتھ ہے جیساکہ منتخب میں ہے۔

سُوسی:۔ مغرب کا ایک شہر ہے سوسن یا ایک شہر ہے سونس، جہاں حضرت دانیال کا مزار ہے۔

طاؤسی:۔ نسبت ہے طاؤس تابعی سے۔

جُورفان:۔ ج کے پیش و کے جزم کے ساتھ۔ ہمدان کا ایک گاؤں۔ جیساکہ صاحب منتہی الارب لکھتے ہیں۔

خیوقی:۔ خوارزم کا ایک شہر۔ شیخ نجم الدین کبریٰ اسی جگہ کے ہیں۔

مَراغی:۔ آذربائیجان کے ایک شہر مراغہ سے منسوب ہے۔

فاروث:۔ بہ وزن فاروق، واسط اور بصرہ کے درمیان کا ایک گاؤں۔

زَوادی:۔ زوادہ سے منسوب جو افریقہ کے ایک قبیلہ کا مسکن ہے۔ ایسا ہی یافعی کا قول ہے۔

وَہط:۔ و کے زبر، ہ کے جزم کے ساتھ۔ عدن کے نزدیک ایک گاؤں۔

اُسروشنہ:۔ سمرقند کے عقب کا ایک شہر بلاد ماوراء النہر میں سے۔

مرباط:۔ محراب کے وزن پر۔ ہندوستان کے ساحل کا ایک شہر ہے۔

بَہنسی:۔ ب کے زبر، ہ کے زبر کے ساتھ۔ مصر کا ایک شہر۔

چُبرغان:۔ جیم فارسی۔ بلخ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر واقع ایک شہر۔

عزیزاں:۔ تعظیم کا لفظ جیسے میراں، شاہ وغیرہ۔

جزرہ:۔ صالح بن محمد الحافظ کا لقب۔

جرتی:۔ ج کے زیر، ر کے جزم کے ساتھ۔ صنعا کا ایک گاؤں۔

لخمی:۔ منسوب ہے لخم سے۔ مالک بن عدی کا نام۔

جیساکہ ابن خلکان نے ترجمۃ الطبرانی میں کہا ہے۔
اور کھجور کی پتیاں بیچنے والا جیساکہ منتخب میں ہے۔
خوّاص :۔ زنبیل بُننے والا۔ لقب ہے ابراہیم ثانی ایک بزرگ کا۔
دِمشق :۔ د کے زیر، م کے زبر کے ساتھ۔ مشہور شہر جو دمشاق بن کنعان نبیرۂ حضرت نوحؑ کا بنایا ہوا ہے۔
عَسقلان :۔ ع کے زبر کے ساتھ۔ شام کے ایک شہر اور بلخ کے ایک گاؤں کا نام ہے۔
ہَروی :۔ ہرات سے منسوب۔ خُراسان کا ایک شہر اور فارس کا ایک گاؤں جیساکہ قاموس میں ہے۔
فِربر :۔ ف کے زیر، ر کے زبر اور ب کے جزم کے ساتھ۔ بخارا کا ایک گاؤں۔
نہروالہ :۔ گجرات کا ایک شہر
ساوُجی :۔ ساوہ سے منسوب جو عراقِ عجم کا ایک شہر ہے۔
مَروزی :۔ م کے زبر، ر کے جزم، و کے زبر سے۔ منسوب ہے مرو سے جو خراسان کا ایک شہر ہے۔
ترمذ :۔ خراسان کا ایک شہر۔
کروخ :۔ ک کے زبر، ر کے پیش کے ساتھ۔ ہرات کے اطراف کا ایک دیہات۔
ہمذان :۔ ہ اور ذال کے زبر کے ساتھ عراق عجم کا ایک شہر تعمیر کردہ ہمذان بن فلوج بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ہمدان اس کا معرب ہے۔
فرغانہ :۔ ماوراء النہر کے شہروں میں سے ایک مشہور شہر جو بلاد ترک میں ہے۔
نیشاپور :۔ خراسان کے ایک شہر کا نام۔
اِسفرائن :۔ خراسان کا ایک مشہور شہر جہاں کے اکابرین میں سے ابوالفتوح محمد بن فضل اسفرائینی تھے۔
جاجرم :۔ خراسان کا ایک شہر۔
جُرجان :۔ ایک بڑا شہر ملک استرآباد کا۔
بیہق :۔ نیشاپور کے نزدیک ایک شہر۔
جام :۔ خراسان کا ایک مشہور شہر۔
خوافی :۔ نیشاپور کا ایک شہر۔
ستاباد :۔ طوس کا ایک گاؤں۔
عُرنہ :۔ عرفات کا ایک مقام جو جائے وقوف نہیں ہے۔
دامغان :۔ ایک مشہور شہر اقلیم چارم ملک سے ملک قہستان۔
سُہرورد :۔ زنجان کے قریب ایک شہر جہاں کے شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں۔
نہروان :۔ بغداد کے قریب کا ایک گاؤں۔
کاشان :۔ ایک شہر کا نام۔
اصفہان :۔ ایک بڑا شہر جو بہت مشہور ہے۔
انطاکیہ :۔ روم کے نزدیک ایک بڑا شہر جس کا

دور بارہ میل کا ہے جس میں پہاڑ اور نہریں ہیں۔

حمص :۔ ایک مشہور شہر۔ نزہتہ القلوب کے مصنف کے مطابق یہ چوتھی اقلیم سے ہے۔

تبریز :۔ ایک معتبر کتاب کے مطابق اس شہر کو زبیدہ خاتون زوجۂ ہارون رشید نے بنوایا۔ بعد میں یہ شہر زلزلہ میں برباد ہوگیا اور خلیفہ متوکل عباسی نے اس کی تعمیرِ نو کرائی۔

اردبیل :۔ شیخ صفی الدین اردبیلی کا مسکن۔ اس کے باہر ایک بہت ورنی پتھر بیس من کے قریب ہے۔ جب شہر والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی اس پتھر سے بارش کے قطرے جاری ہو جاتے لیکن شرط یہ تھی کہ اس پتھر کو شہر سے باہر لے جاتے۔

قزوین :۔ عراق عجم کا ایک شہر۔

نہاوند :۔ پیش کے ساتھ۔ ایک بہت پرانا شہر جو حضرت نوح ع کا بنایا ہوا ہے اس کا اصل نام نوح آوند ہے جو کثرت استعمال سے نہاوند ہوگیا۔

ارمینیہ :۔ ایک مشہور شہر جہاں درخش کا آتشکدہ ہے۔

اندلس :۔ مغرب کا ایک عظیم ملک۔

سبزہ :۔ اندلس کا ایک شہر جو ساحل سمندر پر واقع ہے۔

قونیہ :۔ روم کا ایک بڑا شہر۔ شیخ صدرالدین قونوی اسی جگہ کے ہیں۔

کاشغر :۔ ممالک شرقیہ کا ایک مختصر شہر۔

بوسنج :۔ ہرات کا ایک شہر جسے اب قوسنج کہتے ہیں۔ پشنگ کا معرب ہے جو ترمذ کا ایک گاؤں ہے۔

شنیز اور شونیز :۔ بغداد کا ایک قبرستان۔

شاش :۔ ماوراالنہر کا ایک شہر۔

شوش :۔ موصل کے قریب کا ایک موضع اور قلعہ ہے۔

شہرزور :۔ زور بن ضحاک کا تعمیر کردہ شہر۔ شمس الدین محمد شہرزوری صاحب تاریخ الحکماء یہیں کے رہنے والے ہیں۔

عکّار :۔ ایک قبیلہ کا نام۔

حِمیَر :۔ ح کے زیر، میم کے سکون اور ی کے زبر کے ساتھ۔ سبا کا ایک قبیلہ۔

حیری :۔ ح کے زیر کے ساتھ۔ حیرہ سے منسوب۔ جو نیشاپور کا ایک محلہ ہے۔

ثور :۔ بنی مذر کا ایک قبیلہ جہاں کے حضرت سفیان ثوری رح ہیں۔ اور ایک غار کا بھی نام ہے جہاں آنحضرت صلعم ہجرت کی رات چھپے تھے۔ اور آسمان کے ایک برج کا بھی نام ہے۔ مدینہ کے قریب کا ایک چھوٹا پہاڑ کوہِ اُحد کے مقابل۔

شاذلی :۔ شاذلہ سے منسوب۔ مغرب کا ایک گاؤں۔ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی وہیں کے ہیں۔

باخرزی :۔ منسوب ہے باخرز سے جو نیشاپور کا

ایک گاؤں ہے جو گاؤں اور مزارع پر مشتمل ہے۔ شیخ سیف الدین باخرزی اسی جگہ کے ہیں۔

حافی :۔ حضرت بشر حافی کا لقب۔ آپ کو حافی اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دن آپ جوتا ٹکوانے موچی کے پاس گئے اُس نے کہا کہ تم کو دوسرے لوگوں سے زیادہ تکلیف ہے اُسی وقت جوتے پھینک کر قسم کھائی کہ جوتا نہ پہنیں گے لہذا بشر حافی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

احرار :۔ حُر کی جمع بمعنی آزاد۔ یہ لقب ہے خواجہ عبیداللہ نقشبندی کا جس کے معنی اللہ کے حقیر بندہ کے ہیں اس کے تدارک کے لیے احرار کا لقب عطا ہوا۔

بنور :۔ سہرند کے قریب کا ایک شہر۔

سمعان :۔ خواجہ ابو یوسف چشتیؒ کے والد کا نام۔

نساج :۔ بمعنی کپڑا بننے والا۔ لقب حضرت خیر نساج کا۔

کیلوکھری :۔ دہلی کے قریب کا ایک گاؤں۔

بروی :۔ ایک موضع کا نام

قیلوی :۔ قیلہ سے منسوب جو صنعا کا ایک قلعہ ہے۔

ممشاد :۔ اصل نام محمد شاد ہے جو کثرت استعمال سے ممشاد ہو گیا۔

قُشیر :۔ ہوزان کا ایک قبیلہ۔

ہوازن :۔ بنی قیس کا ایک قبیلہ۔

اِصطخر :۔ ایک شہر کا نام جو دارا بن داراب کا تعمیر کردہ ہے۔

کجھندوی :۔ کجھندہ سے منسوب۔ دریائے گنگا کے لب پر واقع ایک قصبہ بلگرام سے چار کروہ کے فاصلہ پر۔

سجاس :۔ ہمدان اور ابہر کے بیچ ایک شہر کا نام۔

وصل

جاننا چاہیئے کہ حضرات صوفیہ کے احوال، ان کے افعال واقوال، اُن کے رسوم وعلوم اور معارف ومکاشفات سب کے سب انبیاء، مرسلین، صدیقین، صحابۂ کرام وحواریین کے افعال کے پرتو ہیں۔ علماء اہلسنت نے اس بارے میں مختلف کتابیں اور رسالے لکھے ہیں اور صوفیائے کرام کا کوئی بھی فعل ایسا نہیں جس کی اصل اور جس کی خبر حدیث شریف میں نہ ہو۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے وقت صوف کی ہی چادر صوف کا ہی لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ اور حضرت خاتم النبیینؐ بھی صوف ہی زیب تن فرماتے۔

ابن ابی شیبہ اور احمد سندِ صحیح میں عبید بن عمیر سے راوی ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ اُون کا لباس پہنتے اور درختوں کے پتّے نوش فرماتے۔ جس جگہ بھی رات ہو جاتی سو رہتے اور رات کا کھانا دوسرے دن صبح کے لیے نہ رکھتے اور فرماتے کہ روزانہ کا رزق آتا رہتا ہے۔ احمد اور ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ اونی لباس پہنتے، درختوں کے پتّے نوش فرماتے اور آج کا رزق کل کے لیے جمع نہ کرتے جس جگہ بھی ہوتے رات بسر کر لیتے نہ کوئی لڑکا جس کی موت پر غمگین ہونا پڑتا اور نہ کوئی گھر جس کی ویرانی کا خیال سرگرداں ہوتا۔ ابی شیبہ ابن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ ؑ سے پوچھا کہ آپ کیا کھاتے ہیں؟ فرمایا "جَو کی روٹی" عرض کیا کہ کیا پہنتے ہیں؟ فرمایا "صوف" عرض کیا کہ کیا بچھاتے ہیں فرمایا "زمین"۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا کہ ہرگز ملکوت سماوات تک رسائی نہ ہو سکے گی جب تک کہ ان لذّات کو ترک نہ کرو گے۔ احمد عطاء ارزق سے روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ ؑ فرماتے ہیں "اے گروہ حوارین جَو کی روٹی کھاؤ اور زمین کی گھاس بھوس اور اپنے کو گیہوں کی روٹی اور خالص پانی سے الگ رکھو کیونکہ تم میں سکت نہیں کہ اس پر شکرانہ ادا کر سکو اور جان لو کہ دنیا کی حلاوت آخرت کی تلخی اور اس کی تلخی آخرت کی حلاوت ہے۔ ابن عساکر انس بن مالک رضؓ سے اور سعید بن ہلال اور طحاوی بسند جیّد ابن مسعود رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام صوف پہنا کرتے تھے۔ حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام لباسِ صوف کو سب سے عمدہ سمجھتے تھے اور حدیث میں ہے کہ لَبِسَ النبیؐ المرقعَ (نبیؐ نے صوف زیب تن فرمایا) چنانچہ ابوالشیخ نے کتاب اخلاق النبیؐ میں اور ابن عساکر نے ابو ایوب انصاری رضؓ سے آنحضرت صلعم کے لباس صوف زیب تن فرمانے کو روایت کیا ہے۔ ترمذی، حاکم، بیہقی، مغیرہ، ابن ماجہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ کان یلبس الصّوف (آپؐ صوف زیب تن فرماتے) ابوذر رضؓ سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے سب سے افضل لباس زمین والوں کے لیے لباسِ صوف ہی ہے۔ شیخین سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس ایک لباسِ صوف تھا جسے آپ زیب تن کرتے ہوئے فرماتے کہ میں بندہ ہوں لہٰذا بندوں کا لباس پہنتا ہوں۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے جو باوجود قدرت کے عمدہ لباس پہننا ترک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حُلّۂ کرامت پہنائے گا۔ ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت

صلعم نے فرمایا البذاذۃ من الایمان (لباس میں انکساری کرنا ایمان کی علامت ہے)۔ احمد، حاکم، بیہقی اور معاذ نے شعب الایمان میں مستند روایات میں کہا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "اے معاذ اپنے کو مالداری سے دور رکھو کیونکہ اللہ والے مالدار نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے جَو کی روٹی سے بھی مسلسل دو روز تک پیٹ نہ بھرا۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ بخاری اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ اس عالم سے تشریف لے گئے اور جَو کی روٹی بھی شکم سیر ہو کر نہ کھائی۔ ابن ابی شیبہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں آپ رضؓ فرماتی ہیں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ ایک مہینہ مسلسل ہمارے گھر میں آگ جلی ہو۔ عمر رضؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلعم کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ ایک نرکل کے بوریہ پر آرام فرما ہیں۔ میں بیٹھا اور میں نے دیکھا کہ سوا ازار کے اور حضورؐ کے جسم پر دوسرا کپڑا نہیں ہے اور آپؐ کے دونوں پہلوؤں پر بوریہ کے نشانات موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضؓ رو دیے۔ آپؐ نے فرمایا "اے عمر کیوں روتے ہو" عمر رضؓ نے عرض کیا کہ "اے اللہ کے نبیؐ مجھے آپ کے جسم اقدس پر پڑے ہوئے نشانات دیکھ کر رونا آرہا ہے کہ قیصر و کسریٰ تو دنیا کے عیش و آرام لے رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی ہونے کے بعد ایسی حالت میں مبتلا ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ہمارے لیے آخرت ہو اور ان کے لیے دنیا"۔ حدیث شریف ہے کان لا یدخر شیئًا لغدٍ (آپؐ کوئی چیز کل کے لیے اٹھا کر نہ رکھتے)۔ یہ بھی حدیث ہے فرمایا کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم مسافر ہو یا راہ گیر) حدیث ہے کہ کان یصلی حتی تتورم قدماہ (آپؐ اتنی عبادت فرماتے کہ قدمہائے مبارک پر ورم ہو جاتا)۔ اس طرح کی احادیث اور صحابہ و تابعین کے احوال بے شمار ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب بدر میں سے ستّر سے میں ملا ہوں جن کا لباس صوف تھا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ حضورؐ کا فقر اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا چنانچہ ابو امامہ رضؓ سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں بطحا کو سونے سے پاٹ دوں۔" آپؐ نے عرض کیا "نہیں اے میرے رب! بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ایک روز میں پیٹ بھروں اور دوسرے روز بھوکا رہوں کیونکہ جب بھوکا رہوں گا تو تیرے سامنے گڑگڑاؤں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب آسودہ ہوں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری حمد و ثنا کروں گا۔" خانقاہ صوفیہ کی سند صُفّہ مصطفویہ سے ہے جس میں ترکِ لذّات

اور توکل کے اسباب کی پیروی ہے۔ کتاب و سنت میں اس بارے میں خاص طور پر بہت کچھ آیا ہے۔
کتاب و سنت کے بعد جیسا کہ احمد اور ابن ماجہ نے حضرت عمرؓ سے اس بارے میں ایک حدیث ذکر کی ہے "صرف ترک لذات اور صوف پوشی ہی تصوف نہیں بلکہ تصوف ایک عمل ہے مثل حال اور محل کے مطابق جس وقت فعل کا تقاضا ہو عمل میں لائے اور جس وقت ترک کا تقاضا ہوا اُسے ترک کردیا۔ اور صوفیہ نے کسی چیز کو ترک نہیں کیا ہے بلکہ بالخصوص عمل کیا ہے۔ ابن مبارک وکیع امام احمد حارث محاسبی اور ابو نعیم کی اس سلسلہ میں تصانیف ہیں چنانچہ معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ صوفیہ کے رسوم اور اسم تصوف حضورؐ، صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں نہ تھا قابلِ قبول نہیں ہے یہ اُس پر پوشیدہ نہیں ہے جو علم پر عبور رکھتا ہو۔

وصل

جاننا چاہیئے کہ بیعتِ صوفیہ کے لیے حدیث شریف سندِ جیّد عبادہ بن صامت سے موجود ہے جس کے لیے محدثین نے "باب البیعت علی التمسک بحبل التقویٰ" (بیعت کا باب تقوے کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے میں) قائم کیا ہے اور تمام اقسام بیعت کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے ہجرت اور جہاد وغیرہ کے لیے بیعت لی ہے۔ اسی طرح ایک جماعت نے برجع اسناد سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک بار فقراءِ مہاجرین سے ترکِ سوال پر بیعت لی۔ چنانچہ اگر کسی شخص کا کوڑا گھوڑے سے گر جاتا تو وہ خود گھوڑے سے اُتر کر کوڑا اٹھاتا اور کسی سے سوال نہ کرتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلعم سے جو بھی فعل سرزد ہوا وہ عبادت ہے لہٰذا یہ فعل عین سنّتِ نبویؐ ہے۔ آنحضرت صلعم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نائب اور اپنی اُمت کے معلّم اُن کے نفوس کا تزکیہ فرمانے والے تھے لہٰذا آنحضرت صلعم نے جو بھی خلافت کے لیے کیا آپ کے خلفاء کا وہ عمل بھی سنّت ہے اور تعلیم و تزکیۂ نفس کے لیے جو بھی آپ نے عمل فرمایا وہ بھی عین سُنّت ہے لہٰذا صوفیہ کی بیعت عینِ اسلام ہے علماءِ راسخین پر۔ پس مروجہ بیعت صوفیہ کی جو ہے وہ اقامتِ ارکانِ اسلام میں داخل ہے۔ اور یہ کہنا کہ اس قسم کی بیعت اُس زمانہ میں خلوت میں ہوتی تھی نہ کہ جلوت میں۔ حضرت جنیدؒ کے زمانے سے یہ

بیعت علانیہ ظاہر ہوئی اس چیز کو حضرت مرشدی (شاہ تراب علی قلندرؒ) اور قشاشی کے کلام "سمط المجید فی شان البیعت والذکر وتلقینہ وسلاسل اہل التوحید" میں دیکھنا چاہیئے۔ بخاری شریف میں "اذا جاء کم المومنات" کے باب میں روایت کیا ہے۔

"مجھ سے حدیث بیان کی اسحٰق نے ان سے یعقوب بن ابراہیم نے اُن سے ابن شہاب نے اُن سے عروہ نے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ اُن عورتوں کا امتحان لیتے جو مومن ہو کر ہجرت کر کے آئی تھیں یہ آیۂ کریمہ پڑھ کر آخر آیت غفور رحیم تک۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جو عورت ان شرائط کا اقرار کر لیتی حضورؐ فرماتے میں نے تمھیں بیعت کر لیا۔ لیکن بخدا آپ نے کسی عورت کا ہاتھ نہ چھوا۔ بیعت میں علاوہ اس قول کے کہ "قد بایعتك" (میں نے تمھاری بیعت لے لی) اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے علاوہ مردوں سے بیعت ہاتھ میں ہاتھ لے کر لی جاتی جیسا کہ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ امام بخاری "باب بیعت النساء" میں کہتے ہیں:

"ہم سے حدیث بیان کی محمود نے اُن سے عبد الرزاق نے اُن سے معمر نے اُن سے زہری نے اُن سے عروہ نے اُن سے عائشہؓ نے فرماتی ہیں کہ نبی صلعم بیعت لیتے عورتوں سے اس آیت کے ذریعہ لا یشرکن باللہ شیئًا (اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی) اور حضورؐ نے کسی عورت کے وقتِ بیعت ہاتھ نہ لگایا سوا اُن کے جو آپ کی ملک تھیں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں حدیث عائشہؓ میں لکھتے ہیں کہ قسم تاکید خبر کے واسطے ہے اور حضرت عائشہؓ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ کبھی بیعت میں مصافحہ ایک کپڑے کے ذریعہ اور کبھی ہاتھ پانی میں ڈال کر لیکن کبھی کسی عورت کے ہاتھ نہ لگایا۔ اور بیعت صغیر کے بارے میں۔ احمد اور بخاری نے ابو عقیل زہرہ بن معبد اور اپنے دادا عبد اللہ بن ہشامؓ سے روایت کیا ہے کہ اُن کی ماں زینب بنت حمید رسول اللہؐ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسے بیعت میں لے لیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ چھوٹا ہے یعنی اس پر بیعت کبیر کے احکام نہیں نافذ ہوں گے آپ نے اُس کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور اُس کے لیے دعا فرمائی۔

عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ بیعت اُس کے لیے لازم نہیں جس کے لیے احکام اسلام نہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صغیر کی بیعت اُن کے آباء و اجداد کی بیعت

کے سبب لازم ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے حضور صلعم سے بیعت کی جبکہ حضور انور صلعم کے وصال کے وقت اُن کی عمر محض آٹھ برس تھی۔ قشاشی کہتے ہیں کہ صغیر کی بیعت کبیر کی طرح نہیں ہوتی۔ صغیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر اور کبیر سے مصافحہ و اقرار کے ذریعہ بیعت لی جاتی۔ طبرانی نے معجم کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر نے حضورؐ سے بیعت کی جبکہ یہ سب چھوٹے تھے عاقل اور نہ بالغ۔ لہٰذا یہ قول صغیر کی بیعت کے جواز کے لیے بہت کافی ہے۔

ذکر کے فضائل

شمائل الاتقیا میں لکھا ہے کہ شیخ عثمان مغربی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فاذکروا اللہ ذکراً کثیراً (اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو)۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تم مُفردین کے پیشواؤں کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مفردین کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو اللہ کے ذکر سے ہر وقت خوش و خرم ہیں جس کی برکت سے اُن کے گناہ ہلکے کر دیئے جائیں گے اور وہ لوگ قیامت کے روز بالکل ہلکے پھلکے حاضر ہوں گے۔ ترجمۂ قشیری میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اُمت کو وہ عطا نہ فرمایا جو آپؐ کی اُمت کو عطا فرمایا۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا وہ کیا۔ عرض کیا۔ اللہ نے فرمایا اذکرونی اذکرکم (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا)۔ ذکر کے بڑے بڑے فوائد ہیں ایک تو یہ کہ جس شخص کے دل و جان پر ذکر اللہ ہوٗ کا غلبہ ہو جاتا ہے اُسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی موانست اور ہمنشینی کی دولت میسّر ہو جاتی ہے فرمایا انا جلیس من ذکرنی (میں اس کا ہمنشیں ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے)۔ دوسرے یہ کہ جب ذکر کرنے والا حقیقتِ ذکر تک پہنچ جاتا ہے تو حالتِ ذکر میں اُس کے دانتوں میں شہد سے زیادہ مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں جب ذاکر اللہ کے ذکر سے جو خاصّہ دل ہے ذکرِ روح یعنی ہوٗ تک پہنچتا ہے تو وہ اپنی ہستی کھو بیٹھتا ہے اور اسی کو عالمِ فنا کہتے ہیں۔ اُس کی کوئی بھی حرکت نفسانی یا جسمانی نہیں رہتی بلکہ سب ربّانی ہو جاتی ہیں۔ "کونوا ربّانیّین" (ربانی ہو جاؤ) میں یہی بھید پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد پھر ایسی حالت نصیب ہوتی ہے کہ اُس کے دل میں سیری پیدا ہوتی ہے اور اُسے بقا حاصل ہوتی ہے۔ یہ غیبی

رسر ہے اس مقام پر وہ اللہ کو اپنی طرف مخاطب پاتا ہے۔ ذکر تین قسم کا ہے۔ تقلیدی، معنوی اور حقیقی۔

تقلیدی کا یہ مطلب ہے کہ عوام بغیر شیخِ کامل کی تلقین کے اختیار کریں زبانی یعنی کلمۂ طیب پڑھیں۔

معنوی خواص کے لیے ہے وہ اسم ذات ہے جو دل سے نکلے اور شیخ کامل سے حاصل ہوا ہو۔

حقیقی وہ اسم ہوٗ ہے جو روح سے نکلے اور یہ خاص الخاص قسم ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ چار یہ قسم کی ہے۔ اس بحث کی تفصیل مرصاد العباد میں دیکھنا چاہیئے۔ ذکر کی شرائط کے متعلق شیخ حماد رسالہٗ 'حصول الوصول' میں لکھتے ہیں "ذاکر کو چاہیئے کہ وہ وضو اور غسل میں احتیاط کرے اُس کے بعد ذکر کرے اور اگر بغیر ظاہر و باطن کی طہارت کے ذکر کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ دوسری شرط شیخ عثمان مغربی یہ لکھتے ہیں کہ ذکر کے وقت مخلوق سے وحشت اور اپنے سے نفرت رکھے۔ مرید کے لیے ذکر کی تلقین اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں دیکھیں۔

وصل

جاننا چاہیئے کہ اہلِ باطن کا ذوق آیۂ کریمہ کے مصداق ہے **کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلھا ثابت وفرعھا فی السّماءِ** (پاک درخت کی طرح جس کی اصل ثابت ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں ہیں) جس طرح ایمان کا درخت جس کی اصل مومن کے قلب میں ہے اور اس کی شاخیں علّیین میں اور اس کا ثواب ہر وقت پہنچتا رہتا ہے۔ اسی طرح اہلِ ارادت کو چاہیئے کہ شجرۂ ارادت کے ذریعہ اُن کا دخول مریدوں کے گروہ میں ہو اور اُس کو فروغ آسمان عقیدت میں ہوں اور اس کے ثمرات سے ہمیشہ وہ باریاب ہوتا رہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مریدوں کے لیے لازم ہے کہ اپنے مشائخ کے اسمائے گرامی اپنے شیخ سے لے کر آنحضرت صلعم تک یاد کریں۔ یہ اس راستہ پر چلنے والوں کی ضروریات میں سے ہے کیونکہ ذکر و شغل کرنے والے پر لازم ہے کہ ذکر و مراقبہ کے وقت پیر کو اپنے دل میں بٹھائے اور اگر اس سے حضوری نصیب نہ ہو تو پیر کے پیر کے لیے کوشش کرے تو پیرانِ پیر حتیٰ کہ آنحضرت صلعم تک کوشش کر کے آپؐ کی ذاتِ مبارکہ کو دل میں جاگزیں کرے۔ بزرگوں میں جس کی بھی حضوری نصیب ہو ذکر کے وقت اُن کا تصوّر قلب میں جمائے اور اُن سے طالب استعانت ہوتے

ہوئے ذکر کرے۔ چنانچہ حضرت میر سید علی ہمدانی رسالۂ نوریہ میں اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں اگر اپنے مشائخ کے اسمائے گرامی سے واقفیت نہ ہو کیونکہ اُن کی معرفت کا پہلا زینہ اُن کے اسمائے گرامی معلوم ہونا ہیں تو اُن کی ذات مقدسہ سے ذکر کے وقت کس طرح مدد طلب کی جاسکتی ہے اسی وجہ سے متاخرین نے اسے ضروری جانا ہے کہ پیر کے لیے ضروری ہے کہ مرید کو جس سلسلہ میں مرید کیا ہے وہ شجرہ عطا کرے تاکہ اُس کے ذریعہ اُن کے مقدس ناموں سے آشنا ہو جیسے کہ ذکر میں حق تعالیٰ کے اسم ذات سے آشنائی کے بعد ہی ذکر کی حلاوت نصیب میں آتی ہے۔ پرانے زمانے میں چونکہ ناموں کی کثرت نہ تھی لہذا زبانی نام یاد ہو جاتے اور شجرہ کی ضرورت نہ تھی لیکن متاخرین نے بعد میں کثرتِ اسماء کی وجہ سے مریدین کو شجرہ دینا ضروری سمجھا تاکہ مریدین کو نام یاد کرنے میں آسانی ہو اور اُن کے تفصیلی فاتحہ سے بہرہ مند ہوں۔ صاحب معدن المعانی بائیسویں باب میں ذکر شجرۂ پیراں میں لکھتے ہیں کہ اپنے پیروں کا شجرہ یاد کر لینا چاہیئے۔ اور ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہیئے کیونکہ اس سے بڑے فوائد ہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی بھی دینی یا دنیوی مُہم درپیش ہو تو چاہیئے کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے اُس کے بعد اپنے مشائخ کا شجرہ پڑھے اور اُن کو اپنا شفیع بنائے۔ انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ وہ مُہم ضرور پوری کرے گا۔ نیز مشائخ فرماتے ہیں کہ کثرتِ وسائط میں بے شمار برکات ہیں کیونکہ وہ سلسلہ جو بہت سے وسیلوں سے حضرت سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات تک پہنچتا ہے افضل ہے کم وسیلوں سے کیونکہ دس چراغوں میں جو روشنی ہوتی ہے وہ دو یا تین چراغوں میں نہیں ہوتی۔ بعض بزرگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کریں اور اُس دوسرے سے تیسرا چراغ اور اسی طرح اُس ایک چراغ سے سو چراغ روشن کریں تو پہلے چراغ سے یا آخری چراغ سے کسبِ نور برابر رہی ہے۔ کیونکہ سارا نور تو اُسی چراغِ اوّل کا ہی فیض ہے۔ حضرت مولانا رومؒ نے بھی مثنوی شریف میں ایسا ہی لکھا ہے۔

شجرہ لکھنے کا طریقہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ یہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ شجرہ لکھنے میں ابتدا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم پاک سے کرے جو بعد میں اپنے نام تک سلسلہ بہ سلسلہ پہنچے لیکن ہمارے پیروں کا کہنا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ مرید کو شجرہ دیتے وقت ابتدا اپنے نام سے کرے اور درجہ بہ درجہ آنحضرت سید کائنات علیہ الصلوٰۃ

والسّلام تک پہنچا دے تاکہ استعانت اور استمداد حضرتِ نبوتؐ سے وسیلوں کے ساتھ ہو۔ یہی ادب کا تقاضا ہے اور قبولیت میں اس کا بڑا اثر ہے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

درِ میر و وزیر و سلطاں را بے وسیلت مگرد پیرا من

(میر اور وزیر اور سلطان کے دروں کو بغیر کسی وسیلہ کے مت کھٹکھٹاؤ)

فقیر کاتب الحروف کے خاندان کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ ابتدا اپنے نام سے کرتے ہیں اس لیے کہ ترقی کی رعایت بھی اسی طرح ہے اور جو آیۂ کریمہ "واذکر اسم ربّک" (اور اپنے رب کا نام یاد رکھو) کے معانی و مطالب سے آشنا ہے اور اُن کا ذوق و ادراک رکھتا ہے۔ اُسے پیروں کے اسمائے گرامی کا شجرہ تیار کرنا اور اُسے مریدین کو دینا چاہیئے۔

آیۂ کریمہ" اور اپنے رب کا نام یاد رکھو"، اگرچہ یہ خطاب آنحضرت صلعم سے ہے لیکن بطریقِ اتباع تمام اُمتِ محمدی اس میں داخل ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کا پیر اور مربّی ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور حضورؐ کو اپنے پیر و مربّی کے اسمِ گرامی کو یاد کرنے کا حکم ہوا ہے اسی لیے ہر اُمتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے مربّی اور اپنے پیر کا نام یاد رکھے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ربوبیت آنحضرت صلعم تک پہنچے گی۔ حق تعالیٰ اُس کی تربیت کرنے والے کے طفیل، ظاہری اور باطنی فیوض و برکات سے اُسے مالا مال فرمائے گا اور اُس کی ظاہری اور باطنی تربیت فرمائے گا خواہ مرید کو اس کی خبر نہ ہو۔

وصل

جاننا چاہیئے کہ مرید کی قبر میں پیر و مرشد کا شجرہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ پیرانِ عظام کی ذات اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رسول اکرم صلعم کی شفاعت کے طفیل قبر اور حشر میں اُن کی شفاعت کرنے والی ہوں۔ قبر میں الفاظ اور اُن بزرگوں کے اسمائے گرامی رکھنا گویا ظروفِ معانی ہیں جیسا کہ مثنوی میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎ حرف ظرف اند و درو معنی چو آب (حروف برتن اور اُن کے معنی پانی کی مثل ہیں) جس وقت شیوخ گرامی کے اسماءِ مبارکہ اُن کے ساتھ قبر میں موجود ہوں گے تو یقیناً مریدین کی شفاعت کی طرف اُن کی ارواح متوجہ ہوں گی اور اُن کے لیے رفع عذاب کا باعث ہونگے۔

خصوصاً وہ مریدین جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے اپنے پیرانِ عظام کے اسمائے گرامی یاد رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض شیوخ متاخرین نے مریدین کی قبر میں شجرہ رکھنے کی تجویز فرمائی ہے کہتے ہیں کہ اس طرح کہ میت کے سرہانے کی سمت ایک طاق کھود کر شجرہ اور ٹوپی اُس میں رکھ دیں تاکہ اُس کی برکت سے نجات ہو جائے۔ ٹوپی یا پگڑی اُس کے سر پر بھی پہنائی جا سکتی ہے۔ میت کی قبر میں شجرہ رکھنے کی روایت دو جلیل القدر صحابیوں سے مروی ہے۔ فصل الخطاب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں شہر مدائن فتح ہوا اور حضرت عمرؓ چمڑہ کا فرش مسجد نبویؐ میں بچھائے ہوئے مالِ غنیمت جمع فرما رہے تھے تو سب سے پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام تشریف لائے کہ اے امیرالمومنین ہمارا حصّہ جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے وہ عطا کیجیے۔ عمرؓ نے عرض کیا بالبرکۃ والکرامۃ اور ایک ہزار درم نذر کیے۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو بھی ہزار درم نذر کیے۔ اُس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ آئے۔ اُن کو محض پانچسو درم عطا کیے۔ ابنِ عمرؓ نے عرض کیا "اے امیرالمومنین! میں حضورؐ کے زمانہ میں جوان تھا اور اُس وقت جہاد کیا کرتا تھا حسنین اُس وقت بچّے تھے اور مدینہ شریف کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے اُن کو تو آپ نے ایک ہزار درم عطا کیے اور مجھے صرف پانچسو؟ امیرالمومنین نے فرمایا "اے بیٹے تم بھی حسنین کی فضیلت حاصل کرو اور تم بھی اُتنا ہی لے جاؤ۔ کیونکہ اُن کے باپ علی مرتضیٰؑ ان کی ماں فاطمہ زہراؑ اُن کے نانا رسولِ خداؐ اُن کی نانی خدیجۃ الکبریٰؓ اُن کے چچا جعفر طیارؓ اُن کی پھوپھی اُمّ ہانیؓ اُن کے ماموں ابراہیم بن رسول اللہؐ اُن کی خالائیں رقیہؓ اور اُم کلثومؓ دختران پیغمبرؐ ہیں۔ ابن عمرؓ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ عمرؓ جنت والوں کے چراغ ہیں۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو پہنچی وہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لیے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دروازہ پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ عمر جنت والوں کے چراغ ہیں۔" جناب امیرؓ نے فرمایا "ہاں میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلعم سے سُنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ حدیث اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر مجھے دیدیجیے۔ جناب امیر نے لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما ضمن علی بن ابی طالب لعمر بن خطاب عن رسول اللہ عن جبرئیل عن اللہ تبارک وتعالیٰ انّ عمر بن خطاب سراج أھل

الجنۃ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم علی بن ابی طالب یہ لکھ کر دے رہا ہے عمر بن خطاب کے لیے اُس نے رسول اللہ سے سُنا آپؐ نے جبرئیل امین سے انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے کہ ارشاد ہوا عمر بن خطاب جنت والوں کے چراغ ہیں)۔ حضرت عمرؓ نے یہ کاغذ لے کر اپنی اولاد کو دے دیا کہ جب میری موت ہو تو غسل اور تکفین کے بعد یہ کاغذ میرے کفن میں رکھ دینا تاکہ اس کے ذریعہ میں جناب باری تعالیٰ سے ملوں۔ اسی جگہ سے حضرات صوفیہ کو کافی سند قبر میں شجرہ رکھنے کی مل گئی۔ دوسرے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا فعل آپ نے حضور انورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک شخص مرگیا ہے جو دعا اور توجہ کا محتاج ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ دو شعر پرچہ پر لکھوا کر عطا کیے کہ اسے میت کے سینہ پر رکھ دیا جائے ؎

وفدت الیٰ الکریم بغیر زادٍ　　من الحسنات والقلب السلیم

فحمل الزّادِ اقبح کُلّ شیئٍ　　اذا کان الوفود الی الکریم

(میں ایک کریم کے پاس بغیر کسی زادِ راہ، نیکیوں اور قلب سلیم کے حاضر ہوا۔

کیونکہ اپنا زادِ راہ لے جانا اُس وقت کتنا بُرا ہے جب کہ تم کسی کریم کے پاس جارہے ہو)۔

فقہ کی کتاب سے بھی اس کی سند ملتی ہے۔ 'فوائد اسماعیلیہ' کے مصنف لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الم نشرح لک صدرک ... (آخر تک) لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں اُس کی برکت سے میت پر عذابِ قبر نہ ہوگا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص میت کے کفن پر اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں نام لکھ دے تو اس کو عذاب نہ ہوگا اور اس کی برکت سے نجات اور بارگاہ حق میں اس کے درجے بلند ہوں گے اس کے اعضا نہ بکھریں گے۔ اور منکر نکیر کے سوال و جواب کی آسانی، قبر کی فراخی اور جنت کے چالیس دروں کی کشادگی کے واسطے یہ دو اسم اس طرح لکھے یا کریم العفو العدل انت الّذی ملاءَ کلّ شیءٍ عدلہٗ یاکریم۔ (اے بخشش کرنے والے۔ عفو فرما، عدل فرما تو ہی ہے وہ جس نے ہر چیز کو عدل سے بھر دیا ہے اے بخشش کرنے والے)۔ دُرِمختار میں ہے کہ کفن پر عہد نامہ لکھنا، پیشانی پر بسم اللہ لکھنا جائز ہے۔ علمائے متاخرین نے الم نشرح مع بسم اللہ میت کے سینہ پر لکھنے کو بھی بتایا ہے اور کفایہ شعبی میں بھی یہی ہے۔ شعبی کا کہنا ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ

جب میں مر جاؤں اور غسل دے دیا جائے تو میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھ دینا۔ بیٹے نے ایسا ہی کیا۔ انتقال کے بعد بیٹے نے باپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اُس نے کہا کہ جس وقت عذاب کے فرشتے قبر میں آئے اور میری پیشانی اور سینہ پر لکھا دیکھا تو دیکھتے ہی واپس ہوئے اور بولے "تو عذاب سے محفوظ ہے بسم اللہ کی برکت سے۔" فتاوی سراج المنیر، کنز سے نقل ہے۔ اس طرح کی بکثرت مثالیں ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ جس طرح دعاؤں کا قبر میں رکھنا موجبِ نجات ہے اسی طرح شجرہ اور ٹوپی کا بھی یہی ثمرہ ہے کہ وہ بھی دعا ہے جو خدا اور رسول اور شیوخ گرامی کے اسماءِ مبارکہ پر مشتمل ہے۔ یہ سب رفع عذاب کے واسطے ہیں اگر بزرگوں کے اسماءِ گرامی کے نقوش رفع عذابِ قبر کا وسیلہ ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ عذاب دینے والا تو خود ہی مجرموں کے عفو کے لیے بہانے ڈھونڈھتا ہے۔ پیران عظام کے اسماءِ گرامی بہ توسل سید کائنات صلعم سے بہتر بہانہ پروردگار کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے اور جو دو گواہ شجرہ اور ٹوپی اپنے ساتھ لے جاتا ہے کہ شریعت میں دو گواہ مدعی کے ثبوت کے طور پر کافی ہوتے ہیں۔ صاحبِ نفحات نے شروع میں ہی لکھا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز جب بندہ اپنی مفلسئ کردار سے ناامید ہو گا تو اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ فلاں محلہ کے فلاں نیک آدمی کو جانتا ہے اور فلاں عارف کو پہچانتا ہے۔ وہ کہے گا کہ ہاں میں پہچانتا ہوں۔ حکم ہو گا کہ جا میں نے اُس کے طفیل تجھ کو بخش دیا۔ جیسا کہ اس رسالے کے سبب تالیف میں گزر چکا ہے۔ نفحات میں خواجہ بہاءالدین کے حال میں لکھا ہے کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر سے پوچھا گیا کہ آپ کے جنازہ کے سامنے کونسی آیت پڑھی جائے۔ آپؒ نے فرمایا آیت پڑھنا بہت بڑا کام ہے یہ شعر پڑھ دینا ؎

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار　　دوست رسد نزد دوست یار رسد نزدِ یار

(دنیا میں اس سے خوبصورت اور بہتر کیا کام ہو سکتا ہے کہ دوست دوست کے پاس پہنچ جائے اور یار یار کے پاس)۔

حضرت نے فرمایا کہ ہمارے جنازہ کے آگے یہ شعر پڑھنا ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شیئاً للہ از جمالِ روئے تو

(ہم مفلس ہیں آپ کی گلی میں آئے ہیں، اپنے چہرۂ انور کے جمال کا کچھ صدقہ خدا کے

واسطے عطا ہو)۔

جب اشعار کا پڑھنا ترقی تجلیات ذات اور رویتِ جمالِ اسماء وصفات کے لیے جنازہ کے سامنے جائز ہے تو شجرہ اور ٹوپی کا قبر میں رکھنا بھی جائز ہوا۔ اس کا تفصیلی بیان مخدوم شیخ حمزہ کشمیری کے ملفوظ میں درج ہے اگر کسی کو دیکھنا ہے تو اُس کا مطالعہ کرے۔ بعض مشائخ شجرہ اور ٹوپی رکھنے کو اس لیے جائز نہیں سمجھتے کہ اسم خدا اور رسول میت کی ناپاکی کی وجہ سے آلودہ نہ ہو۔ اور جواز کے قائل اُس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دعائیں اور شجرات میت کے سرہانے طاق میں رکھی جاتی ہیں اور اس صورت میں ناپاکی کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا کُلّ حزبٍ بما لدیہ فرحون ولکل وجهة هُوَ مَولّیها (ہر شخص کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے وہی ہر ایک کے چہرے کو موڑنے والا ہے)۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایک سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ شجرہ قبر میں رکھنے کا بزرگوں کا معمول رہا ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ سینہ پر مُردہ کے کفن کے اندر یا باہر رکھ دیا جائے لیکن اس طریقہ کو فقہا منع کرتے ہیں کہ مُردہ کے بدن سے خون و مواد بہتا ہے جس سے بزرگوں کے مقدس ناموں کی بے ادبی ہوتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مُردہ کے سرہانے ایک طاق کھود کر اس میں رکھ دیا جائے۔

وصل

چونکہ خرقہ کا ذکر فقیر راقم الحروف کی کئی تصانیف میں گزر چکا ہے لہٰذا اُس کے ذکر کی مطلق ضرورت نہ سمجھتے ہوئے محض مسئلہ خلافت کا ذکر اس جگہ مختصراً کر رہا ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ شیخ محمد اکرام چشتی، صابری مناہج السالکین میں لکھتے ہیں۔ "پوشیدہ نہ رہے کہ مشائخ کی خلافت جس کا اس زمانہ میں رواج ہے سات قسم کی ہے اُس میں بعض مقبول ہیں اور بعض نامقبول اُن سب کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ اس راہ کے طالبوں پر روشن ہو جائے۔ (۱) اصالتہً (۲) اجازۃً (۳) اجماعاً (۴) وارثتہً (۵) حکماً (۶) تکلیفاً (۷) اویسیاً۔

(۱) اصالتہً:- یہ ہے کہ کوئی مردِ کامل کسی کو امرِ الٰہی سے اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دے۔ چنانچہ مصنف "سیر الاولیاء" لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے ایک مُرید کو

خلافت دے کر اسے ہندوستان کا صاحبِ ولایت مقرر فرمادیں کہ ہر غیب سے ان کو معلوم ہوا کہ شیخ نظام بداؤنی اس جانشینی کے مستحق ہیں اُن کو عطا کرو۔ جب سلطان المشائخ پہنچے تو شیخ نے اُن کو حکم خداوندی کے مطابق خلافت عطا کی، اُنھیں ہندوستان کا صاحبِ ولایت مقرر فرمایا اور اُن کے حق میں بہت مہربانیاں فرمائیں۔ اکثر اوقات خلوت و جلوت میں فرماتے "میں نے بابا نظام کو اپنا ظاہری خلیفہ کیا ہے لیکن باطنی اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور محمد مصطفےٰ ؐ کے نائب ہیں۔" اس قسم کی خلافت کو صوفیانِ باصفا خلافتِ الٰہی بھی فرماتے ہیں۔

(۲) اجازۃً :۔ یہ ہے کہ شیخ اپنے مرید کو خواہ وہ وارث ہو یا کوئی غیر، مستحق سمجھتے ہوئے اپنی رضا و رغبت سے اپنا خلیفہ مقرر کرے جیسا کہ تمام مشائخ کا طریقہ ہے۔ اس قسم کی خلافت کو 'خلافتِ رضائی' بھی کہتے ہیں۔

(۳) اجماعاً :۔ یہ ہے کہ کسی شیخ نے اِس عالمِ فانی سے رحلت فرمائی اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ کیا۔ قوم اور قبیلہ کسی وارث یا مرید کو اُن کی خلافت کے لیے تجویز کر دے جیسا کہ عام قاعدہ ہے لیکن یہ خلافت مشائخ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اس قسم کی خلافت کو 'افتراقی خلافت' بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر مقرر کیا گیا خلیفہ مرتبۂ رُشد و ہدایت پر فائز ہے تو اجماعِ اُمت کی کیا ضرورت ایک ہی کی اجازت کافی ہے اور اگر وہ اِس رتبہ پر نہیں پہنچا ہے تو ناقصوں کی اجازت خلافت کس کام کی ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور خلفائے راشدین کی خلافت اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک اجماعِ اُمت کی وجہ سے صحیح ہے لہٰذا اِس قسم کی خلافت دوسری طرح کی خلافتوں سے بہتر ہے کیونکہ دورِ خیر القرون میں یہ مسلّم الثبوت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خلافتِ باطنی جس سے ناقصوں کی تکمیل وابستہ ہے خلفائے راشدین کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی وجہ سے خلفائے اربعہؓ کو آنحضرت صلعم کی اجازتِ خاص سے حاصل تھی۔ لیکن یہ خلافت بغیر شیخ کی اجازت کے حاصل نہیں ہو سکتی اور اجماع سے ثابت نہیں۔ وہ خلافت جو حضرت سیّد المرسلین ؐ کے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی منتقل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم کے خلفاء کو حاصل ہوئی وہ خلافت ظاہری ہے جس سے احکامِ شریعت کی ترویج و انتظام مصالحِ معاش و معادِ عباد مُراد ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ خلافت ثقہ لوگوں کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ باطنی اجماعِ اُمت سے ثابت نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کی اُمت میں سے بعض آپ ؐ کے خلیفہ اور نائب ہوئے ہیں

جنھوں نے حضورؐ کے طریقہ کی ترویج اور شریعت کی تعلیم زبانی کی ہے کیونکہ طریقت کے رواج دینے کے لیے احکامِ شریعت کی ترویج لازم ہے اور آپ کے خلیفہ ظاہری ہوئے ہیں جو شریعت کی ترویج اور بندوں کے مصالح کی اصلاح میں متوجہ رہے ہیں۔ یہ وہ ملوک وسلاطین اور امراء وحکام ہیں جو امورِ معاشی میں مشغول علماء اور فقہاء کی صوابدید کے مطابق رہے ہیں۔ ورنہ ان کا شمار خلفاء میں نہیں بلکہ وہ حاکم وجابر امراء ہوئے ہیں۔ لیکن خلفائے راشدینؓ آنحضرتؐ کے ظاہری اور باطنی خلفاء ہیں۔ دونوں طرح کی خلافتیں انھیں حاصل ہیں۔ یہ حضرات نائبانِ مطلق اور جامعان جمیع کمالات ولایت مطلقہ اور باطنیہ ہیں۔ اُن کے مثل (خلفائے راشدینؓ) پیدا نہیں ہوا ہے انبیاء علیہم السّلام کے بعد۔

(۴) وارثتاً :۔ یہ ہے کہ شیخ نے اس عالم سے رحلت فرمائی اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ اُس کا وارث جو اس کا اہل تھا اُس کے سجادہ پر بیٹھ گیا اور اپنے کو خلیفہ مقرر کرلیا۔ اس قسم کی خلافت مشائخؒ نے منظور نہیں کی ہے اور اگر شیخ نے کبھی باطنی اعتبار سے اُس کو حکم دیا ہے تو جائز ہے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک امرِ باطن جائز ہے لیکن چونکہ اس خلافت کے اسناد ظاہری منقطع ہیں اور ظاہری اعتبار سے شیخ کا وہ مجاز نہیں ہے لہٰذا یہ خلافت انقطاعی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۵) حکماً :۔ یہ ہے کہ کسی بزرگ کی وفات ہوگئی لیکن کوئی خلیفہ مقرر نہ کیا اور وارثوں نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کردیا۔ حاکم وقت نے کسی وارث کو لائق وفائق سمجھتے ہوئے خلافت سپرد کردی اس قسم کی خلافت حکمِ الٰہی "اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔" کے مطابق جائز معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ حاکم صاحبِ نسبتِ باطن اور ناقصوں کی تکمیل کے لائق ہو خواہ وہ ظاہری طور سے بادشاہ ہو اور اگر حاکم کو نسبتِ باطنی حاصل نہ ہو تو اُس کی اجازت کسی کام کی نہیں

(۶) تکلیفاً :۔ یہ ہے کہ کوئی مُرید کسی پیر سے سفارش کی بنا پر اُس کی مرضی کے خلاف خلافت حاصل کرے تو ایسی خلافت جائز نہ ہوگی نہ کوئی فائدہ دے گی لیکن یہ خلافت مطلقاً ہے کیونکہ اگر مرید دوسروں کی تکمیل کے لائق ہے جس طرح بھی خلافت حاصل کرے اُس کا حقدار ہے۔ لائق ہونے کے بعد اگر پیر اس کو خلافت عطا نہ کرے تو یہ پیر کی لاپرواہی ہے اور اگر مرید میں خود ہی لیاقت نہیں ہے تو جس طرح بھی خلافت عطا ہو اُسے فائدہ نہ دے گی لہٰذا بعض محققین فرماتے ہیں کہ خلافت کی اصل

یہ ہے کہ جب مُرید تزکیۂ نفس اور صفائی باطن کے سبب حجابات طے کرنے کے بعد مدارج کمال طے کرتے ہوئے دوسروں کی تکمیل کی قدرت پیدا کرے اور فانی فی اللہ ہو جائے تو اللہ کے نزدیک وہ مستحق خلافت ہو گیا۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا خلیفہ اور اپنے نبیؐ کا نائب بغیر کسی واسطے کے بنا دیتا ہے۔ طالب اس چیز کے حصول کے بعد اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہو جاتا ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہوا تو ہزار خلافتیں ملنے کے بعد بھی وہ خلیفہ نہ کہلائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت رسالت پناہ صلعم نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا کیونکہ "اِنّی جاعلٌ فی الارضِ خلیفہ" (میں زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں) کی رو سے خلافت عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ جسے خلافت کے لائق سمجھے گا اُسے خلیفہ مقرر فرمائے گا۔ لہٰذا خلفائے اربعہؓ کی خلافت بالترتیب خدا کی عطا کی ہوئی ہے۔ یہ قول باطل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسولؐ کے بعد خلیفہ ہیں۔ خلافت کے مستحق اللہ کی طرف سے رسالت پناہ صلعم کے بعد امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ، اُن کے بعد حضرت عثمانؓ، اُن کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ اگر نصِ جلی کی تحقیق ہوتی تو پہلے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہی ہوتے نہ کہ صدیق اکبرؓ۔ کیونکہ مخبر صادق کے فرمان میں وہ کذب کا شک بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چونکہ ایسا واقع نہ ہوا لہٰذا نصِ جلی باطل اور افترا محض ہے۔ وضعِ خلافت جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی وہ عدل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہے ظالم نہیں۔ ترتیب خلافت اُسی طرح ہے جس طرح واقع ہوئی۔ لیکن محققین اکابر صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ میں دو خصوصیات ہونا چاہیئے۔ ولایت تصرف جو باطن کی خصوصیت ہے جس خصوصیت کی وجہ سے وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے اور دوسری خصوصیت اتباع سنتِ نبوی اور رُشد و ہدایت جو ظاہر کی خصوصیت ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کے خلفاء میں یہ دونوں خصوصیتیں موجود تھیں یہ دونوں ایسے ستون ہیں کہ ان کے بغیر خلافت ممکن ہی نہیں۔ سمت ولایت فانی فی اللہ ہے اور سمتِ اتباع سنت بقا باللہ اور خلافت بغیر ان دو خصوصیات کے کب خلافت علیٰ منہاج النبوت کہلائے گی۔

خلیفہ اگر ظاہری اعتبار سے حضور صلعم کی شرف صحابیت سے محروم ہو گا تو اُس کی خلافت کا سلسلہ منقطع الاسناد ہو گا اور کُل کی کُل خلافت نامعتبر اور نامنظور ہو جائے گی کیونکہ اجازت ظاہری بھی رکنِ خلافت کا ایک اہم امر ہے کیونکہ خلافت مرکب ہے دو ارکان سے، اجازت ظاہر اور اجازت باطن اور اسی طرح نبی صلعم کی نیابت کا حکم ہے کہ بغیر شیخ کی اجازت کے کسی بھی مُرید کو مریدین کی رُشد و ہدایت اور

مرید کرنا درست نہیں ہے۔ چونکہ خلفائے اربعہ کی خلافت انتظامیہ اجماع اُمت سے ثابت ہے لہٰذا خلفاء کی خلافت بالترتیب معتبرہ آنحضرت صلعم ہے جو حضورؐ نے ناقصوں کی تکمیل کے لیے اپنے خلفاء کو اپنی حیات میں عطا فرمائی تھی۔

(۷) اویسیا :۔ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بزرگ کی روح مبارک جو اس عالم سے وفات پاچکا ہو، سے تربیت و خلافت حاصل کرے۔ بعض متقدمین بزرگوں نے اس قسم کی خلافت کو جائز سمجھا ہے لیکن اس قسم کی خلافت چونکہ بہ ظاہر شیخ سے مربوط نہیں ہے اور منقطع الاسناد ہے لہٰذا بظاہر بالکل معتبر نہیں۔ یہ معتبر نہیں کہ کوئی شخص کہے کہ مجھے خواب میں خلافت عطا ہوئی۔ مخدوم شیخ سعد خیر آبادی 'شرح رسالۂ مکیہ' میں فرماتے ہیں "بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے خواب میں ہم کو خلافت عطا فرمائی۔ خواب میں شرعی احکام ثابت نہیں ہیں اور خلافت کا ثبوت جس کا تعلق زندگی سے ہے کس طرح جائز ہوگا۔ البتہ یہ جائز ہے کہ خرقۂ خلافت شیخ کے کسی مقبول خادم کے ذریعہ پہنے اور وہ یہ کہے تو شیخ کا خلیفہ ہے اور شیخ اُس سے راضی ہو اگرچہ خود اپنی زبان سے نہ کہے جس طرح الیاس خواجہ اقبال خادم نے حضرت سلطان المشائخ کا خرقہ مولٰنا یوسف کو پہنایا جو 'سیر الاولیاء' میں درج ہے اور اجازت خلافت قبل سن بلوغ بھی جائز ہے اگر خلیفہ صاحبِ کمال ہے جیساکہ ۱۰۹ واں مکتوب جلد اول حضرت مجدد الف ثانی میں درج ہے۔ جو میر محمد نعمان کے نام ہے کہ مشائخ طریقت نے تکمیل سے پہلے بعض مریدین کو تعلیم طریقت کی اجازت دی ہے۔ جیسے حضرت خواجہ نقشبند نے مولٰنا یعقوب چرخی کو۔ رسالہ 'مبداو معاد' میں فرماتے ہیں "کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقت کی اجازت دیتا ہے اور اجماع مریدین کے ضمن میں اُس ناقص کے کام کو مکمل فرما دیتا ہے۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اجازت نامہ میں صلاح و تقویٰ کی قید اور مشیخت کی دوسری شرائط کا ذکر کر دے کہ اُن کی ترقی اور افزائش میں مشغول رہے۔ ایسا ہی بزرگوں کا عمل رہا ہے۔ بعض شیوخ نے خلافت کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ صغریٰ اور کبریٰ۔ صغریٰ یہ کہ پیر مُرید کی ریاضت و مجاہدہ دیکھ کر حُسنِ ظن کی بنا پر اُسے خلافت سے نوازے اور کبریٰ یہ کہ شیخ کے قلب پر بار بار الہام حق ہو کہ کسی مرید کو خلافت عطا کرو یہ خلافت کبریٰ ہے۔ شاہ محمد یحییٰ قادری معروف بہ شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ 'کلمات مولفہ' میں فرماتے ہیں کہ اجازت عام ہے اور خلافت خاص۔ اور خاص کی نفی عام کی نفی نہیں کرتی۔ اجازت قبل سن بلوغ بھی جائز ہے اور اجازت میں کمال اہلیت

کی شرط نہیں ہے بلکہ جیسے جیسے صاحبِ کمال ہوتا جائے اُسی طرح طالبین کی تربیت کرتا جائے۔ اور خلافت میں نیابت اور قائم مقامی میں خلافت عطا کرنے والے کی پیروی ضروری ہے یعنی جو بھی مقتدا سے واقع ہو خلیفہ سے بھی اُسی کی مثل وقوع پذیر ہو۔ اور خلیفہ کی نسبت مُستخلف (خلافت دینے والے) سے ویسی ہی ہے جیسے انسان کی حق تعالیٰ سے۔ جب شیخ اپنے اصحاب میں سے کسی کو کامل ومکمل پاتا ہے تبھی اُسے اپنے درجہ پر جگہ دیتا ہے اور اپنی خلافت عطا کرتا ہے ورنہ اجازت پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے خلافت کا مستحق ایک ہی ہوتا ہے بہت سے نہیں۔ شاہ محمد افضل الہ آبادیؒ فرماتے ہیں کہ اکابرین طریقت کا فرمانا ہے کہ آسمان کے لیے ایک آفتاب پیر کے لیے ایک مُرید اور اُستاد کے لیے ایک شاگرد۔ مجاز اور خلیفہ میں یہ فرق ہے کہ مجاز بمنزلۂ مقلّد اور خلیفہ بمنزلۂ مجتہد ہے۔ جس طرح درجۂ اجتہاد کے لیے ظاہری شرائط ہیں اسی طرح مرتبۂ بلند خلافت کے لیے بھی باطنی شرائط ہیں۔ حضرت مرشدی (حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ) 'اسناد المشیخت' میں فرماتے ہیں کہ بیعت صحیحہ کی ادنیٰ ترین شرط استقامت شریعت ہے اور عقیدہ کی تصحیح اس طرح کہ احکام شریعت وطریقت میں ذرا سی بھی کاہلی اور لاپروائی نہ ظاہر ہو اور اعلیٰ ترین شرط اپنے کو شیخ کے اخلاقِ حسنہ میں ڈھال لینا ہے اور یہی اصل مقصود ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی پہلی فص میں ایسا ہی فرماتے ہیں ومن شرط الخلیفۃ ان یکون علی صورۃ المستخلف (کہ خلیفہ کی شرط یہ ہے کہ وہ خلیفہ مقرر کرنے والے کے رنگ میں رنگا ہوا ہو[1])۔ خلافت کے آداب میں یہ ہے کہ جب بھی کوئی مُشیخ کسی شخص کو خلافت عطا کرنا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ عوام و خواص میں عام منادی کرادے اور سب کے مجمع میں اُسے خلافت عطا کرے تاکہ اُس کی خلافت اور مشیخت ثابت اور پائدار ہو غرضیکہ مشیخت اور خلافت کے حقدار ہونے والے کے لیے اصحابِ طریقت اور اربابِ حقیقت کا اجماع بھی ہونا چاہیئے کیونکہ الاجماع حجۃ اجماعِ اُمت حجت و سند ہے۔ اور حضور انورؐ کا ارشادِ گرامی ہے لا یجتمع امتی علی الضلالۃ (میری اُمت کبھی کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی) کیونکہ اگر کوئی شخص اُس کی خلافت و مشیخت سے انکار کرے اور اُس

---

[1] غوثِ ملت حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ فرماتے ہیں ؎

سب صورت مورے پیر کی سب صورت ما پیر   صورت ما صورت مل گئی رہ گئے پیر کے پیر

عہد کے لوگ بھی اختلاف کریں تو یہ اجماع امت نہ کہلائے گا کیونکہ اجماعِ اُمّت سب سے بڑی شرط اور سب سے مضبوط رُکن ہے شرعی آداب کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اجماع اُمّت والی خلافت خلافِ شرع وطریقت نہ ہوگی اور بندگانِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنے گی نہ کہ ان کی گمراہی کا۔ خلافت و اجازت نامہ اس مضمون کا ہو کہ تم اللہ پر توکل رکھنا کوئی جائداد یا گاؤں گراؤ قبول نہ کرنا۔ زراعت و تجارت میں اپنے کو بالکل لگا نہ دینا اور مقرر کر کے کسی سے کسی چیز کی طلب مت کرنا بادشاہوں اور حاکموں کے در پر بغیر بُلائے ہوئے مت جانا اور غیب سے جو بھی ملے اُسے ذخیرہ نہ کرنا اور بندگانِ خدا کی حق کی طرف رہنمائی کرنا۔ اُسے علم سجادہ بھی تعلیم کرے تاکہ وہ سجادہ کے لائق ہو اور اپنے خادم سے وصیت کرے کہ میرے انتقال کے تین روز بعد اُس شخص کو خلعتِ مشیخت اور اجازت و خلافت عام مسلمانوں نیز علمائے کرام اور مشائخ گرامی کی موجودگی میں دے اور کہے کہ فلاں شیخ نے اپنی خلافت ان کو دی ہے اور اپنی جگہ پر ان کو مقرر کیا ہے تاکہ یہ اللہ کے بندوں کو شریعت وطریقت کے راستہ پر چلائیں۔

اس سلسلہ میں مزید معلومات درکار ہوں تو کتاب 'شرائط الوسائط' (مصنفہ حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ واردو ترجمہ از حضرت خداوند نعمت مرشدی و مولائی مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی) ۱۲منہ کا مطالعہ کریں۔

وصل

جاننا چاہیے کہ جو خرقہ صاحبِ سماع سے حالتِ وجد میں اُتر جائے اُس کا دوبارہ استعمال اس کے خود کے واسطے مناسب نہیں اُس خرقہ کی حالت دو قسم کی ہوتی ہے ایک صحیح دوسرے چاک شدہ۔ اگر حالتِ وجد میں آنے والے بزرگ نے صحیح ثابت خرقہ مخصوص طور پر قوّال کو عطا کیا ہے تو اس میں کسی کی کوئی شرکت روا نہیں اور اگر کوئی دوسرا صاحبِ حال وہاں موجود ہے اور وہ یہ دیکھے کہ مخصوص طور پر صاحبِ وجد نے قوّال کو عطا نہیں کیا ہے تو اُسے اختیار ہے کہ خواہ قوال کو دے خواہ کسی دوسرے اہل کو اُسے بخش دے۔ کسی شخص کو بھی اُس پر اعتراض کا حق نہیں ہے کیونکہ اللہ والوں کے سب کام فہم و ادراک اور بصیرت کے ہوتے ہیں۔ اور اگر محفلِ سماع کے موجود لوگوں میں سب یک رُتبہ ہوں اور کوئی

شخص موجود نہ ہو تو خرقہ قوال کو عطا کر دیں کیونکہ اُس کا گانا ہی وجد اور اِلقاء خرقہ کا سبب ہوا ہے کہ من قتل قتیلاً فھو سلبہٗ ہے (جو جس کو قتل کرے گا اُس کا ترکہ اسی کو ملے گا)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خرقہ اُس سے لے کر جمع کرا لیا جائے کیونکہ وجد کا باعث صرف قوال کا گانا ہی نہیں بلکہ مجموعی طور پر اُس کا گانا اور اہل اللہ کے فیوض و برکات ہیں۔ اس گروہ کے قول کا استناد واقعۂ بدر کے قضیہ سے ہے جب اسلامی لشکر کے جوانوں نے دشمنوں سے جدال و قتال میں بڑی گرمجوشی دکھائی محض اس امید پر کہ جب فتح نصیب ہوگی تو کل مالِ غنیمت اپنے ہاتھ آئے گا اس پر بوڑھے بول اٹھے کُنّا ظھراً لکم ورداءً الکم فلا تذھبو بالغنائم دوننا" کہ ہم بھی تمہارے مددگار اور شانہ بشانہ رہے ہیں لہٰذا ہمارے بغیر مالِ غنیمت نہیں لے جاسکو گے۔ اس بات کو لے کر جھگڑا شروع ہو گیا۔ لوگوں نے حضرت رسالت پناہ صلعم سے رجوع کیا یہاں تک کہ وحی نازل ہوئی یسئلونك عن الانفال قل الانفال لِلّٰہِ والرّسول (اے رسولؐ لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے)۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے مالِ غنیمت کو ان میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر قوال مع اپنی پوری چوکی کے ہے تو سب کو تقسیم ہوگا۔ ورنہ اُس کا تنہا حصّہ ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر اُسے اُجرت پر لایا گیا ہے تو اُسے نہ دیں بلکہ تمام حاضرینِ محفل اس کے شریک و حقدار ہوں گے اور اگر محبانِ خدا میں سے کسی کو درمیان میں لاوے لیکن حاضرینِ محفل اُس سے راضی نہ ہوں تو مناسب ہے کہ ہر شخص اپنا خرقہ لے اور وہ قوال کو فدا کر دیں اور اگر کسی شخص نے خرقہ دینے میں کوئی نیت کر لی ہے اور دوبارہ طالب خرقہ نہیں تو وہ خرقہ قوال کو دے دیں۔

لیکن خرقہ چاک کردہ جسے صاحبِ حال نے غلبۂ حال اور حالتِ وجد میں چاک کر ڈالا ہے اُس کے لیے یہ حکم ہے کہ تمام حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہر ایک کو اُس کا حصّہ مل جائے کیوں کہ لان الغنیمۃ لمن شھد الواقعۃ (جو بھی واقعہ کے وقت موجود ہے اُس کا غنیمت میں حصّہ ہے)۔ اور اہل اللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو چاہیئے کہ اِن حضرات کے حق میں حُسنِ ظن رکھیں اور ان کے خرقہ کے تبرّک کے معتقد ہوں۔ اگر کوئی شخص تقسیم کے وقت موجود ہو لیکن سماع کے وقت موجود نہ رہا ہو تو چاہیئے کہ اُسے بھی حصّہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذا حضر القسمۃ اولوا القربی والیتامی والمساکین

فارزقوھم منہ (جب تقسیم کے وقت قرابتدار یا یتامیٰ یا مساکین موجود ہوں تو اُن کو بھی حصہ عطا کرو۔)

اگر بعض چاک شدہ خرقے اور بعض صحیح پڑے ہوئے ہوں اور شیخ وہاں موجود ہو تو اُسے چاہیئے کہ چاک شدہ خرقہ کی اتباع میں صحیح کو بھی چاک کر ڈالے اور حاضرینِ محفل میں تقسیم کردے۔ کسی کو اُس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

حکایت

ایک بار فقہاء اور صوفیائے کرام کو نیشاپور کی ایک دعوت میں ساتھ جمع ہونے کا اتفاق ہوا۔ فقہا کے شیخ ابو محمد جوینیؒ تھے اور صوفیہ کے شیخ حضرت ابوالقاسم قُشیریؒ۔ آپ نے سماع میں حالتِ وجد میں اپنا خرقہ اُتار کر ڈال دیا۔ جب صوفیائے کرام سماع سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اُس خرقہ کو تبرکاً تقسیم کردیا۔ ابو محمد جوینیؒ بعض فقہاء کی طرف متوجہ ہوئے اور آہستہ سے بولے ھٰذا اسراف واضاعۃ المال (یہ اسرافِ بے جا اور اضاعتِ مال ہے)۔ ابوالقاسم قُشیری نے یہ بات سُنی اور کچھ نہ فرمایا یہاں تک کہ تقسیم مکمل ہوگئی تب آپ نے خادم کو بُلایا اور فرمایا " دیکھو اس مجمع میں سجادہ مُلمع کون رکھتا ہے اُسے حاضر کرو جب پیش کیا تو آپ نے ایک صاحبِ بصیرت کو بُلوا کر کہا کہ اس سجادہ کو بازار میں کس قیمت میں خریدیں گے۔ انھوں نے کہا ایک دینار میں۔ فرمایا اگر یہ ایک ٹکڑا ہو جائے تو کتنے میں خریدا جائے گا۔ انھوں نے کہا نصف دینار میں۔ اُس وقت آپ محمد جوینی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ھٰذا لایسمیٰ اضاعۃ المال (اِسے اضاعتِ مال نہیں کہتے ہیں)۔

خرقہ چاک کرنے اور اُسے حاضرینِ محفل میں تقسیم کردینے کی اصل ایک مستند حدیث پاک سے ہے جو انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں۔

کنا عند رسول اللہؐ اذا نزل علیہ جبرئیلؑ فقال یا رسول اللہ ان فقراء امتک یدخلون الجنہ قبل الاغنیاء بنصف الیوم وھو خمس مأۃ عامٍ۔ ففرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال افیکم من ینشد نا فقال بدوی نعم یا رسول اللہ صلعم فقال ھات فانشد البدوی ے

قد لسعت حیۃ الھویٰ کبدی فلا طبیب لھا ولا راقی

اِلّا الحبیب الّذی شغفت بہٖ فعندہٗ رُقیتی و تریاقی

فتواجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتواجد الاصحاب معہ حتیٰ سقط رداہ عن منکبیہ فلمّا فرغوا و آوی کُلّ واحدٍ الی مکانہ فقال معاویہ بن ابی سفیان ما احسن لعبکم یارسول اللہ فقال مہٗ یامعاویہ لیس بکریم من لم یھتز عند سماعِ ذکر الحبیب ثُمّ قسم رداءہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین حاضرھم باربعمائۃ قطعۃٍ۔

(ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے تبھی جبرئیل ع آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کی امت کے غربا، مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں جائیں گے۔ وہاں کا نصف دن پانچ سو سال کا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خوشخبری سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ہے جو کچھ گائے۔ ایک بدوی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ہوں۔ پھر آپ کے ارشاد پر اس نے گانا شروع کیا۔

محبت کے اجگر (سانپ) نے مجھے ڈس لیا ہے اس زہر کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ تریاق سوائے اس محبوب کے جس کی محبت میں میں وارفتہ ہوں۔ وہی میرا طبیب اور میرا تریاق ہے۔

بگزید مار عشقت جگرے کباب مارا ۔۔۔ نہ طبیب می شناسد نہ فسوں گری دوا را
مگر آں حبیب دلکش کہ ربود دل ز دستم ۔۔۔ بفسونگرے درآید بکند علاج مارا

یہ سن کر حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ نے وجد کیا یہاں تک کہ آپؐ کی ردا دمبارک آپ کے دوش مبارک سے گر گئی جب (اس حال سے افاقہ کے بعد) سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو معاویہ بن ابی سفیان نے کہا یارسول اللہؐ آپ کا کھیل کتنا اچھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا معاویہ چپ رہ! جو محبوب کے ذکر کے وقت اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے وہ شریف نہیں۔ بعد ازاں حضورؐ نے اپنی چادر مبارک کے چار سو ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم فرما دیئے۔)

بعض لوگوں نے اس کی صحت سے اختلاف کیا ہے اگر پوری تحقیق ہو کر یہ حدیث صحیح ہے تو حضرات صوفیہ

کے لیے جوازِ سماع چاک دامانی خرقہ اور حاضرینِ محفل کے درمیان اُس کی تقسیم کے لیے بہترین سند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تمّت بالخیر

الایضاح فی تتمۃ الانتصاح

حمدِ بیکراں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے جو کہ ؎

طرزِ اندیشہ آفریدۂ اوست | در تنِ لفظ جاں دمیدہ اوست
پُشتِ معنی قوی ز پہلویش | خامہ را فربہی ز بازویش

اُس کے رشحاتِ کرم قلوبِ انبیاءِ کرام کے لیے تازگی بخش اور اُس کے نفحاتِ اُنس صدورِ اولیائے عظام کے لیے فرحت انگیں۔ لاتعداد اور لامحدود درود اُس ذاتِ گرامی کو سزاوار جو ؎

تن از نور پالودہ سر چشمۂ | ولے ہمچو مہتاب در چشمۂ
تمنّائے دیرینۂ کردگار | بروئے ایزد از خویش اُمیدوار

اُس نے آپؐ کی ذاتِ پاک کو موجبِ تخلیقِ عالم اور آپ کی صفات کو آدمؑ کی تکریم کا باعث بنایا۔ آپ کی آلِ مقدسہ اور اصحابِ کرام جن کی پیروی معراجِ ولایت کی شان ہے اور اُن کی اقتداء مناہجِ کرامت کا سلوک ہے اللّٰھم صل وسلّم علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ سائر اتباعہ واولیاء اُمّتہ ھداۃ طریق الحقّ ومحی معالم الدّین۔

بعد ازاں فقیر سراپا تقصیر احقر حبیب حیدر عرض پرداز ہے کہ یہ کتاب مستطاب انتصاح عن ذکر اہل الصّلاح مصنفہ و مؤلفہ جناب عرفان مآب صدر نشین چار بالش عزّ و تمکین اریکہ آرائے و سادۂ شریعت و دین، عنقائے گوشہ گیر قافِ قناعت، شاہبازِ بلند پرواز اوجِ ولایت ہمرشدی و استادی سیّدی و سندی مرآتِ جمالِ خالقِ اکبر مولٰنا حافظ شاہ علی انور قلندر روح اللہ روحہ الاطہر و افاض علینا فیوضاتہ، فی الحضر والسّفر سلاسلِ عالیۂ قادریہ، قلندریہ، چشتیہ، سہروردیہ، فردوسیہ، طیفوریہ، مداریہ، نقشبندیہ وغیرہ کے بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک فرحت افزا صحیفہ ہے

جس کا ہر حرف قلب کے لیے فرحت بخش اور جس کی ہر سطر تزکیۂ نفس کی دعوت دیتی ہے۔ بالکل سچ ہے کہ ایسا مختصر لیکن مفصل نما ملفوظ جو صفات مذکورہ سے مالامال ہے احقر کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس کی مقبولیت کا یہ کھلا ثبوت یہی ہے کہ مسودہ ختم ہوتے ہی ابھی اُسے صاف کرنے کی نوبت بھی نہ آنے پائی تھی کہ جناب حافظ عزیز حسین صاحب مغفور کاکوروی نے جو حضرت مصنفؒ کے ایک قریبی عزیز تھے فوراً ہی بہت کم مدت میں اُسے چھپوا لیا۔ لیکن بدقسمتی سے اس انتہائی عجلت کی وجہ سے پروف کی تصحیح کی نوبت نہ آنے پائی جس کی وجہ سے بہت سی غلطیاں کتابت میں ہوگئیں۔ بلکہ بعض حالات بھی اصل مسودہ سے چھوٹ گئے جس کا حضرت مولف علیہ الرحمۃ کو بہت رنج تھا فرمایا کرتے تھے کہ اس کتاب میں اس قدر غلطیاں ہیں کہ اس کا مطالعہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنی فرصت عطا فرمائے کہ اسے حسبِ خواہش درست کرسکوں۔ چنانچہ شروع میں آپ نے کتاب کا مقدمہ اور ایک دو حال اپنے دستِ مبارک سے درست فرمائے لیکن بعد ازاں مشاغل رُشد و ہدایت کے سبب اس سے زائد تصحیح کی نوبت نہ آنے پائی۔ وصال سے دو سال بیشتر حقیر کی جانب متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس رسالہ کی تحریر اپنے ذمہ لے لو تو میں اسے بہت کم مدت میں درست کردوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں دل و جان سے حاضر ہوں جب بھی آپ کا ارشاد ہو میں اسے لکھنے کا شرف حاصل کروں گا۔ لیکن بعض رکاوٹوں نیز حضرت کی علالت وغیرہ کے سبب اس ارادہ کی تکمیل کی نوبت نہ آنے پائی اور یہ دلی خواہش پوری نہ ہوئی یہاں تک کہ ۲۷ شوال ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) کو آپ کو مرضِ وصال کی شروعات ہوگئی اور ۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) کو آپ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو کر محبوبِ حقیقی کے وصال سے مشرف ہوئے۔ ہم لوگوں پر غم و الم کا ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑا کہ ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے دل کی آرزوئیں دل ہی میں رہ گئیں اور مقاصد دینی کی تکمیل نہ ہوسکی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ اسی عالمِ حسرت و یاس میں جمادی الآخر ۱۳۲۵ھ میں ایک روز جبکہ میں بختِ نارسا کا گلہ اور بے وفائی روزگار کا شکوہ کر رہا تھا کہ میرے غم آگیں دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اپنی بدقسمتی کا گلہ مت کرو بلکہ انتصاح کی شرفِ خدمت میں لگ جاؤ تاکہ اہلِ صلاح کی صحبت کا فیض ہاتھ آوے اور کشود کار ہو جائے۔ گو کہ اپنی عدم استطاعتی اور سرمایۂ علم و فضل سے تہی دامنی ظاہر ہے لیکن یہ صرف سرفرازی اور عنایتِ بے غایت ہی ہے کہ بندۂ احقر کو اس کام کے لائق سمجھا گیا اور کتاب کی تصحیح کی سعادت اسے بخشی گئی۔ اس بندہ نوازی کو عنایتِ خداوندی کے اضافہ کا باعث سمجھتے ہوئے کمرِ ہمت باندھ کر میں کتاب مذکور کی تصحیح کی طرف متوجہ ہوا۔ چونکہ کتابت

کی غلطیوں کے علاوہ بعض بیانات بھی چھپنے سے رہ گئے تھے لہٰذا حتی الامکان میں نے وہ سب دُرست کیے کہ جس اختصار کی وجہ سے مطلب ہی فوت ہوگیا ہے نہ وہ رہے اور نہ اتنی طوالت ہو کہ ناظرین کو ناگوارِ خاطر ہو۔ قصّہ مختصر کہ آپ کی روحِ مبارکہ کی توجّہ سے بہت تھوڑی مدّت میں کتاب مذکور کی دُرستی سے میں فارغ ہوگیا آپ کے کرمِ بے پایاں کی شکر گزاری کے لیے میں نے دل و زبان کو اِس بندہ پروری کا ثناخواں بنایا۔ خدا کرے کہ یہ آپ کی روحِ پُر فتوح میں مقبول ہو تاکہ میرا حالِ پریشاں جو سراپا آلودۂ گناہ ہے آپ کی چشمِ عنایت سے سنور جائے اور اِس ہم ہمہ سے نجات ہو ے

مسکین حسن می گویدت اے وقتِ عُشّاق تو خوش

گرچہ من از ایشاں نیم در کار ایشاں کُن مرا

(بے چارہ حسن آپ کے حضور میں عرض کرتا ہے کہ آپ کے عاشقوں کا وقت اچھا گزرے۔ گو کہ میں اُن میں سے نہیں ہوں لیکن مجھ سے اُن کا کام لے لے)۔

چونکہ یہ کتاب سلاسل عالیۂ خاندانی پر مشتمل ہے لہٰذا اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت مولّف کے والد ماجدؒ کے حالاتِ سراپا کمالات جو اُن کے وصال کے بعد حضرت موصوف نے تحریرات میں درج فرمائے تھے نیز اُن دوسرے بزرگوں کے حالات جن کی اجازت سے سلاسل سبعہ اس خاندانِ عالیشان تک پہنچے۔ مثلاً حضرت شاہ عبداللہ قلندر برادر زادہ و خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن قلندر لاہر پوریؒ و حضرت شاہ خدا بخش قلندرؒ خلف اصغر و خلیفہ سیّدی حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ الہ آبادی و حضرت شاہ علی مظہر قلندرؒ خلف و خلیفہ حضرت شاہ مسعود علیؒ قلندر الہ آبادی و حضرت خواجہ حسن مودودیؒ فیض آبادی ثم لکھنوی اور حضرت مولفؒ کے بھی حالات درج کیے جائیں تاکہ یہ کتاب اس باب کی وجہ سے ایک مستقل کتاب ہو جائے اور طالبانِ حق کے لیے اصول المقصود نہ حاصل ہونے کی صورت میں کام دے اور نفع پہنچائے۔ لہٰذا حضرات موصوفین کے مختصر حالات لکھ کر آخر میں ایک فہرست دے دی گئی ہے جس میں پیرانِ سلاسل ثمانیہ کے تاریخ و سن ولادت و وفات، مدتِ عمر اور اُن کے مدفن کا بھی ذکر کردیا گیا ہے جس سے بڑا فائدہ ہوگا اور آسانی ان سب اضافہ جات کو میں نے بہ طورِ تتمّہ شامل کتاب کرنے کے بعد اُس کا نام الایضاح فی تتمّہ الانتصاح رکھا لہٰذا جو بھی اس سلسلہ میں تحریر کیا گیا سب کچھ حضرت مولفؒ کے فیضِ صحبت اور ہمت افزائی کے سبب ہے۔ اس میں میری

طبع نارسا کی نہ تو کوئی کارگزاری ہے اور نہ میرے قلمِ شکستہ رقم کی عبادت آرائی کیونکہ ؎

صرفت العمر فی لھوٍ و لعب　　　فآھا ثمّ آھا ثمّ آھا

(میں نے اپنی عمر لہو و لعب میں گزاری۔ افسوس صد افسوس حیف صد حیف)

پھر بھی ناظرین پُر تمکین اور اصحابِ علم و یقین سے اس کا متمنّی ہوں کہ اگر اس مختصر جزء کے مطالعہ سے لطف اندوز اور بہرہ مند ہوں تو حقیر سراپا تقصیر کو دُعائے حسنِ خاتمہ، سلامتی ایمان اور حصولِ عرفان سے فراموش نہ کریں۔ اور اگر کسی جگہ کوئی کمی یا غلطی نظر سے گزرے تو اس بے بضاعت کی کم علمی اور عدمِ استطاعت کے سبب معاف فرمائیں اور معترض نہ ہوں ؎

یارب بہ کمالاتِ شاہِ جیلانیؒ　　　کاندر کرم وجود ندارند ثانی

کُن باطن من پاک بہ یک جلوۂ او　　　آلودہ مکن باغرضِ نفسانی

(یا اللہ! شاہِ جیلانی غوثِ اعظم کے کمالات کے صدقہ میں وہ غوثِ اعظم جن کا کرم میں کوئی ثانی نہیں میرے باطن کو اُن کے جلوہ کے ذریعہ پاک فرما اور رُگے غرضِ نفسانی میں گرفتار نہ فرما)۔

اللہ بس باقی ہوس

ذکر قطبِ سپہرِ استقامت، کوہِ ارضِ کرامت، حجۃ العارفین، نخبۃ الواصلین ذی الشّرف العلی حضرت شاہ عبداللہ قلندر لاہر پوریؒ

آپ حضرت شاہ غلام مجتبیٰ قلندرؒ کے خلفِ رشید اور حضرت شاہ الہدیہ احمد قلندرؒ لاہر پوری کے پوتے ہیں۔ بچپن سے عہدِ شباب تک آپ اپنے والد ماجد اور دونوں چچا حضرت شاہ عبدالرحمٰن قلندر اور حضرت شاہ امین الدین قلندر کی آغوشِ کرامت میں پروان چڑھے اور علومِ ظاہری و باطنی میں کامیاب ہوئے۔ آپ قطبِ وقت اور عظیم صاحبِ طریقت اور واقفِ اسرارِ حقیقت تھے۔ یہ سچ ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی فقر و درویشی، زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار اور اتباعِ سنتِ نبویؐ میں مشہور و معروف تھی۔

یہ صحیح ہے کہ خاندان مجتبوی میں آپ کا مثل نہ تھا۔ مرشدم مرشدنا حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ اپنی کتاب اصول المقصود میں فرماتے ہیں کہ حضرت موصوف بہت بڑے بزرگ تھے اس جگہ کے رہنے والے سبھی آپ کی درویشی، لیاقت اور ولایت کے قائل تھے۔ آپ کو اپنے عم مکرم حضرت شاہ عبدالرحمٰن قلندرؒ سے اجازت خلافت تھی۔ آپ کی صفت میں کریم ابن کریم ابن کریم بالکل صادق آتا ہے۔ تمام عمر ایک لمحہ بھی یادِ خدا سے غافل نہ رہے اور ہمیشہ مخلوق سے بیگانہ اور خالق سے آشنا رہے۔ خوش قسمتی سے آپ غم دنیاوی سے بالکل آشنا نہ تھے لہٰذا چشم تمنا حق بینی ہی میں لگی رہی۔ اپنے پیرو مرشد کے بعد چھبیس سال تک مسند مشیخت پر جلوہ افروز رہتے ہوئے فیوض و برکاتِ مجتبوی سے ایک عالم کو فیضیاب فرمایا۔ چونکہ ہر صاحبِ بقا کے لیے فنا ہے لہٰذا آپؒ ۱ار ذی قعدہ ۱۲۲۵ھ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہر پور ضلع سیتاپور میں مسجد اور حضرت شاہ مجتبیٰ عرف شاہ مجا قلندر کے روضہ کے درمیان حضرت شاہ عبدالرحمٰن قلندرؒ کے مزار کے چبوترہ پر اپنے مرشد زادہ حضرت شاہ سلطان مہدی قلندر کے مزار کی مغرب سمت واقع ہے۔ آپؒ کے خلفاء میں شاہ خدا بخش قلندر الہ آبادیؒ، حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکورویؒ، شاہ علی مظہر قلندر الہ آبادیؒ، حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ غلام، حضرت قلندر لاہرپوری جو آپؒ کے داماد اور بھتیجے ہیں۔

ذکر عارفِ اسرارِ احدیت، کاشفِ رموزِ صمدیت، سراج الکاملین، مصباح العاشقین واقفِ اطوارِ ہدایت و رہبری حضرت شاہ خدا بخش قلندر الہ آبادیؒ

آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادیؒ کے چھوٹے بیٹے اور خلیفۂ برحق ہیں۔ سنِ شعور کو پہنچتے ہی اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر فقہ و تصوف کی کتابوں کا درس لینا شروع کیا اور فراغت حاصل کی۔ چونکہ آپ کی ذات میں عشقِ الٰہی کی چنگاری ازل سے ہی رکھی گئی تھی لہٰذا آپ نے ہاتھ بڑھایا اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں اپنے والد ماجد کی بیعت کی اور اذکار و اشغال، وظائف و مراقبات معمولۂ خاندانی کی ان سے تعلیم حاصل کی اور ان کے جلیل القدر خلفاء میں شمار ہوئے۔ والد

اور پیرو مرشد کی توجہ اور عنایت سے جامع فضائل و کمالات اور صاحبِ حال ہوئے۔ اذکار و اشغال قلندریہ کا جتنا درست علم آپ کو تھا کسی کو نہ تھا۔ اپنے بڑے بھائی یعنی حضرت شاہ مسعود علی قلندرؒ سے اتنی زائد محبت اور یگانگت تھی کہ کم ہی سنی گئی ہے۔ آپ کے بڑے بھائی فرمایا کرتے کہ جس نے اُن کو خوش رکھا اُس نے مجھے خوش رکھا اور آپ بھی اپنے بڑے بھائی صاحب کو اپنے مرشد کی جگہ پر سمجھتے اور اسی وجہ سے اُن کی زندگی میں ادباً ترکِ لباس نہ کیا لیکن آپ کی وفات کے بعد ترکِ لباس فرماتے ہوئے خرقۂ فقر زیبِ تن فرمایا۔ آستانہ بڑگاؤں میں جو دملگڈہ کے قریب ہے اور آپ کے دادا حضرت شاہ محمد ماہ قلندر خلیفہ حضرت سید العرفا شاہ مجتبیٰ عرف شاہ مجا قلندر لاہرپوری کی قیام گاہ ہے آپ نے سکونت اختیار کی۔ حضرت شاہ عبداللہ قلندر لاہرپوری نے بھی سلاسل سبعہ کی، اجازت خلافت موافق رسم آبائی حاصل کی۔ اپنے بڑے بھائی صاحب کی وفات کے سولہ سال بعد جبکہ آپ تمام مریدین و مسترشدین کو مقامِ فنا تک پہنچا چکے تھے مطابق آیہ شریف کُلُّ نفس ذائقۃ الموت ۱۹ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ میں محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار شریف الٰہ آباد کے قریب دملگڈہ میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں ہے وہاں جاکر زیارت اور برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ کے خلفاء میں مرشدِ مرشدنا حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکورویؒ اور آپ کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت شاہ بخشش علی قلندرؒ ہیں۔

ذکر عالم اطوار رہبری وارشاد، قائم بہ احکام شریعت نبوی موردِ فیوض و کمالات فرمیزلی مقبول ربِّ ذوالمنن حضرت خواجہ حسن مودودی چشتی لکھنویؒ

آپؒ خاندان سیادت کے سلسلہ سے ہیں۔ آپؒ کا نسب شریف بیس واسطوں سے حضرت امام علی موسیٰ رضاؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ذات قدسی صفات مرجع اہل علم و کمال اور قدوۂ اربابِ سماع و وجد و حال تھی۔ بادشاہ غازی الدین حیدر حاکم لکھنؤ کے زمانہ میں آپ چشمۂ رُشد و ارشاد اور مرجع معتقدین تھے سُنا جاتا ہے کہ بادشاہ موصوف آپ کی خدمت میں بہت خلوص و اعتقاد رکھتے اور اپنے کو آپ کے صادق مخلصین میں شمار کرتے اور ایک معقول رقم آپ کی خدمت میں نذر کرتے تھے۔ آپ کو بیعت اور

اجازت خلافت حضرت شاہ علی اکبر مودودی چشتی فیض آبادیؒ سے تھی جن کا سلسلہ چودہ واسطوں سے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ تک پہنچتا ہے۔ حضرت خاتم ولایت محمدیہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اندلسیؒ کی تصانیف اور اُن کے حقائق و معارف پر آپ کو مکمل عبور تھا۔ مرشدنا و مرشد العالم حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ سے آپ کو بڑی یگانگت و خلوص تھا جس کے گواہ خواجہ صاحب کے وہ خطوط ہیں جو حضرت صاحب کے نام ہیں۔ اسی خلوص و یگانگت کے سبب مرشد مرشدنا حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ نے سلسلۂ عالیہ قادریہ اور چشتیہ نظامیہ کی اجازت خلافت آپ سے حاصل کی۔ چنانچہ وہ اجازت نامہ جو حضرت خواجہ صاحب نے حضرت مرشدنا کے نام تحریر فرمایا ہے۔ اب بھی اس خاندان میں موجود ہے۔ خود حضرت صاحب نے کتاب مستطاب "اصول المقصود" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے وجد و حال کے اکثر واقعات میں نے بزرگوں سے سُنے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز دہلی دروازہ واقع شہر لکھنؤ[1] میں محفلِ سماع گرم تھی آپ کی حالت غیر ہو گئی اُسی حالتِ وجد میں آپ نے اپنے کو دروازہ (رومی گیٹ) پر سے نیچے گرا دیا۔ آپ کا ایک مرید جو دروازہ کے نیچے کھڑا تھا اُس نے اپنی جان پیر و مرشد پر فدا کر دی اور اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کر کے حضرت کو اُن پر روک لیا اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی

ع کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔

آپؒ کی وفات ۱۲۴۱ھ میں ہوئی۔ روضۂ شریف لکھنؤ میں درگاہ حضرت عباس سعادت گنج کے متصل واقع ہے۔ آپ کے مزار شریف کے سرہانے شجرۂ عالیہ چشتیہ بڑی ہی نفاست و لطافت سے لکھا ہے اور در و دیوار پر آیاتِ قرآنی خطِ طُغریٰ میں اس قدر خوبصورتی سے درج ہیں کہ کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپؒ کا قطعۂ تاریخ جس میں آپ کا سالِ وفات ہے روضۂ شریف کے دروازہ پر کندہ ہے ؎

تیرہ گردید جہاں در نظرِ اہلِ یقیں	گشت خورشید ہدایت چو نہاں در تہ خاک
گفت از روئے بکا سالِ وفاتش ہاتف	جانشینِ علی اکبر حسن عارفِ پاک

دیگر ایضاً

---

[1] وہ دروازہ جو اب رومی گیٹ واقع حسین آباد میں ہے۔

کرد رحلت ز جہاں سوئے جناں حضرت خواجہ حسنؒ با برکات
حسب حالش شدہ تاریخ وصال داد جاں بود بہ تکبیر و صلوٰت

۱۲۴۱ھ

ذکر بہار بوستانِ سیادت رونقِ گلستانِ ولایت آبروئے چمنستانِ کمالاتِ باسطی حضرت شاہ علی مظہر قلندر الہ آبادیؒ

آپؒ حضرت شاہ مسعود علی قلندرؒ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادیؒ کے پوتے ہیں آپ کی ولادت باسعادت تقریباً ۱۱۹۰ھ ہے۔ حق پرستی کا ستارہ آپ کی جبینِ کرامت آگیں میں جوانی سے ہی ظاہر اور بچپن ہی سے اوصافِ علوی سے آپ متصف تھے۔ والد ماجد اور جدِ معظم کی عنایات و شفقتوں سے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی۔ سُنا گیا ہے کہ حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ نے اپنا تاج ان کے سر پر رکھ کر مجا میاں (مراد حضرت شاہ مجتبیٰ قلندر لاہر پوریؒ) کہہ کر آپ کو مخاطب فرمایا کیونکہ بزرگانِ دین کے اسمِ گرامی کی مقبولیت کا بڑا اثر ہوتا ہے چنانچہ بہت کم مدت میں دُرویشی کے تمام امور اور اذکار و اسرارِ قلندری اپنے والد ماجد سے سیکھ لیے اور یدُہٗ کیدی (اُس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے) کے مطابق جانشینی سے سرفراز ہوئے۔ چنانچہ مرشد مرشدنا حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ کتاب 'اصول المقصود' میں فرماتے ہیں کہ "فقیر ایک دن اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت پیر و مرشد سے دریافت کروں کہ حضور کے جانشین کون صاحبزادے ہوں گے۔ لیکن کچھ مناسب نہ معلوم ہوا لہٰذا خاموش رہا۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت پیر و مرشد سے دریافت کر رہا ہوں کہ حضور والا کے چار صاحبزادگان ہیں سب نیک اور بہترین ہیں لیکن حضور سب سے زیادہ کس کو پسند فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا علی مظہر کو۔ صبح کو میں نے حضرت سے یہ خواب بیان کیا تو فرمایا حقیقت وہی ہے جو کچھ تم نے دیکھا اسے یاد رکھنا۔ اس سے میرا مطلب حاصل ہو گیا۔ قصہ مختصر یہ کہ آپ کی ذات والا صفات ہمت و سخاوت اور رافت و

عطاہیں الولد سرٌ لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا عکس ہوتا ہے) کی تفسیر تھی۔ مراتب معرفت و دقائق، اسرارِ توحید و حقائق اور ریاضت و مجاہدہ میں راسخ ترین سالکوں میں آپ کا شمار تھا۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد شرفِ ارادت اور خرقۂ خلافت حضرت شاہ عبداللہ قلندر لاہرپوری سے حاصل فرمایا۔ اور اڑتالیس سال کی مدت تک طالبانِ حق کی ہدایت و ارشاد اور فیض رسانی فیوضِ ظاہری و باطنی میں مصروف رہے۔ آخر کار چونکہ موت سے کسی کو بھی رستگاری نہیں ۲۰ رجب المرجب ۱۲۶۹ھ چہار شنبہ کے روز آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار شریف آپ کے نصب کردہ باغ میں الہ آباد کے مضافات کے موضع بڑگاؤں پرگنہ سورؤں میں اپنے مکان کے متصل مشرق شمال کے کونہ میں واقع ہے۔

آپ کے خلفاء میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ علی اکبر قلندرؒ اور حضرت شاہ رضا علی قلندرؒ ہیں جو آپ کے چچا شاہ خدا بخش قلندرؒ کے پوتے ہیں اور حضرت شاہ حیدر علی قلندر کاکوروی جانشین حضرت شاہ تراب علی قلندر بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔

ذکر قدوۃ الاصاغر والاکابر، جامع بین علم الباطن والظاہر، صاحبِ مقاماتِ عالیہ بل فی معنی مفادِ لفظِ قلندریہ شیخنا و جدّنا و مرشدنا مولانا شاہ علی اکبر قلندرؒ

دل تازگی از حُسنِ کلامت دارد　　جاں زندگی از سماع نامت دارد

ہر جا کہ دِلے واقفِ اسرار بود　　او نورِ صفائے زِ پیامت دارد

آپؒ اپنے والد ماجد کے سب سے عظیم خلیفہ تھے۔ بیعت سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں اپنے جدّ امجد اور مرشد ارشد حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ سے تھی۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۱ ربیع الاوّل ۱۲۴۹ھ ہے۔ آپ اپنے وقت میں بالکلیہ اس مشہور قول کے مصداق تھے "کہ صوفی وہ ہے جو کچھ نہ ہو۔ یعنی انتہائی منکسر مزاج اور بُردبار۔ آپ کا ظاہر شریعت سے آراستہ اور باطن طریقت سے پیراستہ تھا۔ حُسنِ اخلاق اس پایہ کا کہ ہر شخص یہ گمان کرتا کہ مجھ سے زیادہ مقبول کوئی اور نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی آپ کو نہ جان سکا اور نہ پہچان سکا۔ ساری عمر آپ نے کتمان اور ملامت میں گزاری اور شہرت

سے بے حد پرہیز برتنا مشہور قول الشُہرۃُ آفۃٌ والخُمُول راحَۃٌ (شہرت میں آفت ہے اور گمنامی میں راحت) آپ کے بالکل حسب حال تھا۔ اس حد تک کہ اکثر و بیشتر دنیا والوں سے سوائے دنیاوی باتوں کے اور کوئی بات نہ فرماتے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کو لفظ قلندریت کی تفسیر کہا جائے یا حلقۂ ملامتیہ کے پیشوا شمار کیا جائے تو درست ہے۔ آپ نے درسی کتابیں اپنے عم محترم حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر قدس سرہ سے پڑھیں اور ریاضت و مجاہدات اوراذکار و اشغالِ خاندانی بھی اُن سے ہی تعلیم پائے۔ آپ کی عنایت بے غایت کا نمونہ یہ ہے کہ والد ماجد کے وصال کے بعدِ فاتحہ اُن کو مطابق حکم والد ماجد خرقۂ اجازت و خلافت عطا فرمایا اور سجادۂ مشیخت پر بٹھا کر خود بہ نفسِ نفیس نذر پیش فرمائی اس کے بعد خود بھی سلاسل سبعہ کی اجازت خلافت عطا فرمائی۔ آپ کی تنقصیں اس حد تک تھیں کہ بیان نہیں کی جا سکتیں۔ فنا فی الشیخ کے مرتبہ میں ایسے تھے کہ کہیں نظیر نہیں آتا۔ اپنی حیات میں جب حضرت مولانا کا نام سُنتے تو چہرۂ مبارک کا رنگ اُڑ جاتا۔ اپنے وصال سے ایک سال پیشتر ہی بعض مریدین و مخلصین کو وصال کی خبر اشارتہً دے دی تھی۔ ۱۱ رجب المرجب کی رات کو فالج کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوا۔ چند ضروری وصیتیں ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔ وصال سے دو روز قبل آپ کا چہرہ حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندرؒ کے چہرۂ انور کی طرح ہو گیا جو آپ کی نسبت عشقی کی دلیل ہے کہ آپ نے ظاہر و باطن دونوں میں صورتاً اور سیرتاً اپنے کو فنا کر دیا اور عین اُن کی ہی طرح پاس انفاس فرماتے ہوئے اُسی شان و شوکت کے ساتھ ۱۷ تاریخ کو وقتِ شب عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ گویا آپ زبانِ حال سے ارشاد فرماتے ہوئے تشریف لے گئے ؎

من زتن عریاں شدم او از خیال   می خرامم تا نہایات الوصال

۱۷ کی صبح چہار شنبہ کے دن ۱۳۱۴ھ بعد نماز ظہر مرشدنا حضرت شاہ تراب علی قلندر کے روضہ میں اپنے والد ماجد کے پہلوئے مبارک میں دفن ہوئے۔ شیخ محمد سعید الدین کاکوروی نے ایک خوشنما گنبد اس پر بنوا دیا۔ زیارت سے مشرف ہو کر برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔

آپ کی عمر شریف چونسٹھ ۶۴ سال ہوئی۔ زندگی کا بیشتر حصّہ درس و تدریس اور رُشد و ہدایت میں صرف ہوا۔ آپ کی تصانیف میں 'اصل الاصول'، اور 'ہدیۃ المتکلمین'، ہیں جو زیورِ طبع سے

آراستہ ہوکر شائقین کے فرح ونشاط کا باعث ہوچکی ہیں جن کی تعریف وتوصیف تحریر میں ممکن ہے نہ تقریر میں۔ جس نے بھی مطالعہ کیا وہ خوب جانتا ہے ؏ خاموشی از ثنائے توحدِ ثنائے تُست

آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادے بلند اقبال جو آپ کے جانشین بھی ہیں شیخی و استاذی مُرشدی ومولائی حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ، مولوی شاہ افضل علی کاکورویؒ نبیرۂ حضرت شاہ کرامت علی صاحبؒ کاکوروی، میر سید حسین دہلوی ابن مولوی سیّد محمد دہلویؒ جو صحیح النسب سیّد ہیں اور سیّد فرزند حسین مودودیؒ ہیں جو حضرت خواجہ حسن مودودی لکھنویؒ کی اولاد سے ہیں۔

تاریخ وفات از مولوی محمد محسن صاحب محسنؔ کاکورویؒ

از جہاں افسوس شاہِ ما علی اکبر گذشت — آنکہ بود اندر بزرگیہا علی و اکبرے

جدِّ او بودہ شریکِ جزوِ نام بو ترابؓ — والدش را می تواں گفتن سمّی حیدرے

در عبادت زاہدے و در ریاضت کاملے — در طریقت مرشدے و در شریعت سرورے

در گلستانِ خموشی غنچۂ او گلبنے — در دبستانِ تکلّم حرف حرفش دفترے

باخدائے خود وصالِ او بقبولِ عاشقے — حُسن را پروردگار و عشق را پیغمبرے

بر زمینِ تکیہ محوِ عالمِ بالائے قدس — بود گویا این جہان او جہانے دیگرے

اکبرِ ما سعدِ اکبر بود بہرِ یادگار — جائے خود بگذاشت نام نیک و ماہِ انورے

نام نیکش با علی انور الٰہی دائما — باد مثلِ بارشِ نیساں ز آب گوہرے

بہرِ تاریخش بما محسنؔ ملائک گفتہ اند — بر سپہرِ قُربِ حق دیدیم سعدے اکبرے

۱۳۱۴ھ

ذکر معدنِ شریعت و طریقت مخزنِ معرفت و حقیقت صدر العلما، بدر العرفا شیخی و استاذی و من الیہ فی جمیع العلوم استنادی مرشدی و مولائی مرأت جمال خالق اکبر، ذو المناقب الاشہر مولٰنا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ

بیقدر مشک و عنبر سارا کند کسے | از زلف خویش گر گرہے وا کند کسے
ہستم بلند منزلت از یادِ قامتت | زاں ساں کہ سیرِ عالم بالا کند کسے
معلوم می شود رُخِ تابانِ تو بخط | چوں شمس بازغہ کہ تجلی کند کسے

۱۱ ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ میں آپ کے پیکرِ نورانی نے اس عالم کو تجلی بخشی۔ برگزیدگی اور ہدایت کے آثار بچپن سے ہی آپ کی جبینِ کرامت و ولایت میں ظاہر و باہر تھے۔ سات سال کی عمر میں کلام مجید کے حفظ میں مشغول ہوئے اور چودہ سال کی عمر میں فارغ ہو گئے اسی دوران علاوہ حفظِ کلام پاک کے فارسی کی درسی کتابیں بھی مطالعہ میں رہیں اُس کے بعد عربی علوم کی طرف متوجہ ہوئے صرف و نحو کی شروع کی کتابیں مصباح تک اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور اوسط و اواخر یعنی کتب تفسیر و حدیث، فقہ و منطق، کلام و معانی اور بیان و تصوف اپنے جدّ بزرگوار مرجع الفضلا و الکملا مولٰنا شاہ تقی علی قلندر قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ سلامتیِ طبع اور فطری ذکاوت و ذہانت آپ میں تھی۔ چھ یا سات سال کی عمر میں اپنے پردادا حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں بیعت ہوئے۔ نورِ سعادت ازلی کے ظہور کے سبب حضرت صاحب نے بیعت فرماتے ہی اپنی کلاہِ مبارک اُن کے سر پر رکھتے ہوئے اجازت و خلافت سلاسلِ سبعہ سے سرفراز فرمایا اور حضرت مولٰنا شاہ تقی علی قلندر قدس سرہٗ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب بھی یہ کلام مجید کے حفظ سے فارغ ہوں تو ہماری طرف سے خرقہ مع تاج جعفری کے ان کو پہنا دیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولٰنا صاحب نے آپ کی ختم کلام کی مجلس میں والدِ ماجد کے حکم کے مطابق خرقہ پہنایا۔ اُس کے بعد اذکار و اشغال اور مراقباتِ خاندانی کی تعلیم اپنے جدّ امجد حضرت مولٰنا شاہ حیدر علی قلندر قدس سرہٗ سے حاصل کی۔ ظاہری و باطنی فیوض و برکات اور علومِ ظاہری و باطنی سے استفاضہ جتنا آپ کی ذات قدسی صفات

سے صادر ہوا اتنا اس خاندان میں کسی سے بھی نہیں ہوا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے معمولاتِ خاندانی کے مطابق درس وتدریس سے فارغ ہونے کے بعد طالبانِ علم کی درس وتدریس شروع فرمائی۔ بہت لوگ آپ کے فیض سے عالم و فاضل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کی فیض رسانی آپ کے ذریعہ ایسی فرمائی کہ کوئی ایسا نہ رہا جس نے آپ سے تحصیلِ علم نہ کیا ہو۔ آپ کے شاگردوں میں کوئی ایک بھی علم سے بے بہرہ نہیں رہا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر آپ فرمایا کرتے تھے یہ سب میرے استادِ گرامی کی دعا کا اثر ہے جو یہ فرماتے تھے کہ تمہارا شاگرد بے نصیب نہیں ہوگا۔ تواضع و انکساری، سخاوت و حلم اس درجہ کا تھا کہ حاجتِ بیان نہیں۔ ہزاروں لوگ آج بھی اُن صفات حسنہ کو یاد کرتے ہیں۔ رقّتِ قلب اور گدازگیِ طبع اس حد تک تھی کہ اکثر پند و نصائح کی مجلسوں میں جب آپ زبان کھولتے تو آواز گریہ کی وجہ سے پست ہو جاتی، دونوں مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری ہوتیں اور ایسی خوش بیانی اور شیریں زبانی سے باتیں فرماتے کہ ہر شخص متاثر ہوتا۔ آپ کا جمالِ باکمال سکونِ قلب کا اس درجہ باعث تھا کہ اگر کسی شخص کو کوئی تکلیف ہوتی اور وہ حاضرِ خدمت ہوتا تو اُس کی تکلیف ایسی رفع ہوتی گویا تھی ہی نہیں۔ آپ کی طینت شریف میں بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی اس حد تک تھی کہ تمام لوگوں کے غم و الم کا مرہم اور تمام لوگوں کی فرحت و خوشی کا باعث ہوتی۔ قصّہ مختصر یہ کہ پابندی آداب شریعت، تمسّک بہ کتاب و سنّت، سلوک بر طریقۂ سلف صالح، ریاضت نفس، صبر جمیل، تحمل بر بلا، اشتغال بہ علوم دینیہ، تحقیق و تدقیق، مجالستِ فقراء، استغنا از اغنیا، حُزنِ طویل در دِل، گِریۂ تمام دروجہ، تفقدِ اخوان، تراحم بر احوالِ مسکینان، رعایتِ طریقۂ اعتدال یہ سب صفاتِ حسنہ جامع جن کا آپ مجموعہ تھے کسی دوسرے میں نظر نہ آئیں ؎

چہ گویم آں شہِ خوباں کہ از خوبی چہا میداشت　　　برعنائی و زیبائی ہمہ شانِ خدا میداشت

ملامت و کتمان کا طریقہ اسلافِ کرام کے مطابق آپ کا بھی معمول تھا اور اسی صفت کو اپنے مقامات اور درجاتِ عالیہ کا ایسا پردہ بنایا اور ایسے گوشۂ گمنامی کو اختیار کیا کہ تمام عمر کوئی نہ جان سکا کہ آپ کی ذاتِ گرامی کن کمالات پر فائز ہے۔ کنزِ مخفی کی شان ایسی ثابت کی جیسے حسبِ ظہور ہوا ہی نہیں۔ کافی لوگ اپنی جگہ پر سمجھتے رہے کہ آپ صرف عالم و فاضل ہیں فقر سے آپ کو کوئی سروکار نہیں حالانکہ اسرارِ باطنی، رموزِ سرمدی اور اسرارِ توحید و عرفاں کا آپ کا قلب مبارک گویا ایک پوشیدہ خزانہ تھا جو آپ

کے زمانہ میں کسی کو نصیب تھا۔ اظہارِ گمنامی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ راقم الحروف نے ایک روز عرض کیا کہ حضور کے ملفوظاتِ عالیہ کو تحریر میں لانے کا خیال ایک مدت سے دل میں ہے۔ دل بار بار کہتا ہے کہ اسے کر ڈالو مگر مصروفیت اجازت نہیں دیتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا "کیا ضرورت ہے" اور یہ شعر پڑھا ؎

پوشیدہ بھلا ہے خونِ عاشق جانے دو بس اِس پہ خاک ڈالو

بعد میں پھر میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کیا مضائقہ؟ اب میں اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ آپ کا ملفوظ جو میرے دل میں پوشیدہ ہے قلم کے ذریعہ مریدین و مخلصین کے لیے فرحت بخش ہو اور جس طرح آپ کی ذاتِ باکمال عالمِ حیات میں مسترشدین کے قلوب کو سکون بخشنے والی تھی اسی طرح بعد وفات بھی آپ کے حالاتِ عالیہ فرحت بخشِ ناظرین ہوں

آپ نے خرقۂ خلافت پہلے اپنے پردادا حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندرؒ سے دوبارہ اپنے جدّ امجد حضرت مولانا شاہ حیدر علی قلندر قدس سرہٗ سے اور تیسری بار اپنے جدّ امجد اور استاد معظّم حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندرؒ سے اور چوتھی بار اپنے والدِ ماجد مولانا شاہ علی اکبر قلندرؒ سے حاصل فرمایا۔ ایسی مرجعیت اور جامعیت آپ کو حاصل ہوئی کہ قلم کے بیان سے باہر ہے۔ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد معمولِ خاندانی کے مطابق ترکِ لباس فرماتے ہوئے سجادۂ عالیہ کاظمیہ کے صاحبِ سجادہ ہوئے اور ایک عالم کو اپنے مسترشدین کی شکل میں فیوض و کمالات کے انوار سے مشرف فرماتے رہے۔ علاوہ مسلمانوں کے بہت سے ہندو بھی آپ کے سچّے مخلصوں میں تھے۔ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو ابتدا سے انتہا تک آپ کے حلقہ بگوشِ ارادت رہے اور اپنے کو پروانوں کی طرح اُس شمع لاہوتی پر نثار کرتے رہے۔ علمِ تصوّف میں عموماً اور علمِ حقائق و معارف میں خصوصاً آپ کی بہت سی تحریریں موجود ہیں۔ آپ کی تصانیف عالیہ جو صوفیائے کرام کے لیے حرزِ جاں ہیں اس پر صاف گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ سب کو زیورِ طبع سے آراستہ فرمائے۔ اُن تصانیف سے آپ کے تبحّرِ علمی اور علمِ تصوف کے بحرِ زخّار ہونے کا پتہ چلے گا۔ ترقیاتِ ظاہری و باطنی جتنی آپ کی ذات بابرکات سے ہوئیں اُتنی اس خاندان میں کسی کے حصہ میں نہ آئیں۔ کہاں تک اُن کو لکھا جائے۔ اپنے وصال سے چند سال پیشتر مخلصین کو اپنے وصال کی خبر سے آگاہ فرماتے رہتے لیکن کسی کو بھی غفلت کی وجہ سے جو آپ سے

خلوص و محبت کے سبب تھی اس کا یقین ہی نہ ہوتا باوجود اس کے کہ کسلمندی جو کہ درحقیقت جاذبۂ الٰہی تھی روزانہ آپ کو لاحق رہنے لگی۔ لیکن معمولی علاج سے سکون بھی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ کو سلسلۂ علالت مستقل ہوگیا اور روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ حاضرینِ مجلس سے تسلّی و تشفّی کی خاطر اکثر فرماتے رہتے کہ غمگین مت ہو عنقریب ہم کو صحت حاصل ہوگی۔ اگر کسی کو بہت زیادہ پریشان پاتے تو خیالاتِ پریشان کو اس طرح اُس کے دل سے دُور فرماتے کہ دوبارہ اس قسم کا تکلیف دہ خیال اُس کے دل میں مطلق نہ آنے پاتا۔ مختصر اِیں کہ چونکہ عشّاقِ الٰہی اور مشتاقانِ جمالِ ایزدی کے لیے ایک لمحہ بھی فراق میں گزارنا دشوار ہے اور وہ ہمیشہ وحدتِ حقیقی کے طلبگار رہتے ہیں۔ ۱۵ ذی الحج سے علالت میں شدّت ہوگئی اور پھر اصلاح نہ ہوئی۔ بیماری کی جو تکالیف آپ نے برداشت فرمائیں وہ بیان سے باہر ہیں سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ یہ بھی وجہ صلابت فی الدین اور باعثِ رفعِ درجاتِ عالیہ بلکہ مرتبۂ قطبیت کے لوازم میں شامل ہے مطابق حدیث شریف اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل والامثل (سب سے زیادہ تکلیف اٹھانے والے لوگ اللہ کے نبی ہوئے ہیں اس کے بعد اُن کے مثل اُس کے بعد اُن کی طرح کے لوگ)۔ ۲۰ ماہ محرم الحرام روز جمعہ جس کی صبح شامِ غم سے زائد تاریک تھی اور جس کی شام صبحِ قیامت سے زائد تاریک تھی۔ صبح کے وقت سے ہی نظامِ نبض میں گڑبڑی ظاہر ہوئی۔ ظاہری اعتبار سے سوا کمزوری کے اور کچھ نہ تھا۔ کوئی بھی آثار ایسے نہ تھے جن سے معلوم ہوتا کہ آج ہی کا دن ہم پر قیامت کا دن ثابت ہوگا۔ یہ پتہ ہی نہ تھا کہ اسی دن فلکِ قلندریہ کا یہ آفتاب غروب ہوگا۔ جمعہ کی نماز کے وقت زبانِ مبارک سے کئی بار یہ جملہ نکلا "نمازِ جمعہ سے جلدی سے فراغت کرلی جائے"۔ آخر کار نمازِ عصر کے بعد مرتبۂ تشبیہاتِ عبدیتِ جسمانی سے مرتبۂ اطلاقِ صفاتِ الوہیتِ رحمانی فرمایا یعنی حضور کی روح مبارکہ قفسِ عنصری سے پرواز کرکے معشوقِ حقیقی سے مل گئی۔ افسوس صد افسوس ؎

تا گشت شمع روئے تو از انجمن جُدا — پروانہ در فراقِ جُدا سوخت من جُدا
ہر یک بیادِ زلف و رخش می خورند خوں — ریحاں جُدا بنفشہ جُدا، یاسمن جُدا
از یک نگاہِ نازِ تو در کوہسار و دشت — مجنوں جُدا فریفتہ شد کوہکن جُدا

آپؒ کی ناوقت رحلت سے چھوٹے بڑے ہر ایک کو ایسا صدمۂ جُدائی تھا کہ بیان سے باہر

ہے۔ ہر شخص غم والم کا مارا اور ہر ایک درد اور افسوس کا مرقع۔ بعض کے دل رو رہے تھے اور بعضوں کی آنکھیں۔ ایک عظیم گروہ اس حادثے سے مضطر اور ایک بڑی جماعت یہ واقعۂ جانکاہ دیکھ کر محزون و غمگیں۔ ۱۲ محرم کی صبح کو تجہیز و تکفین سے فراغت کرنے کے بعد نماز ظہر حضرت مرشدنا شاہ تراب علی قلندرؒ کے روضۂ اقدس کے پورب سمت جو افتادہ زمین تھی جس پر اکثر اپنے مزار کے لیے فرمایا کرتے تھے جسدِ اطہر کو سپرد خاک کیا گیا۔ لوگ الوداع کہتے ہوئے روتے دھوتے واپس آئے ؎

صبا گشتم غبارِ راہ گشتم جستجو گشتم　　نمی یابم سراغ رہ روِ راہِ عدم اے دل

وفات کے پانچ روز بعد آپ کے مخلص واثق اور مریدِ صادق نواب عبدالکریم خاں صاحب نے روضۂ اقدس اور چہار دیواری کی بنیاد رکھتے ہوئے مریدین کے زمرہ میں اپنے کو سربلند کیا۔ نواب صاحب موصوف اور ان کے خدام کی کوششوں کی بدولت روضۂ اقدس تیاری کے قریب ہے صرف گنبد کی تعمیر باقی ہے۔ عمارت میں اس قدر صفائی اور نفاست ہے کہ بیان سے باہر ہے بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جو وسعت، کشادگی اور فرحت و برکت اس جگہ ہے اسے کیا کہا جائے سوا اس کے کہ ؎

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود　　بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود

آپؒ کے خلفاء میں حضرت مولنا شاہ ولایت احمد صاحب لاہرپوری خواہر زادہ مولنا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب لاہرپوری سجادہ نشین آستانۂ فیض کاشانہ حضرت شاہ مجا قلندر لاہرپوریؒ اور جناب حکیم شاہ محمد رضا معروف بہ مسافر شاہ ساکن اٹاوہ نیز دیگر مخلصین اور آپ کے صاحبزادگان سلمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

قطعہ تاریخ وفات حضرت صاحب از قاضی نورالحسن صاحب صفی پوری ہاشمی :-

بکت الارض والسماء دماً　　دخل الجنة علی انور

فات من کان شهرة العلما　　هاشمی قال عام رحلته

۱۳۲۴ھ

ایضاً

فاز فی الخلد طالب المولیٰ　　مات من کان حافظ القرآن

مہرِ انور بچرخِ عالم بود — ہمہ تن نور بود مردِ خدا
ما رأینا کخلقہٗ فی الخلق — ما سمعنا نظیرہٗ حاشا
نور بر نور علم با عمل ست — قلبِ انور بہردو جلوہ نما
مات من لیس مثلہ بشر — کان فی العلم اکرم الفضلا
حافظ دینِ احمدی رفتہ — بہ غمش ماتم چو حشر بپا
نِم کنومِ العروس قال لہٗ — أحرق قلبی آہ واویلا
بستمیں از مہِ محرّم آد — شُد ز دار فنا بہ ملکِ بقا
گشت روزِ جہاں سیاہ چو شب — رفت مہرِ سپہرِ جود و سخا
مہرِ ایماں بماہِ عرفاں داشت — گشت پنہاں بہ زیرِ ابرِ فنا
ہاتفی روشن ست سالِ وصال — مہرِ انور بہ اوجِ خُلد صفا

۱۳۲۴ھ

عرضِ حال از مترجم (ضمیمہ و اضافہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الظلمۃ والنور وانزل النور علی الطور وزین الطور بالنور کما زین السماء بلقاء الحضور الذی ھو النور علی النور ای النور اللامع والنور الساطع الذی قیل لہ واللہ متم نورہ۔ النور الذی قد ظھر فی صورۃ احمد حیث قال النور اول ماخلق اللہ نوری وقال اللہ تعالیٰ فخاطبالہ کن محمدا فقد ظھر نورہ وتجلی شھودہ ثم اراد الوجود ان یشھد بہ فشھد الشھود وبدأ المشھود وھو الشاھد وھو المشھود ھو الخالق وھو المخلوق ھو الناظر وھو المنظور وھو المحب وھو المحبوب وھو القادر وھو المقدور وھو الباسط وھو المبسوط وھو الستار وھو المستور وھو الرافع وھو المرفوع وھو الھادی وھو المھدی وھو الاول وھو الآخر وھو الظاھر وھو الباطن وھو الاحد وھو الاحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ والصلوٰۃ والسلام علیک یاخیر خلق اللہ ؎

" وابیض یُستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل "

(وہ گورا چٹا (یعنی نور کا مرکز) آسمان کے بادل جس کے وجہ جمیل سے سیراب ہوتے ہیں جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی عصمت ہے)

توحید و تصدیق رسالت، عشق رسول اور فنائیت تامہ کے بحر ناپید اکنار میں اپنے وجود خاکی و عنصری کو غرق کر دیجئے تب ہی نعت پاک کے اس حسین شعر کا مفہوم نہ صرف سمجھ میں

آئے گا بلکہ دل کے تاریک نہاں خانوں کو مثل شمع آفتاب روشن کردے گا جس سے تاریک نہاں خانے جگمگا کر رشک طور بن جائیں گے اور جلالِ حسن ایسا محوِ جمالِ یار کرے گا کہ آپ جناب مرحوم کی زبانِ دل سے اس شعر کی مجسم تفسیر بن جائیں گے ؎

اک برقِ ادا خرمنِ ہستی پہ گرا کر

نظروں کو مری طور کا افسانہ بنا دے

عربی زبان میں حرف "و" قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی جگہ "والضحیٰ" کے ذریعہ روئے محمدؐ کی تابانیوں سے جہانِ آرزو کو منور فرمایا تو کہیں "واللیل" کے ذریعہ گیسوئے محبوب کی مہک سے مشامِ جاں کو معطر فرمایا ؎

دی صبا پُر مشک آمد سویم از کوئے حبیبؐ — مست و شیدا شد دلم زاں نکہت و بوئے حبیبؐ

یک نگاہِ مست او صد جان و دل کردہ خراب — سحر دارد بہر جا نہا چشم جادوئے حبیبؐ

اُس گیسوئے برہم کی اُڑا لائی ہے نکہت — آوارگی باد صبا میرے لیے ہے

کہیں "والشمس" کے ذریعہ اس آفتاب عالمتاب کے وجودِ سراپا جود کو "لا اُحب الآفلین" کا مرکز ٹھہرایا تو کہیں "والنہار" کے ذریعہ اُس صبح ازلی وابدی کی نوید دی جہاں صرف سحر ہی سحر ہے نہ شام ہے نہ شبِ تاریک۔

ابتدائے کلام قسم سے اور قسم بھی کس کی "والبیض" یعنی گورا چٹا جبکہ آقائے نامدار صلعم خود فرماتے ہیں۔ "انا ملیحٌ واخی یوسف صبیحٌ۔" (میں ملیح ہوں (نمکینی لیے ہوئے) اور میرے بھائی یوسفؑ صبیح تھے (گورے چٹے))۔ فرمانِ رسالت سے بخوبی واضح ہے کہ "والبیضؑ" سے مُراد نورِ ازلی ہے اس لیے کہ سفیدی کی انتہا نور کہلاتی ہے جب قسم اُس نورِ مجسم کی کھائی جائے جو ابتدائے کلام یعنی "الحمد" کی الف ؏ احد سے احمد بن کر آیا ___ تو بھلا رحمتِ باری تعالیٰ کیونکر جوش میں نہ آئے گی ؎

لک بدرٌ فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل

اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم دو بوند اِدھر بھی گرا جانا

نظامِ قدرت ہے کہ بادل کشتِ مراد کو سیراب کرتا ہے لیکن یہ بھی نظامِ قدرت بامعینِ مشیتِ رب ہے کہ "وابیض" یعنی روئے تابانِ محمدیؐ بادلوں کی سیرابی کا وسیلہ ہے ع

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

"کلٌّ فی فلکٍ یسبحون" کا بھی یہی مطلب ہے کہ سارا نظامِ کائنات مسخّر و مطیع ہے اُس ذاتِ والا صفات کا جو "لولاک لما خلقتُ الافلاک" کا مصداقِ اعلیٰ ہے۔

آسمان کے بادل جو پیاسوں کی پیاس بجھاتے ہیں، جو پیاسی دھرتی کو سیراب کرتے ہیں، وہ بھی محتاج ہیں اُس رحمتِ عالمؐ کے جو کائناتِ ارضی و سماوی کے لیے ابرِ رحمت بن کر آیا۔ کیا یہ ابرِ رحمت "اللہ غنیٌّ وانتم الفقراء" کی تفسیر معنوی نہیں؟

اب آئیے لفظِ "وجہ" ۔ آیۂ کریمہ "کل شیٔ ھالک الا وجہہٗ" ۔ "وجہہ" کو روئے انورؐ کہیے "وجہ اللہ" یا "ید اللہ" کہیے۔ "ید اللہ فوق ایدیہم" اس پر گواہ ہے کہ "ید" ایک ہی ہے "وجہہ" ایک ہی ہے اور اسی "وجہہ" کے لیے ارشاد ہوا "کل شیءٍ ھالکٌ الا وجہہٗ"۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں "انّی وجہتُ وجہیَ للّذی فطر السماوات والارض" اور وجہ اللہ محمد عربی کی بھی اصل ہے "اینما تولوا فثمّ وجہ اللہ"۔

وہ نورِ مجسم، بادل جس کے وجودِ سراپا جود سے سیراب ہوتے ہیں جس کے فیض سے جس کی گرمیٔ محبت کے ذریعہ قطراتِ آبِ خُشک زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ اُس کا وسیلہ! "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ" حکم ہے مومنین کو موقنین کو اور "اللہ ولی الذین آمنوا" کی روشنی میں ہر مومنِ صادق اللہ کے ولی کو۔ صدقے جائیے اُس سردارِ اولیاء و اصفیاء کے جو ولایت کے خزانے لُٹا رہا ہے جو صفوت کا تاج انبیاء علیہم السّلام کو پہنا رہا ہے۔ جو کریم بھی ہے اور مکرم بھی۔ رحیم بھی ہے اور محرم بھی ؎

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

"ثمال الیتامیٰ" یعنی یتیموں کا ملجا و آویٰ۔ لفظِ "یتامیٰ" کے جلو میں کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کے جلوے تو نہیں؟ "یتامیٰ" کی ضمیر اُس "درِ یتیم" کی طرف راجع تو نہیں جو خود اپنی پناہ اور خود اپنا ماویٰ ہے جس کی حفاظت کا گواہ "واللہ متمّ نورہ ولو کرہ الکافرون" کی

نقشِ جلی ہے۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ خود رندِ سبو کش

خود بر سرِ آں کوزہ خریدار برآمد بشکست و رواں شد

اُس "دُرِّ یتیم" کی حفاظت کی ظاہری ذمہ داری تو حضرت ابوطالب کو سونپی جاتی ہے لیکن اُس کی نگہبانی و حفاظت کا حقیقی ذمہ دار خود ابوالقاسم محمد بن عبداللہ نورٌ من نور اللہ ہے۔

"عصمۃٌ للارامل" بیواؤں کی عصمت۔ "لاعاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم" سبحان اللہ! لفظ عصمت کیسا پیارا وصف ہے اور کیسا بلیغ۔ وہ معاشرہ جہاں بیوہ کی عصمت و عفت کوئی معنی نہیں رکھتی وہاں وہ ذات بلند درجات رانڈوں کی عصمت بن جاتی ہے۔ یعنی علائق دنیوی سے اُن کا عاصم۔ یہ کیسا عاصم ہے جو ازل سے ابد تک معصوم اور جن کے دامن کو تھامنے والے معصومیت سے قریب تر ہے

عصمت کے دائرہ کو سجا خیلِ قدسیاں
آنکھیں بچھا تموجِ انوارِ کہکشاں

سلام ہو اُس نور پر جو سحاب رحمت بن کر کائنات ارضی و سماوی کو ازل سے ابد تک سیراب کرتا رہے گا اور صلوٰۃ اُس فخرِ موجودات پر جو یتیموں، اسیروں، رانڈوں اور بیواؤں کے دامنِ مراد کو لعل و گہر کی کان بناتا رہا ہے اور رہے گا

ترا فیض ازل سے ابد تک ہے جاری جہانے بجا کل گرفتار داری
بہ ہر مو ہزاراں سیہ کار داری

قطب الاقطاب وارث الانبیاء سلطان المحبوبین قائد الغر المحجلین حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر نور اللہ ضریحہ الاطہر نے "انتصاح عن ذکر اھل الصلاح" تحریر فرما کر جہاں ہم کور چشموں کے لیے سرمۂ کیمیا فراہم کیا وہیں قطب الارشاد، زبدۃ الاصفیا روح المتوسلین حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر نور اللہ مرقدہٗ نے "ایضاح تتمۃ الانتصاح" کے ذریعہ ہم جیسے خفاش چشموں کو رونقِ بازارِ آفتاب کی جلا بخشیوں سے چکا چوندھ ہونے کا حوصلہ بخشا۔

بڑی ناانصافی ہوتی اگر نورِ مجسم پیکرِ تقویٰ عظمتِ حرم شمعِ تقدس پنجتن پاک کے ان

یا پانچ جگر گوشوں کے حالات کو شامل کتاب نہ کیا جاتا۔ لہٰذا "انشراح تتمۃ الایضاح کے ذریعہ اوراق پریشاں کو منتشر اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر ڈالا ہے۔ دیدۂ بینا سے درخواست ہے کہ اس نابینا کی سعی ہائے لاحاصل کو درگزر فرمائیں ؎

آں شمس بگذشت از جہاں ایں شمس آمد ناگہاں

آں عین این این عین آں ھذا جنون العاشقیں

(۱) خداوند نعمت حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ

(۲) خداوند نعمت حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندرؒ

(۳) خداوند نعمت حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ

خداوندان نعمت مرشدنا و مولانا حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر و حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہما العالی الی مرور الایام و اللیالی

میری کاوش کو اس کتاب میں عشر عشیر بھی دخل نہیں اس کے حقیقی اور معنوی فاعل "الدالّ علی الخیر کفاعلہ" کے مصداق اخی العزیز اعز من فوادی وکبدی راحت قلب و جگر عزیز گرامی ڈاکٹر مسعود انور علوی سلمہ اللہ القوی ہیں۔ جو نہ صرف میرا چھوٹا بھائی ہے، میرے ملجا و ماوی بلکہ میری کل کائنات مرشد برحق روحی و قلبی فداہ کا نور نظر بھی۔ اس دعا کے ساتھ ؎

میاں مسعود انور واہ کیا پایا مقدر ہے

تمہارے بخت کا کوکب جو ہے مسعود۔ انور ہے

ننگ خدام مرشدی

عین الحیدر علوی الکاظمی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

ذکرِ سلطان المجوبین وارث الانبیاؑ قدر قدرت خداوند نعمت حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ

حبیبٌ لیسَ یعدلہ حبیبٌ — وَمَا لِسوَاہ فِی قَلبِی نصِیبٌ
حبیبٌ غابَ عن عَینی وجسمی — وعن قلبی حبیبیؐ لا یغیبُ

(میرا حبیبؐ جس کی برابری کوئی بھی حبیب کر ہی نہیں سکتا میرے قلب میں اُس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ وہ حبیبؐ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا میرا جسم اُس کو نہیں پاتا لیکن میرے قلب سے میرا حبیبؐ کسی بھی لمحہ غائب نہیں)۔

یہ ہیں وہ دو اشعار جو حضور سرورِ کائنات سرتاج انبیاء و مرسلین رحمۃٌ للعالمین محبوبِ ربّ المشرقین والمغربین مولنا و مولی الثقلین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانحۂ ارتحال پر مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی زبانِ مبارک پر تھے۔ جو نہ صرف اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہیں بلکہ خاتم الانبیاءؐ صلعم کی حیاتِ طیبہ کی مکمل تفسیر۔ دنیا کا کوئی بھی حبیب علی کے حبیب کی برابری کیسے کر سکتا ہے وہ حبیب جو خالقِ کائنات کا حبیب ہے۔ علی کے قلب و جگر میں اُس حبیب کے سوا کسی کا گزر ہی کب تھا۔ وہ حبیب جو علی کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہوا تھا لیکن علی کی باطنی نگاہ علی کا قلبِ مصفّٰی و مجلّٰی تو ہمہ دم اُسی جمالِ باکمال کا آئینہ تھا۔

سلطان المجوبین حضرت مولنا شاہ حبیب حیدر قلندر روح اللہ روحہ الاطہر کا ذکر آئے اور اُن کے جدِّ اعلیٰ حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ بالا اشعار کیسے نہ نوکِ قلم پر آئیں جو بلاشبہ حبیب بھی تھے اور حیدر بھی۔ حضرت کے ایک فدائی مولوی معراج الدین خسروؔ کاکوروی کیا خوب فرماتے ہیں ؎

افسانۂ محبّت کا عجیب اپنا ہے — اللہ کا محبوب حبیب اپنا ہے
خسروؔ یہ رہی جاتی ہے جی کی جی میں — کس منھ سے کہوں کون رقیب اپنا ہے

رُشد و ہدایت کا یہ آفتاب اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ ۷ ؍شوال المکرم ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۲ء) کو طلوع

ہوا جب حضور شکم مادر میں تھے تو آپ کی رشتہ کی ایک نانی نے حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراؑ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی والدہ صاحبہ کا نام لے کر فرمارہی ہیں کہ یہ انار ان کو دے دو۔ بنت رسول حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰت اللہ علیہا کی بشارت ایک مژدۂ جانفزا تھی کہ یہ بچہ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہوگا جس کے لیے ارشاد ہوا ہے

ایں سلسلہ از طلائے ناب ست　　　ایں خانہ تمام آفتاب ست

اور اسی آفتاب عالمتاب کی تابانیوں نے دلوں کے سیہ داغوں کو شمع شبستاں بنادیا۔ جن لوگوں نے حضور کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا ہے وہ گواہ ہیں کہ آپ کا حسنِ جاوداں اِنَّ اللہَ خَلَقَ آدمَ علیٰ صورتہٖ کی تفسیر اور اللہُ جمیلٌ وَّ یُحِبُّ الجمالَ کی تصویر تھا۔ جبینِ کرامت آگیں میں ستارۂ بلندی ایسا ظاہر و باہر تھا کہ ہر شخص کہتا تھا کہ ایک روز یہ تارہ رشکِ صد آفتاب و ماہتاب ہو کر رہے گا۔ چھ ماہ کی عمر میں حالت شیر خورگی میں تربیت باطنی شروع ہو چکی ہے۔ وارثِ انبیا روم سلیمن حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ کی آغوش تربیت میں نہالچہ پر لیٹا ہوا یہ بچہ اُطلبوا العلم من المھد الی اللحد کی وہ دلکش تصویر نظر آرہا ہے جسے دیکھ کر ملائکہ گواہی دے رہے ہیں من سَعِدَ سُعِدَ فی بطنِ اُمّہٖ۔ حضور کا سینۂ بے کینہ تجلیاتِ ربّانی کا ایسا خزینہ بن گیا جس کی منور کرنوں سے ایک عالم فیضیاب ہوا۔ وہ نظر جس کی طرف بھی اٹھی اُسے مئے معرفت سے سرشار کردیا ہے

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دَور　　　نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

چار سال کی عمر میں تعلیم ظاہری کا سلسلہ شروع ہوا اور اُنتیس سال کی عمر میں جملہ علوم معقولات و منقولات سے فراغت ہوئی۔ مشاغل رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس اور ورزش جسمانی کا سلسلہ شروع سے جاری رہا۔ بچپن سے ہی اذکار و اشغال کے پابند رہے عنفوانِ شباب میں مسجد تکیہ شریف میں مشغولی فرماتے اور سرور کائنات صلعم کی زیارت سے بہ چشم ظاہر مشرف ہوتے۔

۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ یعنی وارث الانبیا حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر نور اللہ ضریحہ الاطہر کے سیوم کے روز آپ نے ترک لباس فرما کر خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا اور سجادۂ خانقاہ کاظمیہ کو اپنے وجودِ سراپا جود سے رونق بخشی۔ تیس سال کی مدت تک مسند ارشاد پر فائز رہے طالبین کو فیوض و برکات سے مالا مال فرماتے رہے۔ رُشد و ہدایت کے سلسلے کے ساتھ ساتھ درس و تدریس،

اور تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے۔ جو بیش بہا تصانیف آپ کے خامۂ فیض رقم کا اثر ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایضاح یعنی تتمہ کتاب انشراح عن ذکر اہل صلاح ۲۔ مکاتیب حبیبیہ

۳۔ نسب نامہ حضرت سید العرفا حضرت شاہ مجا قلندرؒ ۴۔ مفاوضات

۵۔ فیوض مسعودیہ ۶۔ مواہب القلندر لمن تطالع الروض الازھر والحوض الکوثر

۷۔ الدرۃ البیضاء فی تحقیق صداق فاطمۃ الزھراء ترتیب، ۸۔ ارمغانِ آزادیہ

۹۔ الکلمۃ الباقیہ فی الاسانید والمسلسلات العالیۃ

۱۰۔ تنویر الہیاکل بذکر اسناد الاوراد والسلاسل

۱۱۔ شجرات المشائخ موسوم بہ مناہج الطریقت فی ذکر سلاسل المعرفت

۱۲۔ رسالہ الشرف المبین بذکر معراج سید المرسلینؐ

۱۳۔ رسالہ تسکین الفواد بذکر عید المیلاد ۱۴۔ انشائے حیدری

حضور کی پوری حیات طیبہ سنتِ نبوی صلعم کی تفسیر ہے اوصاف نبوی کا حسین مجموعہ آپ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کے برادر اصغر خداوند نعمت حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ الاطہر کی تصنیف لطیف "تذکرۂ حبیبی" جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ کتاب مذکور کی ایک ایک سطر مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کے مصداق عطر بیز در وجد آگیں ہے جس میں حضور کے کمالات، ارشادات، واقعاتِ کشف و کرامات ایسی خوبصورتی سے بیان فرمائے ہیں کہ دل کی گہرائیوں کو نور و نکہت سے معمور فرماتے ہیں۔

خداوند نعمت حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر روح اللہ روحہ الاطہر جو آپ کے چھوٹے بھائی، جانشین اور خلیفہ تھے اپنی لاجواب تصنیف "اذکار الابرار" میں آپ کا ذکر فرماتے ہوئے کیا خوب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ ہمہ تن کانِ صدق وصفا جانِ مروّت و وفا مجمع اوصافِ حمیدہ و خصائل پسندیدہ بالخصوص نہایت متحمل مزاج و بُردبار و متقی و متورع تھے۔"

حضور سرورِ کائناتؐ کی خاص صفت جس نے حضور انور صلعم کو مقام محبوبیت پر فائز کیا یہ تھی

کہ آپؒ اپنی عبودیت پر ناز فرماتے تھے نہ کہ نبوت پر اور عبودیت کا کمال یعنی نیاز مندی اس حد تک کرے ع آنچہ از دوست می رسد نیکوست۔ چونکہ حضرت موصوف آئینۂ جمالِ رسالت تھے لہٰذا راضی برضا ہونے کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ یکے بعد دیگرے آپ کی متعدد اولادیں قضائے الٰہی سے فوت ہوتی گئیں اور آپ کا قدم جادۂ استقلال سے سرِ مُو نہ ہٹنے پایا۔ آپ اظہارِ مشیخت سے بہت نفرت فرماتے۔ طبیعت میں تواضع وانکسار اس درجہ کا کہ حضرت باقی باللہ کا یہ شعر یاد آئے ؎

خاک اند جماعتے کہ مُردند ہستی بخدائے خود سپردند

(یہ جماعت ایسی ہے جو مجسم خاک ہوگئی ہے اور اپنی ہستی کو پوری طرح خداوند تعالیٰ کے سپرد کر رکھا ہے)۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیشمار صفاتِ حسنہ میں ایک خاص صفت اعتدال اور میانہ روی تھی۔ آپ کی ذات ستودہ صفات میں بھی علاوہ دیگر خصائلِ محمودہ کے میانہ روی اور اعتدال کی صفت بہت نمایاں تھی۔ حلم و بردباری، وضعداری، جود و سخا، اِخفا و کتمان، نفاست و لطافت، داد و دہش اور بخشش و عطا ان سب صفات کا سرچشمہ آپ کی ذاتِ مبارکہ تھی۔

حضور کی زبان فیض ترجمان کے نکلے ہوئے چند گوہر ایسے ہیں جو درحقیقت اسرار و حِکَم کا ایک خزینہ ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں کتاب اذکار الابرار، تذکرۂ حبیبی، تذکرۂ گلشنِ کرم۔

اکثر ارشاد فرماتے ؎

"ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد"

(یعنی جو شخص بھی ہم کو دُکھ اور تکلیف پہنچائے ہم اُس کی زیادہ سے زیادہ راحت کے دعا گو ہیں۔ اُس کی باغِ عمر کا ہر ہر شگوفہ بغیر کانٹے کے ہو (یعنی عمر کے کسی حصّہ میں اُسے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے))۔

واقعی یہی شانِ حبیب الرحمٰن ہے جن کے سرِ اقدس پر وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کا تاج ہے۔

ارشاد عالی ہے: "داد و دہش اور عطا و بخشش مستحق اور غیر مستحق سب کے لیے عام رکھنا چاہیئے تاکہ رزّاقِ حقیقی کے نوالِ رحمت سے خود بھی بلا استحقاق ہمیشہ بہرہ یاب رہے۔"

اور یہی شانِ مرتضوی ہے کہ مولائے کائناتؑ کی بخشش وعطا مستحق اور غیر مستحق سب کے لیے عام رہی۔ حتیٰ کہ قاتل شقی بھی مولائے کائناتؑ کی بخشش وعطا کا حقدار بنا۔

سیرتِ طیبہ تو سراسر نور کے پیکر میں ڈھلی تھی اسی کے ساتھ وجاہت ظاہری اس پائے کی کہ بے اختیار غالب کا یہ شعر یاد آئے ؎

منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نور کی — قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی

قدِ مبارک گو کہ میانہ لیکن سب سے ممتاز سب سے مُنفرد اور سب سے بلند و بالا ؎

نخلِ قدش کہ از چمنِ جاں برآمدہ — شاخِ گلے بصورتِ انساں برآمدہ

(آپ کا نخلِ قد جو چمنِ جاں سے نکلا ہوا ہے گویا ایک شاخِ گل جو انسانی صورت میں جلوہ گر ہے)۔

اور وہ شاخِ گل ایسی تھی جس کے خزانۂ عامرہ میں توحید و معرفت کے وہ انمول ساغر تھے کہ جس نے بھی اُس میخانۂ احدیت کی طرف رُخ کیا اُسے مئے معرفت سے شرابور کر کے چھوڑا۔

تیس سال تک آپ رونق بخش سجادہ کاظمیہ رہے اور اس عرصہ میں ایک ہجوم خلائق تھا جو آپ کی ذات بلند درجات سے مستفیض ہوتا رہا۔ ذاتِ گرامی فیضانِ الٰہی کا ایسا موجزن دریا تھی جس سے کیا عام اور کیا خاص سب سیراب ہوتے رہے۔

آپ کی وفاتِ حسرت آیات ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۳۵ء بروز چہار شنبہ بہ عمر چوّن ۵۴ سال ہوئی۔ مزار اقدس اپنے والد ماجد کے بائیں سمت زیارت گاہِ خلائق ہے۔ مزارِ اقدس کے سرہانے مولوی محمد عاصم صاحب قیسؔ کاکوروی کی نظم کردہ تاریخ درج ہے جو کیفیت حُبّی کی آئینہ دار ہے۔

حبیب حیدر شاہ حبیباں — حبیبٌ لیسَ بعدَہٗ حَبِیب
جمال او سراپا حُسن ذاتی — وَمَا لِسِوَاہُ فِی قَلبِی نَصِیب
ربیع الاوّل ثامن عشر لیل — لَقَدْ اَسریٰ بِہٖ رَبٌّ مُجِیب
بروز پنجشنبہ شُد بہ مدفن — لَہٗ مِنْ خلوۃٍ فِیھَا نَصِیب
چو جستم قیس از عام وصالش — فَاَیدنی لہ الرّبّ الحَسِیب

کلامِ فاتحِ بابِ ولایت   کلامٌ موجزٌ حسنٌ غریب

زاولِ مصرعش کل دائم از دست   کہ فی کلِّ لنا یجلوا لحبیب

بثانی ہم بہم شد سرِّ وحدت   فھٰذا الشعرُ معراجٌ عجیب

حَبیبٌ غابَ عَنْ عَینی وَجِسمی   وعَنْ قلبی حبیبٌ لا یغیب

۱۳۵۹ — ۱۲۵۴   ۱۲۵۳ — ۱ — ۱۳۵۴

(ترجمہ قطعۂ تاریخِ وفات)

محبوبین کے سلطان شاہ حبیب حیدر   وہ حبیب جس کی برابری کوئی حبیب کر ہی نہیں سکتا

آپ کا جمال سراپا حُسنِ ذاتی کا نمونہ ہے   اور میرے قلب میں اُس کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں

ربیع الاوّل کی اٹھارھویں تاریخ کو   وہ ربِّ مجیب کی سمت روانہ ہوگئے

پنجشنبہ کے روز آپ دفن ہوئے   اور اُس خلوت کو سدھار گئے جہاں آپ کا حصّہ تھا

اے قیسؔ جب میں نے سالِ وفات کی جستجو کی   تو میرے ربِّ حبیب نے میری مدد فرمائی

فاتحِ بابِ ولایت (یعنی حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ) کا کلام بلاغت نظام عجیب حسین وجمیل کلام ہے اُس کے پہلے ہی مصرع سے مجھے اپنا مقصود حاصل ہوگیا۔ کیونکہ ہماری ہر ہر چیز میں اُسی حسیب کا جلوہ ہے اور دوسرے مصرع میں مجھے سرِّ وحدت ہاتھ آگیا۔ کیونکہ یہ شعر ایک عجیب وغریب معراج ہے۔

حبیبٌ غابَ عَنْ عَینی وَجِسمی   وَعَنْ قلبی حَبیب لَا یغیب

۱۳۵۹ — ۱۳۵۴   ۱۳۵۲ — ! — ۱۳۵۴ھ

(میرا حبیب میری آنکھوں اور میرے جسم سے اوجھل ہوگیا۔ لیکن میرے قلب سے میرا محبوب ہرگز ہرگز غائب نہیں)۔

کرشمۂ قدرت کہئے، حسنِ اتفاق یا فنائیت تامّہ فی الرسولؐ کہ سلطان المحبوبین حضرت مولنا و مرشدنا شاہ حبیب حیدر قلندر روح اللہ روحہ الاطہر کی حیاتِ طیبہ کے آغاز کا عنوان مولائے کائنات کے اشعار سے ہوا اور انجام کار حضرت سلطان المحبوبینؒ کے وصال اقدس کا مادّہ تاریخ بھی اسی شعرِ علم وحکمت سے ہوا۔ مولوی محمد عاصم کاکورویؒ جو درحقیقت وادی محبت کے قیس ہیں اُن کی اس

عارفانہ تحقیق پر انھیں کا ایک شعر بے اختیار یاد آتا ہے ؎

ترا اے قیس ازیں صہبا مبارکباد استسقا   تولائے علیؑ داری تولائے علیؑ باید

(اے قیس اِس صہبا سے سیرابی تمھیں مبارک ہو۔ تولائے علی تم کو میسّر ہے اور بس
تولائے علی ہی چاہیئے بھی)۔

ذکر سلطان الاتقیاء برہان الاولیا حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ الاطہر

قال اللہ تعالیٰ "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ وَّفَوَاکِہَ مِمَّا یَشْتَھُوْنَ"

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے "یقیناً متّقین سایوں (چھاؤں) چشموں اور جنت کے میووں کے درمیان ہیں جس کی بھی وہ خواہش کرتے ہیں۔" لفظِ متقی کا مادہ 'تقی' ہے یعنی وہ ذات جس میں خشیتِ رب ہو۔ قرآن مجید میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی خلعت فاخرہ اُن کو ہی عطا ہوئی ہے۔ کہیں مومنین کی صفت یوں بیان فرمائی "الذین آمنوا وکانوا یتقون" (جو لوگ مومن ہیں وہی متقی ہیں) غرض یہ کہ تقویٰ کو انسانِ کامل کا جزوِ لاینفک بنا دیا گیا ہے۔ اور لفظ 'تقی' کے اجزائے ترکیبی پر نظر ڈالی جائے 'ت' سے توبہ 'ق' سے قناعت اور 'ی' سے یادِ الٰہی۔ حدیث پاک اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَہٗ (توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا کہ اُس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا) کی روشنی میں یہ گروہ عصمت سے قریب تر ہے اور اسی کے لیے بشارت ہے کہ ؏ اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید 'قناعت' وہ صفت ہے جو انبیا و مرسلین کا وصفِ خاص ہے اور اقلیم قناعت کا تاجدار سلطانِ دارین اور شہریارِ نشأتین ہے۔ 'یاد الٰہی' اللہ تعالیٰ کے پورے کلام پاک میں نبی اکرم صلعم کی پوری حیاتِ مقدسہ میں ہر جگہ ذکرِ الٰہی کا ہی جلوہ نظر آتا ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا) یا فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا (کھڑے اور بیٹھے ہر وقت ذکرِ الٰہی کرتے رہو) یعنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی یادِ الٰہی سے خالی نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ پر نظر ڈالی جائے تو تفسیر نظر آتی ہے اِس مصرع کی ؏ نفس نفس میں رہو تم مری حیات کے ساتھ

امام المتقین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پوتے اُن کے جانشین حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر

علوی روح اللہ روحہ الاطہر کی حیات درحقیقت ترجمان ہے اُن کے اسم گرامی 'تقی' کی۔ جہاں اقلیم تقویٰ وقناعت و یاد الٰہی کا یہ تاجدار ہر سمت اپنی ضوفشانی بکھیرتا نظر آتا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۶ شوال المکرم روز پنجشنبہ ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء کو ہوئی۔ تاریخی نام نظام الدین حیدر رہے۔ بچپن سے ہی آثار ذکاوت و ذہانت و فطانت ظاہر و باہر تھے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی　　می تافت ستارۂ بلندی

(آپ کی پیشانی پر عقل و فہم اور ہوشمندی کے سبب سے بلندی کا تارہ چمکتا نظر آتا تھا)۔

ابتدائی درسی کتابیں مولوی منصب علی خیرآبادی سے پڑھیں جو آپ کے والد ماجد حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی انور قلندر رحؔ کے شاگرد رشید تھے۔ بقیہ کتابیں عربی و فارسی کی وارث الانبیاء حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی انور قلندر رحؔ سے پڑھیں۔ حضرت والد ماجد اعلی اللہ مقامہ کے وصال کے بعد جملہ علوم فقہ و حدیث تفسیر و تصوف علم منطق اور علم کلام وغیرہ اپنے برادر گرامی زبدۃ الاتقیاء حضرت مولٰنا شاہ حبیب حیدر قلندر رحؔ سے نہایت تحقیق و تدقیق سے حاصل کیے۔ صاحب تذکرہ مشاہیر کاکوری، آپ کے حال میں لکھتے ہیں "انشاپردازی و نثر نویسی عربی و فارسی میں اُن کو بہت اچھی مہارت ہے اور بہت عمدہ و نفیس عبارت، فارسی لکھتے ہیں اور اوراد و مشاغل خانوادگی کے بہت پابند ہیں"

علم و فضل زہد و تقویٰ صبر و ضبط قربانی و ایثار اخفا و کتمان میں آپ یگانۂ عصر اور فرد فرید تھے۔ ہر وقت حصول علم میں ہمہ تن مصروف رہتے گویا تحصیل علم کے سوا اور کوئی آپ کی زندگی کا مقصد ہی نہ تھا۔ کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کی کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو آپ کے مطالعہ سے نہ گزری ہو۔ اکثر مسودات آپ ہی کے دستِ مبارک کے تحریر کردہ ہیں۔ خط نہایت ہی نفیس اور پاکیزہ تھا جو آپ کے مزاج کی نفاست و پاکیزگی کا آئینہ دار تھا۔

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ یوم فاتحہ حضرت غوث ملت شاہ تراب علی قلندر رحؔ اپنے برادر معظم حضرت مولٰنا شاہ حبیب حیدر قلندر رحؔ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کی اور اجازت و خلافت سلاسلِ سبعہ سے سرفراز ہوئے۔ اجازت نامہ جو سلطان المحبوبین نے آپ کو مرحمت فرمایا "تذکرۂ مشاہیر کاکوری" مصنفہ حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی حیدر قلندر رحؔ و

"تذکرۂ گلشنِ کرم" مصنفہ: مولانا حافظ تقی انور سلمہٗ میں درج ہے۔ کتاب مذکور میں آپ کا تفصیلی حال صفحہ ۱۹۹ سے ۲۴۴ تک درج ہے جو قابلِ دید ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ آپ کے زمانۂ طالبِ علمی سے ایسا جاری و ساری رہا کہ قرب و جوار کے بکثرت لوگوں نے آپ سے تحصیلِ علم کی اور یہ سلسلۂ ہدایت آخر تک جاری رہا۔ آپ کی ذاتِ مبارکہ ایک ابرِ کرم کے مثل تھی جو طالبین پر برستی رہی اور کشتِ علم و مُراد کو سیراب کرتی رہی اور بحمد اللہ ؏

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشاں ست

کثرتِ مطالعہ، کتب بینی اور درس و تدریس کے مشغلہ میں ہمہ وقت منہمک رہنے کے سبب صحت اکثر خراب رہنے لگی اور وہ آنکھیں جو جمالِ یار کی نیرنگیوں کو پوری طرح اپنے میں جذب کر چکی تھیں جو بصیرت کے اُس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ چکی تھیں کہ مطابق فرمانِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصّلوٰۃ "اتقوا فراسۃ المومن فانّہٗ ینظر بنور اللہ" (مومن کی فراست ایمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ نورِ الٰہی سے وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر لیتا ہے) جملہ حجابات اُٹھ چکے تھے کثرتِ مطالعہ سے آنکھیں کمزور سے کمزور تر ہوتی گئیں اور نوبت معذوری کی آ گئی۔ بصارت کی کمی بصیرت کے عروجِ کمال کا ذریعہ بنتی گئی اور آپ نے وہ بیش بہا کتابیں تصنیف فرمائیں جو اربابِ کمال کی تکمیل کا ذریعہ بن گئیں۔ "تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات" عربی نثاری کا دلکش و نادر نمونہ ہے تو "انشائے نظامی" فارسی نثاری کا ایک حسین مرقع۔ آپ کے مکاتیب قابلِ دید ہیں جن میں معرفت کے ایسے ایسے رموز و کنایات ہیں کہ عقل حیران ہو کر ؏ عقل از سرِ بے خویشی انداختہ دستارے کی تکرار کرتی نظر آتی ہے۔ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

مناظر الشہود فی مراتب الوجود مطبوعہ ۱۳۳۳ھ، نفحات العنبریہ من انفاس القلندریہ مطبوعہ ۱۳۳۹ھ و ۱۳۵۷ھ، ترجمۂ اردو انسانِ کامل مصنفہ حضرت شیخ عبدالکریم جیلیؒ، نور الصہیم ترجمۂ الکہف والرّقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ہدیۃ الشّرف فی ترجمۃ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ، فاتح الابصار، ترجمۂ کشف الدقائق عن رموز الحقائق، ترجمۂ اردو نخبۃ العوارف فی شرح خطبۃ العوارف، ترجمۂ زواہر الافکار شرح جواہر الاسرار، ترجمۂ الدّر الیتیم فی ایمان آباء النبیّ الکریمؐ، ترجمۂ القول المختار فی مسئلۃ الجبر والاختیار، ترجمۂ اردو تصفیہ

فی شرحِ نسوبہ، ترجمۂ اردو تنویر الافق فی شرح تبیین الطرق، ترجمۂ واقعات رشیدی، تحفۂ نظامیہ، فیوض العارفین، جواہر المعارف، تعلیماتِ قلندریہ، مجموعۂ ہفت رسائل قلندریہ، کشف الآثار فی ردّ کاشف الاسرار، مکاتیب حضرت وارث الانبیا، ترجمۂ مجاہدات الاولیاء، انشائے نظامی وغیرہ

(آپ کی تصنیفات وتالیفات کس کس موضوع پر ہیں اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے "تذکرۂ گلشنِ کرم" اور خانوادۂ کاظمیہ کی علمی وادبی خدمات میں)۔

بچپن سے ہی آپ جگر کی بیماری میں مبتلا رہے، جسم مبارک لاغر تھا۔ آپ کی انتظامی قابلیت قوت حافظہ فہم وذکاء اصابت رائے اور پابندی اصول کا جواب ہی نہ تھا۔ ہر امر کو انتہائی گہرائی سے غور فرماتے اور کسی کام میں بھی عجلت پسند نہ فرماتے کہ "التأنّی من الرحمٰن والعجلة من الشیطان" (غور وفکر کے بعد کوئی کام کرنا رحمٰن کی طرف سے اور عجلت کسی کام میں شیطان کی طرف سے)

راہِ سلوک کے ریاضات ومجاہدات میں ایک بہت بڑا مجاہدہ "ملامت" ہے۔ یعنی سالک جس مقامِ اعلیٰ پر فائز ہے اُس کے درک سے عوام کیا بلکہ کسی حد تک خواص کا بھی لاعلم ہونا بعض اکابرین نے مقامِ ملامت کو اپنے لیے پسند فرمایا ہے گو کہ یہ ایک نہایت ہی دشوار بلکہ مشکل ترین کام ہے لیکن ے

جو رہِ عشق میں قدم رکھے　　وہ نشیب وفراز کیا جانے

جب بندہ حق تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور اُس کی مرضیات کا اس حد تک تابع ہو جاتا ہے کہ "من نیم یار ست از سر تا قدم" کی عینیت اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو سیر عروجی اُسے اُکسا کر اُن وادیوں تک لے جاتی ہے جہاں، لن ترانی کی آواز کا دور دور تک گزر نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر لحظ اور ہر آن "اُدن مِنّی" کی صدائے حق سُنتا رہتا ہے اور یہ قرب اُسے اُس منزل تک، لے جاتا ہے جہاں وہ ماسوا حق کے اور کسی کا نہیں رہتا اور جب وہ کسی کا نہیں رہتا تو کوئی اُس کا کیسے ہو سکتا ہے بس یہیں سے وہ منزل شروع ہوتی ہے کہ سالک کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ بدگمانیاں پیدا فرماتا ہے کیا اپنے اور کیا پرائے کیا یگانے اور کیا بیگانے سب اس مردِ حق سے دور ہونے لگتے

ہیں۔ بشریت کے جذبۂ ذوالقربیٰ کا امتحان ہوتا ہے اور جب قریب ترین لوگوں کے بھی اُس سے الگ، بدگمان، اور دور رہنے کا اُسے کوئی ملال نہیں ہوتا بلکہ یک گونہ لطف آنے لگتا ہے۔ جب وہ اس حقیقت کو پالیتا ہے بلکہ یہ حقیقت اُس کی روح کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے ؎

گر گزندت رسد ز خلق مرنج　　　　که نه راحت رسد ز خلق نه رنج

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست　　　　کہ دل ہر دو در تصرفِ اوست

گرچہ تیر از کماں ہمی گزرد　　　　از کماندار بیند اہلِ خرد

(اگر تم کو مخلوق سے کوئی تکلیف پہنچے تو ہرگز رنجیدہ مت ہو۔ کیونکہ نہ مخلوق کسی کو آرام پہنچا سکتی ہے نہ ہی تکلیف۔ تم اُس کو خدائے پاک کی جانب سے سمجھو برخلاف دشمن اور دوست کے کیونکہ دونوں کے دل صرف اُسی پاک ذات کے تصرف میں ہیں۔ اگرچہ تیر کمان سے ہی نکلتا ہے مگر عقلمند آدمی کمان چلانے والے کی طرف سے اُسے سمجھتا ہے)

یہی وہ منزل ہے جو "آنچہ از دوست می رسد نیکوست" والی منزل ہے۔ اسی منزل کو امام المتقین مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے منتخب فرمایا اور سرتاج گروہِ اولیاء و عرفا کے ہی خانوادہ کے ایک فرد حضرت مولٰنا شاہ تقی حیدر قلندر علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے لیے پسند فرمایا۔ جو آشنا تھے وہ بیگانے ہوئے۔ اعتقاد وسوسوں کی نذر ہوتا گیا اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک پیکرِ حیات میں فنا کا رنگ نہیں بھرا۔

ناشناس کا تو ذکر ہی کیا شناساؤں کے ظلم و ستم کو ہنس ہنس کر برداشت کرنیوالے صبر میں بہ حضرت ایوبؑ کا نمونہ ہم عاصیوں کا سلام نیاز قبول فرمائیے ؎

اے تو کہ تجھ سے تازہ گلستانِ آرزو　　　　بھر دے گُلِ مراد سے دامانِ آرزو

برادر عزیز از جان و دل مولوی حافظ تقی انور سلمہ اللہ الاکبر جو آپ کے حقیقی و معنوی پوتے ہیں "تذکرہ گلشنِ کرم" میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب لکھتے ہیں۔

"صبر سے وہ خطرات جو باعثِ تنزل ہوتے ہیں دفع ہو جاتے ہیں اور یکتائی حاصل ہوتی ہے یہی مقام وحدت ہے اسی پر مواظبت ہو جائے اور ہر بلا کو منجانب

قصداً دیکھے و سمجھے اور اس میں لذت حاصل کرنے لگے تو مقامِ احدیت پر فائز ہو جاتا ہے۔" (تذکرہ گلشنِ کرم۔ صفحہ ۲۲۳)

مسندِ رُشد و ہدایت پر فائز ہونے کے باوجود کسی کو مُرید نہ فرماتے۔ معدودے چند لوگوں کو مرید فرمایا۔ "اِنّی جاعِلُکَ فی النّاسِ اماما" کے واضح فرمان کے بعد بھی امامت نہ فرماتے۔ غرض یہ کہ کسرِ نفسی کا ایسا نمونہ کہیں دیکھنے میں نہیں آتا۔

محرم الحرام ۱۳۵۹ھ میں آپ کی علالت کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ ۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت صلعم کی زیارت، موئے مبارکہ میں آپ کے دوست مولوی محمد عاصم صاحب قبس حاضر ہوئے مزاج پُرسی کرنے پر فرمایا کہ بارہ سے بیس تک درمیان کی کوئی تاریخ مقرر ہوئی ہے انھوں نے بدحواس ہو کر عرض کیا کہ حضور نے اتنی بیماریاں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں انشاء اللہ اس بیماری سے بھی شفا ہو گی۔ آپ کو تکدر ہوا اور فرمایا "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں موت سے ڈرتا ہوں ؎

مرگ اگر مرد ست گو پیشِ من آئے — تا در آغوشش بگیرم تنگ تنگ

من ازو عمرے ستانم جاوداں — او ز من دلقے ستاند رنگ رنگ

اتنا فرما کر اُن سے دلچسپی اور مزاح کی باتیں فرماتے رہے۔ علالت کا سلسلہ ۱۸ ربیع الاول (فاتحہ حضرت وارث الانبیاء قدس سرہٗ) تک چلتا رہا۔ ۱۸ ربیع الاول کی شب حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندر کو بلا کر فرمایا کہ "ہم تو معذور ہیں تم محفل منعقد کرو۔" عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد لیٹ رہے اور سو گئے۔ تقریباً ایک بجے بیدار ہوئے اور فرمایا "کیا محفل ختم ہو گئی" لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔ دو بجے کے بعد دفعتاً طبیعت خراب ہوئی۔ حکیم مرزا عبدالشکور بیگ صاحب نے پوچھا کہ "حضور کیا تکلیف ہے" فرمایا "سینہ پر درد ہے" باوجود تدابیر کے کوئی کمی نہ ہوئی۔ تقریباً ۴ بجے صبح یہ آفتابِ رُشد و ہدایت غروب ہو گیا۔ روحِ مبارکہ ملاءِ اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ، مولوی ضیاءالدین حیدر صاحبؒ و مولوی محمد حسن صاحبؒ نے غسل دیا۔ اور پارچۂ مغسولۂ آبِ زمزم کا کفن دیا گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندرؒ نے بعد نمازِ ظہر کثیر جماعت کے ساتھ پڑھائی۔

آپ کے مرید صادق مولوی محمد قاسم صاحب الٰہ آبادی نے سنگِ مرمر کی تربت نصب

کرائی اور آپ کے رفیق مولوی محمد عاصم صاحب قیسؔ کاکوروی نے سنگی چبوترہ تعمیر کرایا۔ مزار اقدس زیارت گاہِ خلائق ہے۔ لوحِ مزار پر علاّمہ شفیقؔ جونپوری کی درج ذیل تاریخ کندہ ہے۔

از فخرِ مشرق علاّمہ شفیق جونپوری

تقی حیدر شاہِ عالی مقام
بہ میخانۂ وصل نوشیدہ جام
دلش زندہ شد از وصالِ حبیب
فنایش بقائے ابد را پیام
نبیؐ حامی او علیؑ جدِّ اوست
چہ عالیمقام وجہہ با احتشام
مزارش پُر انوار و رشکِ چمن
بہشت بریں ہست اورا مقام
بہ لوحِ مزارش رقم کُن شفیقؔ
مزارِ تقیؒ ہست بابُ السّلام

۱۳۵۹ھ

(ترجمہ) عالی مقام حضرت شاہ تقی حیدر قلندرؒ نے میخانۂ وصل کا جام نوش فرمالیا۔ آپ کا دل حبیب کے وصال سے جاگ اٹھا۔ آپ کی فنا بقائے ازلی کا پیام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حامی اور علی کرم اللہ وجہہٗ آپ کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ آپ کیسے بلند مقام والے ہیں اور کیسی شان و شوکت والے۔ آپ کا مزار پُر انوار درحقیقت رشکِ چمن ہے کیونکہ بہشت بریں آپ کا مقام ہے۔ آپ کے لوحِ مزار پر اے شفیقؔ لکھدو۔ شاہ تقی حیدر قلندرؒ کا مزار بابُ السّلام ہے۔

اس کے علاوہ متعدد تاریخیں ہیں جو تذکرہ گلشنِ کرم میں موجود ہیں۔ مولوی محمد عاصم صاحب قیسؔ کاکورویؒ کی تاریخ بھی بہت خوب ہے۔ مادّۂ تاریخ کا شعر ملاحظہ ہو۔ ایک ہی مصرع میں تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات دونوں نظم فرمائی ہیں ؎

ولادت ہم وفاتِ آں شہنشاہِ ملامت را
بگفتی جانِ پیغمبر۔ بگو جانانِ پیغمبر

۱۳۰۸ھ	۱۳۵۹ھ
ولادت	وفات

ذکرِ سمّی حیدر الصفدر محبِّ ساقی الکوثر البدر الانور حضرت مولنا حافظ شاہ علی حیدر قلندر نور اللہ نہ بجہ الاطہر

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (اور میں نے اپنی محبت تمہارے قلب میں سمو دی تا کہ تم سراپا میری آنکھ بن جاؤ)۔

محبت باعثِ تخلیقِ آدم محبت باعثِ تعمیرِ عالم

کرشمہ تھا یہ معشوقِ ازل کا کہ حسن و عشق میں ہو ربط باہم (ضبط کاکوروی)

محبت کی کیفیت کچھ عجیب ہوتی ہے کہ کوئی خود بخود دل میں سماتا چلا جاتا ہے سلطانِ عشق جس جگہ قدم رنجہ فرماتے ہیں اُس کو مضغہ گوشہ نہیں بلکہ اَلْقَلْبُ بَیْنَ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُہَا حَیْثُ یَشَاءُ کہا جاتا ہے۔ بادۂ ناب حبِ حقیقی کے جُرعہ نوش ازلی حضرت مولنا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ کے ذکرِ مبارک کے لیے میں سہارا لیتا ہوں آپ کے نبیرۂ فاضل مولوی حافظ شاہ تقی انور سلمہ اللہ الاکبر کی تحریر کا کہ حضور کی حیاتِ طیبہ اِن چند سطور کے گرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔

"مہرِ سپہر ولایت شمع بزمِ مرتضوی یکم شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء پنجشنبہ کو خانوادۂ بوترابی میں درخشاں ہوا۔ جدِّ امجد حضرت فخر الکاملین مولنا شاہ علی اکبر قلندرؒ کو مبارکباد دی گئی۔ عارفِ کامل نے عینِ ثابت دیکھ کر اپنے اور اپنے والد ماجد حضرت قطب الافراد شاہ حیدر علی قلندرؒ کے ابتدائی اسماء کو ملا کر 'علی حیدر' نام رکھا ان دونوں مؤثر ناموں نے آپ کی نس نس میں بادۂ عشقِ مرتضوی کا خُمار بھر دیا۔ آپ کو بزمِ مرتضوی کی ایسی شمع فروزاں بننا تھا جس کی ضیا پاشیوں نے ہزارہا نابیناؤں کو جلوۂ حیدری دکھا کر بینا کر دیا جس نے صدہا نا آشنایانِ طریق کو مسلکِ حیدری پر گامزن اور اُسوۂ مرتضوی پر قائم کر دیا دنیا کو یہ بتا دیا بلکہ اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ بادۂ حبِ مرتضوی کا ایک جام بھی سالک راہِ حق کو آسانی سے منزلِ مقصود پر پہنچا سکتا ہے۔ اس راہ کی تمام دشواریاں آسان اور تلخیاں اس کے لیے حلاوت بخش ہو جاتی ہیں لیکن صفت حیدریت اولین شرط ہے۔" (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نسبت اہل بیت کی خاص اصطلاح اور اس کے

باطنی فوائد اپنے موتفات میں لکھے ہیں)۔ (تذکرہ گلشن کرم ص ۸۲۔۲۸۱ از مولانا حافظ نقی اور علوی کاظمی)۔

عمر مبارک کے پانچویں برس تسمیہ خوانی یعنی قطب الاقطاب حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ کے ذریعہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ کی تعلیم علم لدنی کا مخزن کیسے نہ بنتی۔ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ عمر کے پانچویں سال کا یہ تعلّم اس ذات، کا مظہر اور تخلیق انساں کے سِر کا رازداں بنادے اُس بچّے کو جس کے خمیر میں پنجتن پاک کی محبت سمودی گئی۔ زبانِ مبارک حضرت "قطب الاقطاب" سے لفظ اِقْرَأْ کا اخراج اور پانچ سال کے ہونہار بچّے کا اسے دُہرانا درحقیقت وہ بازگشت تھی جسے پڑھنے والے دل ہی میں پڑھ سکتے" اور دیکھنے والی آنکھیں ہی دیکھ سکتی ہیں ؎

آنکھ والا تری قدرت کا تماشا دیکھے دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

قطب الاقطاب جو درحقیقت مظہر خاص تھے ع زنورِ محمدؐ علیؑ انور ست کے نے جب فرزند دلبند کا نام بابِ شہر علم کے نام نامی و اسم گرامی پر رکھا علی اور حیدر دونوں کا مجموعہ آپ کو بنایا تو خاطرِ مبارک میں یہ ضرور رہا ہوگا کہ یہ لختِ جگر حضور رحمۃ للعالمین ارواحنا فداہ ؐ کے قلبؑ جگر یعنی مولائے کائنات شیرِ خدا تاجدارِ ھل اتیٰ مولیٰ علی مشکل کُشا کے دربارِ دُربار کا خوشہ چیں بنے گا حبِّ بادۂ ناب مرتضوی سے سرشار ہوکر دوسروں کو بھی اُس وادیٔ ایمن کی سیر کرائے گا جو نہ صرف سَلُونِی عَمَّا شِئْتُمْ کی منزل ہے بلکہ جہاں "کشف الغطاء ما ازدادت یقیناً" روح و قلب کی بالیدگی کا سبب ہے۔

مولوی منصب علی صاحب سے کلام پاک پڑھنا شروع کیا روزانہ کا سبق یاد فرما لیتے گویا تعلیم کی ابتدائی منزل ہی حفظِ قرآن سے ہوئی۔ بارہ پارے حفظ کرنے کے بعد نماز اوابین میں آپ سے کلام پاک سُنا گیا۔ قطب الاقطاب آپ کی قرأت سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ بہت ہی صاف پڑھتا ہے جب یہ حفظ مکمل کرے گا تو ویسی ہی تقریب کی جائے جیسی ہمارے دادا صاحب نے ہمارے ختم قرآن پر کی تھی۔ مشیتِ ایزدی کہ آپ سترھواں پارہ حفظ فرما رہے

تھے کہ حضرتِ قطب الاقطاب نے رحلت فرمائی۔ آپ کے ختم قرآن کی تقریب سلطان المحبوبین حضرت مولٰنا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ نے بڑی اولوالعزمی سے فرمائی اور تاکید فرمائی کہ تراویح میں کلام پاک ضرور پڑھنا ناغہ نہ کرنا چنانچہ آپ اس پر عامل رہے اور علاوہ سالِ وفات کلام پاک کبھی ناغہ نہ ہوا۔

عربی و فارسی کی تعلیم اولاً والد ماجدؒ نے اور بعد وصال والد ماجدؒ برادر گرامی منزلت حضرت مولٰنا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ نے فرمائی جملہ علوم معقولات و منقولات حاصل کیے اور تربیتِ ظاہری و باطنی حضرت سلطان المحبوبینؒ نے فرمائی، اوراد و وظائف خاندانی اور اذکار و اشغال کی تعلیم مکمل ہو چکی۔ ظاہر و باطن کی تزئین اور نفسِ زکیہ کی تشکیل ہو چکی تو آپ کو سلسلۂ قادریہ میں مرید فرمایا اجازت و خلافت عطا فرمائی اور اپنا گیروا عمامہ آپ کے سرِ مبارک پر باندھا۔ آپ خود اپنی نادر تصنیف "تذکرۂ حبیبی" میں فرماتے ہیں:

"بعد ختم کتب درسیہ آپ نے اپنا گیروا عمامہ ہم دونوں بھائیوں کے سر پر باندھا اور خلافت سے سرفراز فرمایا ؎

کلاہِ گوشۂ احقر بہ آفتاب رسید کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانے"

سلطان المحبوبین حضرت مولٰنا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ کو آپ سے حد درجہ محبت تھی نہ صرف محبت و شفقت بلکہ چونکہ آپ کی پیشانی مبارک لوح محفوظ تھی جس میں از ابتدائے عمر ہی "لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً" کے جلوے نظر آرہے تھے۔ اور بلندی کا تارہ آپ کی جبینِ کرامت آگیں سے ظاہر و باہر تھا لہٰذا حضرت سلطان المحبوبین کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو جس کا حرف حرف نہ صرف حضرت کے انسانِ کامل ہونے پر دلیل بیّن ہے بلکہ عرفان و ایقان کی وہ منزل جہاں "سلونی عما شئتم" رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"نیک سالار۔ یکتائے دہر۔ ماہر ادیب صاحب النسب والحسب۔ شرف و کمال کے عنوان۔ اہل جود و فضلا کی آنکھوں کی پتلی۔ میرے استاد معظم کی روح کی خوشبو جن کو دیکھ کر اپنے مرشد کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ عزیز قلبی بلکہ اعزّ قلبی نورِ النور میرے بھائی مولوی حافظ محمد علی حیدر اللہ اُن کو آفتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے اور مدارج اعلیٰ پر فائز کرے۔ اُن کے علم و فضل و تقویٰ کی بجلیاں عالم میں چمکتی رہیں۔"

باب مدینۃ العلم سے محبت ہو بادۂ عشق مرتضوی سے رگ رگ سرشار ہو پھر بھلا صفات حیدری و علوم مرتضوی کی آماجگاہ دل کیسے نہ بن جائے۔ علم انساب ہو یا علم اسماء الرّجال بلکہ جملہ علوم معقولات و منقولات پر آپ کو ایسی دسترس تھی کہ "جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ" کی مثل صادق آتی ہے۔ آپ کی تصانیف گواہ ہیں کہ جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا، قلم توڑ دیا۔ چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ مصباح التّعرف لارباب التصوف ۲۔ رسالہ در تشریح الجید ۳۔ مرأۃ الاعلام فی مآثر الکرام ۴۔ الدرا لملتقۃ فی شرح تحفۃ المرسلہ ترجمہ ۵۔ رسالہ تفریح الاحباب ۶۔ السیرۃ العلویہ بذکر مآثر المرتضویہ ۷۔ الفکر الغریب بذکر الحبیب

السیرۃ العلویہ مشتمل ہے چھ جلدوں پر جو مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰؑ کی سیرت طیبہ کی اتنی جامع کتاب ہے کہ آج تک ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری۔ تین جلدیں آپ کی حیات طیبہ میں چھپ کر نظر افروز ناظرین ہو چکی ہیں۔

۱۔ احسن الانتخاب بذکر معیشۃ سیّدنا ابی تراب

۲۔ نفائس المنن فی فضائل سیّدنا ابی الحسن

۳۔ مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ

اس تصنیف مبارکہ کی خاص بات یہ ہے کہ واقعات کی صحت اور سیرتِ مولیٰ کے ہر ہر پہلو کو یوں اُجاگر کیا ہے کہ کوئی بھی پہلو نظر انداز نہیں ہونے پایا۔ ساتھ ہی لفظ لفظ بلکہ حرف حرف سے بادۂ حبِ مرتضوی کا دریا اُبلتا نظر آتا ہے۔ مولائے کائنات کی محبت ازل سے ہی موردِ طعن رہی ہے کہیں حُجر بن عدیؓ ذبح ہوتے ہیں کہیں میثم تمّار کی زبان کاٹی جاتی ہے کہیں امام نسائی شہید کیے جاتے ہیں اور کہیں امام شافعی پر رفض کا الزام لگایا جاتا ہے مگر تاریخ گواہ ہے کہ ؎

خلقے بہ طعن و گفتگو عاشق بہ کارِ خویشتن

مولیٰ علیؑ کی محبت جس دل میں جاگزیں ہو گئی وہ دل دل نہ رہا بلکہ قطب مطمئنہ ہو گیا۔ جس کے لیے ارشادِ حضور انورؐ ہے اَلْقَلْبُ بَيْنَ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ يُقَلِّبُهَا حَيْثُ يَشَاءُ (قلب،

مومن رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہے وہ اُسے جس طرح چاہتا ہے اُلٹتا پلٹتا ہے) یعنی اُس دل کی دھڑکن میں ماسوا محبوب کے اور کسی کا گزر ہی نہیں۔ مولائے کائنات کی محبت کے لبریز جام ایسے نہیں جن کا نشہ کوئی تُرشی اُتار دے بلکہ ساقیِ کوثر کی محبت کے متوالے اپنے طالبین کو اُس وادیِ ایمن کی سیر کراتے ہیں جسے سیرِ عروجی کہا جاتا ہے اور سالکِ راہِ مرتضوی عالمِ مستی میں کہہ اٹھتا ہے ؎

ہاں وادیِ ایمن کے معلوم ہیں سب قصے
موسیٰؑ نے فقط اپنا اک ذوقِ نظر دیکھا

خداوندِ نعمت حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ ارواحنا فداہ نے پتہ نہیں کتنے تشنگانِ معرفت کو بادۂ حبِّ مرتضوی کے ایسے جام پلائے کہ بے اختیارانہ کہہ اٹھے ؎

اے سمیِ حضرتِ شیرِ خداؑ
ازتو آباداں نیستانِ ہدیٰ

اے شعارت چشم بروجہِ علیؑ
می نگر بر خود کہ وجہش خود توئی

نورِ عینِ ساقیِ خمِ غدیر
فی خراباتک لنا خیرٌ کثیر

خود مئے و خود مست و مخمور آمدی
شمع خود خود زیت و خود نور آمدی

قیس را جامے بدہ جانے بدہ
لذتِ دینے و ایمانے بدہ

(اے حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ کے ہم نام ہدایت وارشاد کی وادی آپ کے دم سے آباد ہے۔ اے وہ کہ آپ کا شعار ہی علیؑ کے چہرۂ انور پر نگاہیں جمالینا ہے۔ خود اپنے جمال جہاں تاب کا مشاہدہ فرمائیے کہ وہ چہرۂ اقدس آپ کا اپنا وجہِ مبارک ہے۔ ساقیِ خمِ غدیر کے نورِ عین! آپ کے میکدہ میں ہمارے لیے خیرِ مسلسل ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی خود شرابِ معرفت آپ خود اُس سے مست و بیخود اپنی شمع جہاں افروز کا تیل خود آپ ہی آپ اور اُس کا نورِ ازلی بھی آپ ہی کی ذات۔ قیس کو بھی ایک جامِ محبت عطا فرمائیے تاکہ اس میں جان آجائے دین وایمان کی لذت سے اُسے آشنا فرمائیے)۔

آپ کا کلام جو مولائے کائنات کی مدح میں عربی فارسی اور اردو میں ہے اُس میں

رنگِ تغزل تو ہے ہی ایک ایک حرف گویا حبِّ علیؑ کا موجیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ سید الشہدا، جگر گوشۂ رسول مقبولؐ قرۃ العین علیؑ و بتول صلوات اللہ علیہم کے حضورِ اقدس میں سلام اور مراثی بھی آپ کے نادر شاہکار ہیں جو دل درد آشنا کو تڑپا کر رکھ دیتے ہیں۔

"تذکرۂ مشاہیر کاکوری" "تذکرۂ حبیبی" "النیّرین" اور "تذکرہ گلشنِ کرم" میں آپ کا حال اور نمونۂ کلام وغیرہ درج ہے جو یقیناً ناظرین کی روح کی بالیدگی کا سبب ہوگا۔

ابتدا اور انتہا دونوں میں میں مجبور ہوں کہ سہارا لوں آپ کے نبیرۂ فاضل مولوی حافظ تقی انور سلمہ اللہ الاکبر کی تحریر کا جس کے ایک ایک حرف پر بلاغت نثار ہوتی ہے۔

"آخر عشرۂ رجب ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) سے آپ کے مرض میں شدت ہوئی۔ داہنی سمت سینہ پر ایک چھوٹا سا دانا نمودار ہوا جس نے بڑھتے بڑھتے سرطان کی شکل اختیار کر لی لکھنؤ کے بڑے بڑے سرجنوں کا علاج ہوا۔ مگر مرض بڑھتا گیا بالآخر ۷ رمضان المبارک بروز دوشنبہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۴۷ء کو بعد ادائیگی نمازِ فجر روح مبارک تنگنائے جسم سے آزاد ہو کر میدانِ صرافت میں پھیل گئی۔ جُز نے جزئیت کو چھوڑ دیا۔ کُل میں مل کر کُل ہو گیا۔ قطرہ نے قطرگی کو خیرباد کہا اور خود سمندر ہو کر موجیں مارنے لگا۔ آپ وصالِ دائمی سے شاد کام ہوئے آپ ہمہ تن مستی و سرور تھے۔ مسرور رہے مسرور ہو گئے مسرور ہیں اور ہمیشہ مسرور بلکہ عین سرور رہیں گے۔

غسل کے لیے جب تخت پر لٹایا گیا تو مولوی محمد عاصم صاحب قیسؔ بھی ضبط نہ کر سکے اور اپنے مخصوص لہجہ میں بآواز بلند پڑھا ؎

اے سرورِ مستاں علیؑ مستاں سلامت می کنند
وے صفدرِ میداں علیؑ مستاں سلامت می کنند

مجمع پر ایک عجیب رقّت آمیز کیف طاری ہو گیا۔

اُسی روز بعد ظہر حضرت قطب الاقطاب حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ کی درگاہ میں جانبِ مشرق آرام گاہ ابدی میں آرام فرمایا۔

تدفین کے وقت منتسبین زیارت کر رہے تھے خطیب ملیح آبادی بھی تھے جنھوں نے بیقرار ہو کر فی البدیہہ چند اشعار بڑی دلسوز آواز میں پڑھے۔ دو اشعار درج ذیل ہیں ؎

کچھ ہم غلاموں کا بھی انتظام کرتا جا   کہاں کا عزم ہے اے تاجدارِ کاکوری
اُجڑ نہ جائے چمنِ دل لرز رہا تھا خطیب   خزاں نے لوٹ لی آخر بہارِ کاکوری

(تذکرہ گلشنِ کرم۔ صفحہ ۳۰۵)

لوحِ مزارِ اقدس پر دو تاریخیں کندہ ہیں۔

دراں ساعت کہ حیدرؑ زخم خورد   سمّی او ز قیدِ تن بر آمد
ز عرش آمد ندائے حاملِ عرش   بگو حافظ علی حیدر آمد

(مولوی محمد عاصم قیس کاکوروی علیہ الرحمۃ)

(وہ گھڑی جب حیدر صفدر نے زخم کھایا آپ کے ہم نام قیدِ ہستی سے آزاد ہوئے عرش سے حاملِ عرش کی آواز سُنائی دی "کہہ دو حافظ علی حیدر تشریف لے آئے)۔

رفت در ذاتِ احد مسجودِ نجم و مہر و ماہ   جلوہ گاہِ بوتراب و ہادیِ راہِ الٰہ
قوتِ بازوئے پاکِ حضرتِ شاہِ حبیب   قرۃ العین علی انور قلندر بادشاہ
حافظِ قرآنِ اکرم عالمِ دینِ رسولؐ   طالبان و سالکانِ راہِ حق را خضرِ راہ
وقتِ صبح ہفتدہ تاریخ در ماہِ صیام   حیف زیں عالم برفت آں مالکِ عالم پناہ

اصطفیٰ گوید بسالِ ہجر ظلِّ بوترابؑ
مرشدِ جانم علی حیدر قلندرؒ آہ آہ

۱۳۶۶ ھ

(مولوی اصطفیٰ علی صاحب علوی کاظمیؒ)

(ذاتِ احدیت میں فنا ہو گئی وہ ذات جو چاند سورج اور ستاروں کی مسجود تھی۔ جو بوترابؑ کا جلوہ تھی جو راہِ حق کی طرف راہنما تھی۔ حضرت شاہ حبیب حیدر قلندرؒ کے بازوئے مبارک کی قوت۔ علی انور قلندر بادشاہ کے نورِ چشم قرآنِ کریم کے حافظ دین نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عالم۔ راہِ حق کے سالکین اور طالبین کے لیے خضرِ راہِ طریقت۔ صبح کا وقت سترہ تاریخ ماہِ رمضان المبارک

میں افسوس صد افسوس وہ مالکِ عالم پناہ اِس عالمِ فانی سے دارِ جاودانی کو سدھار گئے۔ اصطفیٰ کہتا ہے کہ سایۂ بوترابؑ کا سالِ ہجرت۔ میرے مرشدِ جان و دل علی حیدر قلندرؒ آہ آہ)۔

مولائے کائنات کی محبت رگ رگ میں اس طرح سمائی رہی کہ پوری حیاتِ طیّبہ میں نفس نفس سے بوئے علیؑ آتی رہی اور قرب وصول بہ حق عین اُس تاریخ میں جس میں مولاؑ نے زخم کاری کھاتے ہوئے فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ (ربِّ کعبہ کی قسم میں اپنی مُراد کو پہنچ گیا) ؎

جان گئی جان کے جویا کے پاس　　پہنچا مریض اپنے مسیحا کے پاس

آپ کے مریدین و منتسبین میں ایک خاص حُبّی کیفیت تھی اور حضور کی ذاتِ گرامی سے ایسا والہانہ عشق جس نے دنیا و آخرت کو ایسا سنوارا کہ جب بھی کسی کا بارگاہِ الٰہی سے بُلاوا آیا تو نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْس (سو جا اِس سکون و اطمینان سے جیسے دلہن سوتی ہے) کی بشارت ملائکۂ مقربین نے ضرور دی۔ یہ وہ مشاہدہ ہے جسے دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھا اور اب بھی دیکھ رہی ہیں۔

حسنِ اتفاق کہیے، کرشمۂ قدرت یا حضور حافظ صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کی ایک بیّن کرامت۔ اس سال آپ کے فاتحہ مبارکہ کے موقع پر عین اُس سجادۂ مبارکہ کے سامنے جس پر آپ تقریباً ۷۰ سال تک رونق افروز رہے کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا دکھائی دیا۔ اس عاصی پُر معاصی نے کھول کر دیکھا تو آنکھیں کھُل گئیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ بصارت و بصیرت کے لیے عجب سرمۂ کیمیا ہے۔

عرضداشت بحضور مرشدی

شاہا بہ منِ بے سر و ساماں نظرے کُن　　آیم بہ تو بہ حالِ پریشاں نظرے کُن

از زشتی اعمالِ منِ عاصی بدبیں　　خود عفو گنہ عاجز و حیراں نظرے کُن

رحم و کرم تو بہ سیہ کاری من بیں　　حیران و انگشت بدنداں نظرے کُن

ایں خانہ خرابے بہ درت سر بہ سجودے　　مسکین گدا ایش تو سلطاں نظرے کُن

آئیم بہ تو بدحال و سیہ کار و گنہگار — للہ بہ من ہادیِ دوراں نظرے کن

مجنوں صفت آوارہ ام و دشت نوردیم — صد پارۂ دامان و گریباں نظرے کن

حُسنِ تو ملیح و صبیح و شکیلے — اے تو کہ مرا یوسفِ کنعاں نظرے کن

ایں سوزشِ عشقِ تو مرا سوخت تمامی — برباد شوم خسروِ خوباں نظرے کن

ایں ضبطِ تہی دست کہ حاضر بحضوری

از لطف و کرم مرشدِ ذی شاں نظرے کن

(ترجمہ) اے شہنشاہ مجھ بے سروساماں پر نگاہِ کرم فرمائیے۔

آپ کے حضور میں پریشاں حال حاضر ہوں نظرِ کرم فرمائیے۔

مجھ گنہگار کی بداعمالیوں کے سبب عفوِ گناہ خود عاجز و حیراں ہے۔ نگاہِ کرم فرمائیے

میری سیہ کاری کو نہ دیکھئے بلکہ اپنا کرم دیکھئے۔

میں حیران و پریشان انگشت بدنداں ہوں نظرِ کرم فرمائیے۔

یہ خانہ خراب آپ کے درِ اقدس پر سر بہ سجود ہے۔

اے سلطان! اس مسکین فقیر پر نظرِ کرم فرمائیے۔

میں آپ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا ہوں کہ

بدحال ہوں، سیہ کار و گنہگار ہوں۔

اے ہادیِ عالم خدا کے واسطے مجھ پر نگاہِ کرم فرمائیے۔

میں مجنوں کی طرح آوارہ گرد ہوں اور جنگل جنگل گھوم رہا ہوں۔

میرا دامن میرا گریباں صد ہا ٹکڑے ہو چکا ہے نظرِ کرم فرمائیے۔

آپ کا حُسن ملیح بھی ہے صبیح بھی اور شکیل و جمیل بھی

آپ ہی میرے یوسفؑ کنعاں ہیں۔ نظرِ کرم فرمائیے۔

آپ کے عشق کی آگ نے مجھ کو پوری طرح پھونک کر رکھ دیا ہے

میں بالکل برباد ہوں۔ اے محبوبوں کے سرتاج!

مجھ پر نگاہِ کرم فرمائیے۔

نادار و مُفلس ضبط جو آپ کے حضور میں حاضر ہے۔

اے مرشدِ عالی مقام! لُطف و کرم سے اُس کی طرف نگاہ فرمایئے۔

یہ عرضداشت آپ کے مریدِ صادق منشی صادق حسن علوی ضبط کاکوروی والد ماجد عزیزم محمد حسن علوی عرف فیض سلمہٗ کی کاوشِ فکر ہے۔ کیا عجب کہ یہی مرحوم کے حق میں ذخیرۂ نجات اور توشۂ آخرت بن جائے۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

حضرت خداوند نعمت مولٰنا و مرشدنا غیاثنا و مستغیثنا سیدنا و سندنا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر دام ظلہ العالی الی مرور الایام واللیالی

بر سریرِ کاظمی سلطانِ ما　　　　ہست بر رحلِ ھُدیٰ قرآنِ ما

(کاظمی تخت پر ہمارے سلطان گو ہدایت کی رحل پر ہمارے لیے قرآن ہیں)۔

حضرت مدظلہ العالی کے عمِ محترم مولوی اصطفیٰ علی صاحب علوی کاظمی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر حضرت موصوف کی حیاتِ طیبہ کی پوری تفسیر ہے۔ قرآنی صفت یھدی بہٖ کثیرا (اس سے بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں) کا اگر گہرائی سے مشاہدہ کیا جائے تو وہ حضرت خداوند نعمت مدظلہٗ کی سیرتِ طیبہ کا ایک نقشِ جمیل معلوم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کتنے ایسے نیک بخت ہیں جنھوں نے کاملین کا دور دیکھا حضرت مولٰنا شاہ تقی حیدر قلندر اور حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہما کی ہمنشینی سے مشرف ہوئے لیکن دستِ حق پرست تھاما تو حضرت مولٰنا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر کا اور یہی یھدی بہٖ کثیرا کی دلیل بیّن ہے۔

۱۹۴۷ء میں حضرت مولٰنا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ نے اس عالمِ فانی سے دارِ جاودانی کو رحلت فرمائی اور اس آفتابِ تاباں کے غروب ہوتے ہی ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب　　　　گر دلیلت باید از وے رو متاب

طالبین کی کشتِ مراد کو تاب و توانائی بخشنے، تشنگانِ معرفت کو مئے عرفان سے شرابور کرنے کے لیے ہے

بر سریرِ کاظمی سلطانِ ما ہست بر رحلِ ہُدیٰ قرآنِ ما

ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۲۳ء کو طلوع ہو کر ضیاء بخشِ عالمیاں ہوا گلشنِ بوتراب میں اُس وقت کوئی گُل سرسبد نہ تھا۔ ولادتِ باسعادت سے مسرت و شادمانی کا ایک سیلاب آگیا۔ عرفانِ کائنات کی کلیوں نے چٹک کر کہا ع

میخانہ کھول ساقیِ کوثر کا واسطہ

اعزہ و مخلصین ہوں یا مریدین و منتسبین سب نے وارث الانبیاء سلطان المجبوبین حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ کی بارگاہ عالیہ میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔

چار سال کی عمر میں حضرت سلطان المجبوبینؒ نے اِقرأ کا درس دیا جو عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ کی تفسیر بن گیا۔ قرآن پاک مولوی حافظ عنایت احمد صاحبؒ سے پڑھا۔ ابتدائی درسی کتابوں کا سلطان المجبوبینؒ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا اُس کے بعد عربی و فارسی، تفسیر و حدیث، واخلاق و تصوف کی تعلیم والد ماجد حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندرؒ نیز عمِ محترم و معظم حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ سے حاصل کی۔ تین کاملین کی نظر کیمیا اثر کا فیض۔ تعلیم ظاہری و تربیت باطنی میں کوئی ادنیٰ سا دقیقہ بھی نہیں اُٹھا رکھا گیا کیونکہ سلسلۃ الذھب کے اُس مسند ارشاد پر فائز کرنا تھا جس کے لیے نصِ قطعی ہے اِنّی جاعلٌ فی الارضِ خلیفۃ پھر بھلا کیسے ممکن تھا کہ ذاتِ گرامی وَعَلَّمَ آدمَ الاسماءَ کُلَّھا کی تفسیر نہ بنتی ہے

آدم کو مَلک کہتے تھے کیا خاک بنے گا سمجھے نہ کہ سر تا قدم ادراک بنے گا

تعلیم ظاہری و باطنی کی تکمیل ہوئی، نفسِ زکیہ کی تشکیل ہو چکی اوراد و وظائف اور اذکار و اشغال پایۂ کمال کو پہنچ گئے تو خلافت عطا ہوئی۔ اجازت و خلافت کے بعد جانشینی سے بھی مشرف فرمایا اور ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ زیب سجادۂ کاظمی ہوئے اُس موقع پر مخلصین و منتسبین نے گلہائے عقیدت و محبت پیش کیے جو آپ کے خلیفۂ مجاز مولوی حافظ تقی انور علوی سلمہٗ ربہٗ نے "تذکرۂ گلشنِ کرم" میں درج کیے ہیں۔

اُمورِ سجادگی کی ذمہ داری کے وقت سِن شریف تقریباً تینتیس سال تھا۔ ۱۹۴۷ء کا پُر آشوب دَور ہر طرف نفسی نفسی کا عالم شفیق اور مربّی چچا کی رحلت، ہر سو نگاہِ زخم کی یورشیں، ایسی حالت میں اتنی بڑی ذمہ داری صرف وہی اُٹھا سکتا ہے جس کی سیرت عین سیرتِ نبوی ہو۔ عالم نے دیکھ لیا کہ آپ نے اُس ذمہ داری کو اس حسن و خوبی سے اُٹھا لیا کہ آج نصف صدی گزرنے کے بعد اُس ابرِ رحمت کی فیض رسانیاں اُس مشعلِ ہدایت کی ضیا پاشیاں ایک عالم کو سیراب کر رہی ہیں اور دلوں کے تاریک نہاخانوں کو شمعِ فروزاں بنائے ہوئے ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جفاکشی پر نظر ڈالیے۔ صدقے ہو جائیے اُس سرورِ کائنات کے کہ وہ سرِ اقدس پر اینٹیں اور گارا ڈھو رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں ع
اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرَ الْاٰخِرَۃ اور حامی رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ حیدر قلندر کی جفاکشی پر نگاہ دوڑائیے کہیں آم کے پودوں کو بہنگے بھر بھر کر سینچتے نظر آرہے ہیں تو کہیں لُو اور دھوپ میں ٹیوب ویل میں مزدوروں کے ساتھ لگے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں خانقاہ شریفہ پر جاروب کشی فرماتے ہوئے، مریدین و مخلصین اور آیندو روند کے لیے اپنے پاک ہاتھوں سے غسل خانے اور بیت الخلا صاف کرتے ہوئے اور ان کے خورد و نوش کے انتظام کے غلہ کی وزنی بوریاں اُٹھاتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ جس سے متاثر ہو کر مولوی اصطفیٰ علی صاحب ایک طویل نظم فرماتے ہیں چند اشعار ناظرین کے ایدا ن کو جِلا بخشنے کے لیے ملاحظ ہوں۔ زمین ہے مُرادِ کشتِ دل کو لے لیجیے اور پانی کو فیضانِ عرفان گردانیے تا کہ لُطف دوبالا ہو جائے۔

بود بد حال و پریشاں ایں زمیں از تشنگی — گفت از سلطانِ دینم فاسقنی یا سیّدی
مصطفیٰ حیدر قلندر رسافیاں را قبلہ گاہ — از ترحّم دید سویش بانگاہِ حیدری
مجتبیٰ حیدر قلندر قوتِ بازوئے او — بر زمیں شد لطف فرما چوں بدید ایں عاجزی
. . . . آتشِ بادِ سموم — شُد نہ حائل مصطفیٰ را در رہِ مردانگی

بقول حضرت خواجہ حسن نظامیؒ ''یوں تو ہر شخص اپنے پیر کو بڑا کہتا ہے'' لیکن میں اپنے پیر و مرشد کا ایک مختصر خاکہ ناظرین باتمکین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ نگاہِ حق شناس سے دیکھیے تو کیا میرا پیر سب سے منفرد سب سے ممتاز نہیں؟

خدمت اقدس میں حاضری دیجیے اور انکسار و کتمان کو حد کمال پر دیکھ لیجیے۔ نہ حقائق و معارف کا بیان، نہ ہر وقت "قال اللہ" "قال الرسول" کی گردان، نہ اظہار مشیخت نہ تقشف لیکن ذرا چشم دل کو وا کیجیے تو مولینا ابوالحسن علی حسنی کی پیش کردہ اصحاب رسول کی تصویر "اَلْقُلُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَالْقَالِبُ بِشُغْلِهِمْ"

فیضان معرفت کے جلوے دیکھنا ہیں تو ایک نظر محفل سماع پر ڈال لیجیے۔ کم و بیش چالیس سال گزر گئے محفل سماع ہو رہی ہے اقلیم ولایت کا تاجدار ملک ہدایت کا خسرو نامدار مسند نشیں ہے۔ قوال گا رہا ہے ؎

اے خدا از عاشقاں خوشنود باد　　عاشقاں را عاقبت محمود باد

مولوی نظام الدین حیدر صاحب رح کو کیفیت ہو رہی ہے۔ بار بار اٹھ کر اُس روئے تاباں کی بلائیں لے رہے ہیں گویا صدقہ ہوئے جا رہے ہیں عجیب اضطراری کیفیت ہے پوری محفل پر سناٹا چھایا ہے ع

خراب مستی بنے ہوئے ہیں ہلاک مستی بنا رہے ہیں

شراب معرفت گویا اُبل رہی ہے اچھل رہی ہے۔ نور و مستی کا ایک سیلاب سا آیا ہے۔ بحر ناپیدا کنار محبت کی لہریں زبان حال سے کہہ رہی ہیں ؎

بیڑا اُسے کہیے کہ جو اور کو بیڑا لائے　　خود وار ہوا تو کیا اور پار ہوا تو کیا

یہ خان بہادر مولوی نظام الدین حیدر صاحب رح کون ہیں۔ شہریار اقلیم معرفت پیر و مرشد برحق کے عم محترم حضرت مولینا شاہ حبیب حیدر قلندر رض کے سب سے پہلے مرید جو رشتہ میں حضرت موصوف مدظلہ کے چچا عمر میں حضرت کے والد ماجد کے برابر۔

مولوی شمیم الدین صاحب علوی رح آپ کے جد امجد حضرت مولینا حافظ شاہ علی انور قلندر رح کے مرید صادق تین کاملین کے سجائے اور سنوارے رشتہ میں آپ کے خسر لیکن بات کرتے ہیں تو آنکھیں بند کر کے "خداوند" سے مخاطب کرتے ہوئے جن کا انداز غلامی دیکھ کر دور حضرت ابوبکر صدیق رض کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ مولوی اصطفیٰ علی صاحب کاظمی رح (والد بزرگوار عم محترم محمد ہادی علی صاحب) آپ کے قریبی چچا لیکن ایسے جاں نثار کہ جن کی جاں نثاری دیکھ کر خود بخود جان

نچھاور کردینے کو جی چاہنے لگے۔ جنھوں نے اپنی گود میں کھلائے ہوئے حضرت موصوف کی شان میں، اتنا نظم لیا کہ ایک ضخیم دیوان تیار ہو جائے۔ مولوی مرتضیٰ علی صاحب علوی (جد امجد برادر مکرم عمران عبدالرب صاحب) عمر میں حضرت کے والد ماجد کے برابر لیکن روئے مصطفوی کے ایسے عاشق کہ نظر پڑتے ہی کیفیت میں غرق ہو کر قہقہے لگانے لگیں۔ جنھوں نے مولوی صاحب موصوف کو دیکھا ہے وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ موصوف جب بھی روئے اقدس پر نظر ڈالتے تو ع دیوانہ ام قہقہہ زنم یارم اقہقہہ پسند کی مجسم تصویر نظر آتے اُن کے قہقہہ کی آواز سے بچوں کے بھی دل میں گدگدی پیدا ہونے لگتی جو حقیقتاً سوزِ محبت کی پہلی چنگاری کہلائے گی۔ مولوی محمد عاصم صاحب قیس کاکوروی آپ کے والد ماجد کے احباب میں سے ہیں لیکن سامنا ہوتے ہی بیخود اور از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر مولوی تقی احمد صاحب (والد بزرگوار برادر مکرم ڈاکٹر صفی احمد صاحب) رشتہ میں چچا عمر میں باپ کے برابر۔ خدمت اقدس میں حاضر ہونے کو ہیں۔ منزل ابھی دور ہے اُس روئے انور کی تابانیوں کے جلوے دلِ پُر شوق پر وار کرنے لگتے ہیں اور راستہ ہی سے جگر کے شعر کی تفسیر نظر آنے لگتے ہیں ؎

مست سرشار و غزل خواں می روم — از سرِ جاں سوئے جاناں می روم

اس جاں نثاری اور عشقبازی کا سبب کیا ہے؟ سیرتِ طیبۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدہ سے معلوم ہو جائے گا کہ شمع رسالت کے پروانے ان گنت ہیں کیونکہ اُس شمع فروزاں کے لیے نصِّ قطعی ہے نورٌ علیٰ نور۔

بارگاہِ مرشدی میں بصد عجز و نیاز عرض پرداز ہوں کہ اس حلقہ بگوشِ ازلی کی اندھی آنکھوں کو اب بینائی بخش دیں ؎

یا تو دل و دیدہ میں مرے آپ سما جا — یا پھر دل و دیدہ ہی کو ویرانہ بنا دے

قدر قدرت خداوند نعمت مرشدی و مولائی ملاذی و ملجائی حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر دام ظلہ العالی الیٰ مرور الایام واللیالی

قلم اٹھایا کہ اپنے مربی کا حال لکھوں، قلم خشک ہوگیا۔ ناگہاں جف القلم بما ھو کائن یاد آیا۔ ھو کی ضمیر جس طرف راجع ہے وہ سوچ کر دل میں جو فرحت و انبساط کی کیفیت پیدا ہوئی وہی کیفیت یہ چند سطریں لکھوا رہی ہیں الشکاری عند الناس معذور ون کو پیش نظر رکھیے اور اس عاصی کے کسی حرف کی گرفت نہ فرمایئے۔ ھو کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟ نورِ محمدی کی تخلیق ہوتی ہے اوّل ما خلق اللہ نوری کی روشنی میں نورِ محمدی حادث ترین اور قدیم ترین ٹھہرا۔ انا و علی من نورٍ واحدٍ کے ذریعہ دوئی میں یکتائی کی شان نظر آئی حدیث پاک "اگر تمام سمندر سیاہی ہو جائیں تمام درخت قلم، جن وانس لکھنے والے تو بھی علی کے فضائل نہیں لکھے جا سکتے" یعنی سمندر خشک ہو جائیں گے اور یہاں قلم خشک ہوگیا وہ قلم جس کے لیے ارشاد باری ہے " نٓ والقلم وما یسطرون " کیا اب بھی محتاج بیان ہے کہ ھو کی ضمیر کس طرف راجع ہے۔ ھو کی ضمیر یقیناً مولیٰ علی کی طرف راجع ہے تو کیوں نہ اُس ذاتِ گرامی کے ذکرِ جمیل سے فضائے دہر کو معطر کیا جائے جو صورت و سیرت میں مولائے کائنات ؑ کا وہ نقش جمیل ہے جسے صرف نگاہِ بینا ہی دیکھ سکتی ہے۔

بر سر بر کاظمی سلطاں منم　　　بر سمائے عاشقی تاباں منم

خداوند نعمت استاذی و مولائی کا ذکر جمیل مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں ان کے عم محترم منشی اصطفیٰ علی صاحب علوی (جنھیں دیکھ کر حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت ابوطالب کی یاد تازہ ہوتی تھی جو یوں تو سرورِ کائنات ؐ کے چچا تھے مگر ہمیشہ فداکَ اَبی و اُمّی کو حرزِ جان بنائے رہے) کے اس شعر کو اپنے سرنامہ کا عنوان بناؤں۔

حضرت موصوف ایسے سلطانِ عشق ہیں جو فرمانروائے عقل بھی ہے۔ جانشینانِ پیغمبرؐ کا ذکرِ خیر آئے اور حضرت موصوف کے ذکر سے میری زبان خاموش رہے جبکہ حضرت والا میرے

استاد، میرے مربی، میرے آقائے نعمت اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا وہ عکسِ جمیل، ہے جسے صرف دیکھنے والی آنکھیں ہی دیکھ سکتی ہیں اور ؎

آنکھوں سے فائدہ جو نہ دیدار ہو نصیب — حاصل جبیں سے کیا جو ترا آستاں نہ ہو

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی نصِ قطعی میرے قول کی مؤید ہے۔ حضرت موصوف مدظلہ العالی سے بصد ادب التماس ہے " وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ " اگر سوال کرنا گدا کا حق ہے تو قبولیتِ سوال اَسْتَجِبْ لَكُمْ کی شان۔

ذاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جس طرح ایک رفیق کی ضرورت تھی اور رفاقت محمدی کے لیے ازل سے جو ذات مقسوم ہوئی وہ تھی ذاتِ مرتضوی۔ میدانِ کارزار ہو یا مشرکینِ مکہ کے ہفوات کا منہ توڑ جواب دینا، ربِ تعالیٰ کی عبادت ہو یا بندگانِ خدا کی رُشد و ہدایت ہر جگہ، ہر صف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی اُن کے وصی، ان کے جانشین حضورِ انورؐ کے شانہ بہ شانہ نظر آتے ہیں وہ علی جن کے حق میں ارشاد ہے اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃ یعنی وہ عالم جب تمام دنیاوی رشتے منقطع ہو جائیں گے اُس وقت بھی میدانِ حشر میں علی قسیم النّار والجنّۃ کا تاج پہنے ہوئے اپنے آقا و مولیٰ محبوبِ دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے شانہ بہ شانہ نظر آئیں گے، منافقین کو حوضِ کوثر سے ہنکائیں گے اور مومنین کو کوثر کے جام لُنڈھائیں گے۔ بقول حضرت غوثِ ملت شاہ تراب علی قلندر نور اللہ ضریحہ الاطہر ؎

تراب البتہ تجھ کو واں ملیں گے جام کوثر کے — کہ تیرا جدِ اعلیٰ حیدرِ کرّار ساقی ہے

مصطفیٰ و مجتبیٰ حیدر یکیست — درمیاں شاں یک سرِ مو فرق نیست

نسبتِ مصطفوی سے اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیر و مرشد برحق حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر کو سرفراز فرمایا تو نسبتِ مرتضوی کو میرے ہادی و مرشد برحق حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر کے لیے مقسوم فرمایا۔ اہلِ دل اور اہلِ دنیا دونوں دیدہ معرفت اور ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ کے وصال کے بعد سے تقریباً باون سال کا عرصہ جس طرح ان دونوں حضرات نے گزارا کہ دونوں کے ذہنوں میں پنپنے والے خیالات ایک، دونوں کے سینوں میں دھڑکنے والے دل ایک اور

دونوں کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے الفاظ ایک۔ عَلِیٌّ مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ کی حقیقت کو اگر زندہ آنکھوں سے دیکھنا ہے تو ان حضرات کو دیکھ لیجیے کہ ع دیکھیں ماں دروؤ ایکی صورتیا عینِ ثابت کا اگر مشاہدہ کرنا ہے تو ان دونوں کو دیکھیے اور ایک کا تصور کیجیے۔ توحید وجودی اور توحید شہودی دونوں کے جلوے نظر آئیں گے۔

۱۹۴۷ء کا پُر آشوب دور تھا ہر سو نفرت کی آندھیاں اور تعصب کے اندھیرے تھے لیکن خانقاہ کاظمیہ کا آفتاب تاباں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا اُس آفتاب تاباں کا نام تھا حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر جن کا ظاہر اگر "سلونی عمّا شئتم" کی تفسیر تھا تو باطن یقیناً " لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً کی تعبیر۔ آفتابِ تاباں کی تابانیوں سے اہلِ زمین کو محروم کرنا مقصود نہ تھا بلکہ عرشِ اعلیٰ کو اُس کے جلوؤں سے نور بخشنا تھا چنانچہ ؎

رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش　　چوں رسید از ہا تفانش بوئے عرش

قدر قدرت خداوند نعمت حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ نے اس عالم آب و گل سے رشتۂ حیات منقطع فرمایا لیکن نظامِ قدرت ہے کہ غروبِ آفتاب ماہتاب کی ضیا بخشیوں کی نوید جانفزا لے کر آتا ہے لہٰذا ؎

اں شمس بگزشت از جہاں ایں شمس آمد ناگہاں

آں عینِ ایں ایں عینِ آں ھٰذا جنونُ العاشقیں

وہ بزرگ جنھوں نے حضرت حافظ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں دیکھی ہیں اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب قبلہ مدظلہ العالی کو حد درجہ مشابہت ہے اپنے ولی نعمت حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ سے۔ تلاوتِ کلام پاک ہو یا منصبِ امامت، چال ڈھال ہو یا بات کرنے کا انداز سب میں اُسی آئینہ ساز کے رُخ کی دمک ہے اور اس میں عجب کیا "بی یسمع و بی یبصر" کی حدیث پاک زبانِ احدیت سے اس حقیقت کو اپنے آپ منوا رہی ہے ؎

رنگ لایا ہے یہ ضبطِ اُلفتِ گیسوئے دوست　　آخر اپنے پیرہن سے پھوٹ نکلی بوئے دوست

حضور کے علم و فضل کو مجھ سے نہ پوچھیے بلکہ اُن طالبینِ حق کے دلوں سے پوچھیے جن کے

وسوسوں کو، جن کے خدشات کو حضرت حافظ صاحب قبلہ نے [illegible] یقین کی آخری منزل تک پہنچایا۔

یہ خاکسار اور برادر عزیز از جان و دل حافظ تقی انور گلستاں پڑھ رہے ہیں شعر آتا ہے ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار　　　　که پیدا نہ شد تختہ بر کنار

حضرت حافظ صاحب قبلہ مدظلہٗ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ حضور کی اُس وقت کی کیفیت سے ہم دونوں بھائیوں کے دلوں پر جو گزری زبانِ عاجز کوتاہ قلم کی طاقتِ رفتار سے ماورا۔ اُس تیرِ نیم کش کو بس ہمارے دل ہی جانتے ہیں۔ "گلشنِ راز" کے درس کے وقت، حقائق و معارف کے جو دریا بہتے تھے گویا فیضانِ الٰہی کی ایک بارش ہے جو زبانِ اقدس سے ہو رہی ہے۔ اُس وقت روئے انور پر نظر ڈالنے کی ہمت نہ ہوتی صرف کانوں میں آواز آتی۔ کاش معرفت کے یہ خزینے گوشِ حق نیوش سے سُنائی دیتے تاکہ نقش کالحجر ہو جاتے ؏

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہم دونوں بھائی بیٹھے ہوئے ہیں مثنوی مولٰنا رومؒ کا درس حافظ صاحب قبلہ دے رہے ہیں۔ مولوی عبدالشکور صاحب فاروقی کاکوروی کے صاحبزادے حکیم عبدالغنی صاحب بیٹھے ہیں۔ جب اس شعر پر پہنچتے ہیں ؎

عشقِ لیلیٰ نیست ایں کارِ من ست　　　　حُسنِ لیلیٰ عکسِ رُخسارِ من ست

تو حضرت حافظ صاحب قبلہ روحی و قلبی فداہ ایسی تشریح فرماتے ہیں کہ حکیم صاحب موصوف پر گریہ طاری ہو جاتا ہے عالمِ وارفتگی میں فرماتے ہیں "نجات کا راستہ صرف یہی ہے کہ آپ کا ہاتھ پکڑ لیا جائے" اس پر جس لطیف کنایہ سے اظہارِ انکساری فرماتے ہیں اس پر سوا صدقہ ہو جانے کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

اکابرین کے جو خطوط آتے ان کو ایسا شافی جواب بارگاہِ عالیہ سے عطا فرماتے کہ طالب آپ کے سرِ اقدس پر "سلونی عما شئتم" کا تاج دیکھ لیتا۔ اِسے اِخفا و کتمان کہیے یا عین ثابت کہ کبھی اپنا نام نہ تحریر فرمایا بلکہ اپنا نام لکھنا ہوا تو اکثر حسبِ عادت "احقر مصطفیٰ حیدر" لکھ دیا۔ پھر مسکرا کر فرمایا کہ اپنا نام بھی نہیں لکھا جاتا ؎

وظیفے سب چھٹے اِک نام تیرا　　دُعائے شام ہے وردِ سحر ہے

معرفتِ نفس حاصل کرنا ہے یا معرفتِ رب تو حضرت موصوف کی رسانہ ... رس، (جو حضرت مولانا شاہ محمد کاظم قلندرؒ کا ہندی کلام ہے) کی شرح ملاحظہ فرمایئے۔ حقیقت و معرفت کے ایسے ایسے رموز ہاتھ لگیں گے کہ آپ اصغر کی زبان میں کہہ اٹھیں گے ؎

ہاں وادیِ ایمن کے معلوم ہیں سب قصے　　موسیٰؑ نے فقط اپنا اک ذوقِ نظر دیکھا

"اَلنَّظَرُ عَلٰی وَجْہِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ" اس حدیث پاک کی معنویت پوچھنا ہے تو مولوی نعیم الدین صاحبؒ سے پوچھیے۔ میں اپنے بچپن سے دیکھتا کہ مولوی صاحب موصوف (جو خوش بختی سے میرے نانا تھے) جب حضرت سے بات کرتے تو مسلسل رُخ سے نظر نہ ہٹاتے۔ ایک بار مجھ سے خود فرمایا "حضرت حافظ صاحب قبلہؒ (شاہ علی حیدر قلندرؒ) کو مولائے کائنات کی زیارت جس شکل میں ہوئی وہ ہُو بہُو حافظ صاحب قبلہ مدظلہٗ کی شکل تھی ویسا ہی گول نورانی چہرہ اور گول سیاہ داڑھی" یہ بھی فرمایا کہ "ایک بار مجھ سے رہا نہ گیا میں نے حافظ صاحب پر یہ حقیقت منکشف کر دی اس کے فوراً بعد ہی حضرت نے داڑھی بڑھا لی تاکہ میرے ذہن سے یہ خیال نکل جائے"۔ یہ فرما کر بہت ہنسے ؎

مارا بہ غمزہ کُشت و قضا را بہانہ ساخت　　خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

خانقاہ کاظمیہ کی وسعت اُس کی مرجعیت اس کی تعمیر و تزئین، اتنے بڑے کارخانے کا نظم و نسق اِن سب سے آپ نے پیر و مرشد برحق کو یکسر فارغ رکھا۔ نہ صرف یہی بلکہ برادر عزیز ذکی الدین حسن علوی سہیل کاکوروی کے بقول "نفرت کے تیر برسے تو مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔ سب کچھ اپنے دل پر لے لیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ دل کا کیا ہوگا۔" اور اس میں تعجب کیا جب علیؑ بستر رسولؐ پر بے دھڑک سو رہتے ہیں کہ شمع رسالت فروزاں رہے تو کسی حضرت شیر خدا کا ہدفِ ملامت بننے میں کیا عجب ہے؟

دل ہدف پیکانِ مژگانت کُنم

جاں نثارِ تُرک چشمانت کُنم

ہم دونوں بھائیوں کے مُرید ہوتے وقت حافظ صاحب قبلہ مدظلہٗ نے دونوں کو حکم دیا تھا کہ "دعا مانگو کہ ابا (مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ) کی عمر اتنی ہو جتنی غوثِ ملت حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ کی ہوئی تھی۔ اُس وقت سے یہ عاصی پُرمعاصی دونوں حضرات کے

لیے یہی دعا مانگتا ہے اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ سے اِسی دُعا کا خواہاں ہے۔"استجب لکم" کا وعدہ قبولیت کا مژدہ سُنا رہا ہے ؎

اب بھی اگر قبول نہ ہو تو مرا نصیب
ٹکڑے اُڑے ہیں دل کے فلک تک دُعا کے ساتھ

آقا و مولائے دو جہاں سے یہ ننگِ خدام مرشدی بصد عجز و نیاز عرض پرداز ہے ؎

نصابِ حسن در حدِّ کمال ست
زکوٰتم دہ کہ مسکین و فقیرم

حلقہ بگوش ازلی عین الحید رحشرہ اللّٰہ فی زمرۃ موالی القنبر رضی

آٹھوں سلسلوں کے پیرانِ بزرگ کی تاریخِ ولادت و وفات و مدتِ عمر اور دفن ہونے کی جگہ کی فہرست

سلسلۂ عالیہ قلندریہ باسطیہ کاظمیہ

نمبر شمار	نام مبارک	سنہ و تاریخ ولادت	وفات	عمر	مدفن	اختلاف
۱	حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم	۱۲ ربیع الاول دوشنبہ بوقت طلوع صبح صادق کے بعد عام الفیل	۱۲ ربیع الاول دوشنبہ وقت چاشت ۱۱ھ	۶۳ سال	مدینہ منورہ	بقول محدثین ۲
۲	حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ	۱۳ رجب روز جمعہ خانۂ کعبہ	۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ شب دوشنبہ	۶۳ و ایک قول میں ۶۵ سال	نجف اشرف	بقولے روز جمعہ ۱۷ و بعضے ۲۳
۳	حضرت شیخ عبد العزیز مکی المعروف بہ عبد اللہ علمبردار قلندرؒ		۱۲ ذی الحجہ	۶۰۰ سال و بقولے اس سے زیادہ	پاک پٹن ملتان پاکستان	
۴	حضرت سید خضر رومی قلندرؒ	پانچویں صدی کا شروع	۱۸ رجب ۷۵۰ھ	۳۵۰ سال	وہ شہر جہاں خانجی شہید کا روضہ ہے	
۵	حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ	۶۳۷ھ	۲۰ ذی الحجہ ۸۳۷ھ	۲۰۰ سال	کوہ مانڈو مالوہ مدھیہ پردیش	

۶	حضرت شیخ قطب الدین بینادل قلندرؒ	۷۷۶ھ	۲۵ شعبان ۹۲۵ھ	۱۴۹ سال دوسرے قول میں ۲۰۰ سال	بیرون جیل جونپور	ایک قول میں ۸۸۰ھ
۷	حضرت شیخ محمد قطب قلندرؒ		۹ ذی قعدہ	۹۰ سال	جونپور	
۸	حضرت شاہ عبدالسلام قلندرؒ	۸۶۱ھ	۱۵ ذی قعدہ دوشنبہ ۹۷۶ھ	۱۱۵ سال سے زیادہ	جونپور	
۹	حضرت شاہ عبدالقدوس قلندرؒ	۹۴۲ھ	۱۲ شوال ۱۰۵۲ھ یکشنبہ	۱۱۰ سال سے زیادہ	جونپور	
۱۰	حضرت شاہ مجتبیٰ المعروف بشاہ مجا قلندرؒ	۱۰۲۱ھ	۱۵ ربیع الآخر ۱۰۸۴ھ	۶۳ سال	لاہرپور سیتاپور	
۱۱	حضرت شاہ فتح قلندرؒ		۲۲ شعبان ۱۱۱۸ھ		قلندرپور اعظم گڑھ	
۱۲	حضرت شاہ الہدیہ احمد قلندرؒ		۲۲ ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ		لاہرپور روضہ حضرت شاہ مجا قلندرؒ سیتاپور	
۱۳	حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ	۱۱۱۴ھ	۱۷ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ شنبہ	۸۲ سال	دمگڈھ الہ آباد	
۱۴	حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ	۱۷ رجب المرجب ۱۱۵۸ھ دوشنبہ	۲۰ ربیع الآخر ۱۲۲۱ھ شب چہار شنبہ	۶۳ سال	کاکوری خانقاہ کاظمیہ قلندریہ	
۱۵	حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ	۱۱۸۱ھ	۵ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ یک شنبہ	۹۴ سال	کاکوری	

۱۶	حضرت شاہ حیدر علی قلندرؒ	۸ر شعبان ۱۲۰۵ھ	۲۰ر شوال ۱۲۸۴ھ شب شنبہ	۷۹ سال	کاکوری
۱۷	حضرت شاہ تقی علی قلندرؒ	۱۷ر رجب ۱۲۱۳ھ	۱۷ر رجب ۱۲۹۰ھ چہار شنبہ	۷۷ سال	//
۱۸	حضرت شاہ علی اکبر قلندرؒ	۱۱ر ربیع الاول ۱۲۴۹ھ	۱۷ر رجب ۱۳۱۴ھ چہار شنبہ	۶۵ سال	//
۱۹	حضرت حافظ شاہ علی انور قلندرؒ	۱۱ر ربیع الآخر ۱۲۶۹ھ	۲۰ر محرم ۱۳۲۴ھ جمعہ	۵۴ سال	//
۲۰	حضرت شاہ حبیب حیدر قلندرؒ	۱۷ر شوال ۱۲۹۹ھ	۱۷ر ربیع الاول ۱۳۵۴ھ	۵۴ سال	//
۲۱	حضرت شاہ تقی حیدر قلندرؒ	۲۶ر شوال ۱۳۰۸ھ پنجشنبہ	۱۹ر ربیع الاول ۱۳۵۹ھ شنبہ	۵۰ سال	//
۲۲	حضرت حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ	یکم شعبان ۱۳۱۱ھ	۱۷ر رمضان ۱۳۶۶ھ دوشنبہ	۵۵ سال	//
۲۳	حضرت شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی	۱۹ر محرم ۱۳۴۲ھ			
۲۴	حضرت حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی	۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ	–		

سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ

حضرت امام حسینؓ	۴ر شعبان یا ۵ر شعبان ۴ھ	۱۰ر محرم ۶۱ھ شنبہ	۵۶ یا ۵۷ سال	کربلائے معلیٰ عراق	بعض کے نزدیک ۶۰ھ

نمبر	نام	ولادت	وصال	عمر	مزار	کیفیت
۲	حضرت امام زین العابدین رضؓ	۵ر شعبان ۳۳ھ شنبہ۔ یا ۳۸ھ	۱۸ر محرم ۹۴ھ	۶۱ سال یا ۵۶ سال	جنت البقیع مدینہ طیبہ	بعض کے نزدیک ۹۳ھ یا ۹۵ھ
۳	حضرت امام محمد باقر رضؓ	۳ر صفر ۵۷ھ جمعہ	ربیع الاول ۱۱۳ھ	۵۷، ۵۲ ۶۰ یا ۷۳ سال	جنت البقیع	بعض کے نزدیک ۱۱۴ھ اور ۱۲۵ ہجری
۴	حضرت امام جعفر صادق رضؓ	۱۷ر ربیع الاول ۸۳ھ یا ۸۰ھ	۱۵ر رجب ۱۴۸ھ دوشنبہ	۶۸ یا ۶۵ سال	″	بعض کے نزدیک ۱۲ر شوال
۵	حضرت امام موسیٰ کاظم رضؓ	۷ر صفر ۱۰۹ھ یا ۱۲۹ھ	۲۴ر صفر ۱۸۳ھ	۵۴ یا ۵۵ سال	بغداد شریف	۵ یا ۱۵ر رجب ۱۶۳ھ
۶	حضرت امام علی موسیٰ رضا	۱۱ر ربیع الآخر ۱۵۳ھ پنجشنبہ	۲۱ر رمضان ۲۰۸ھ	۵۵ سال	طوس کے مضافات میں مشہد مقدس (ایران)	۲۰۳ھ
۷	حضرت خواجہ معروف کرخی رحؒ		۲ر محرم ۲۰۰ھ		بغداد شریف	بعض کے نزدیک ۲۰۰ر، ۲۰۱ و ۱۶۵ھ
۸	حضرت خواجہ سری سقطی رحؒ		۲ر رمضان المبارک ۲۵۳ھ سہ شنبہ		بغداد شریف	بعض کے نزدیک ۲۹، ۳۰ر رجب ۲۵۰ھ
۹	حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی رحؒ		۲۷ر رجب ۲۹۷ھ شنبہ		″	بعض کے نزدیک ۶ اور ۲۹۹ھ
۱۰	حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحؒ	۲۴۶ ہجری	۲۷ر ذی الحجہ ۳۳۴ھ	۸۸ سال	″	بعض کے نزدیک ۱۰ اور ۳۴۲ھ
۱۱	حضرت شیخ عبدالعزیز تمیمی					

۱۲	حضرت شیخ ابو الفضل عبد الواحد تمیمیؒ		۵ رجمادی الثانی ۴۲۵ھ		بغداد شریف مقبرہ امام احمد بن حنبلؒ	بعض کے نزدیک ۴۲۶ھ
۱۳	حضرت شیخ ابو الفرج یوسف طرطوسیؒ	۳ رشعبان ۴۴۷ھ			طرطوس	
۱۴	حضرت شیخ ابو الحسن علی ہکاریؒ	۴۰۹ھ	ماہ محرم ۴۸۶ھ	۷۷ سال	ہکار	بعض کے نزدیک ۴۸۰ھ یا ۴۸۵ھ
۱۵	حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومیؒ		محرم ۵۱۳ھ		بغداد شریف	بعض کے نزدیک ۵۰۸ھ
۱۶	حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ	پہلی شب رمضان ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ	۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ	۹۰ سال یا ۹۱ سال	بغداد شریف	بعض کے نزدیک ۹، یا ۱۷ ربیع الثانی ۵۶۲ھ
۱۷	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	رجب ۵۳۹ھ	یکم محرم ۶۳۲ھ	۹۳ سال	"	
۱۸	حضرت سید نور الدین مبارک غزنویؒ		۱۳ ربیع الثانی ۶۴۷ھ		مہرولی دہلی	بعض کے نزدیک ۶۳۲ھ
۱۹	حضرت سید نظام الدین غزنویؒ					
۲۰	حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ	۶۳۷ھ	۲۰ ذی الحجہ ۸۳۷ھ	۲۰۰ سال	کوہ مانڈو مالوہ مدھیہ پردیش	

سلسلۂ عالیہ چشتیہ

۱	حضرت خواجہ حسن بصریؒ	۲۱ھ	یکم رجب ۱۱۰ھ سہ شنبہ	۸۹ سال	بصرہ	بعض کے نزدیک ۴، ۵ محرم ۱۱۱ھ
۲	حضرت خواجہ عبدالواحد زیدؒ		۲۷ر صفر ۱۷۷ھ پنجشنبہ		بصرہ	بعض کے نزدیک ۱۷۶ھ
۳	حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ	۱۰۷ھ	۳ر ربیع الاول ۱۸۷ھ	۸۰ سال	مکہ معظمہ	بعض کے نزدیک ۲۷ر محرم
۴	حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ		یکم شوال ۲۸۰ھ		بلخ و بعض کے نزدیک شام	۲ر جمادی الاول ۱۶۱ھ، ۱۶۲ھ
۵	حضرت خواجہ حذیفہ المرعشیؒ		۱۴ر شوال ۲۵۲ھ		مرعش	۲۴ر یا ۲۵ر شوال ۲۷۶ھ
۶	حضرت خواجہ ہبیرۃ البصریؒ	۱۶۷ھ	۷ر شوال ۲۸۷ھ	۱۲۰ سال	بصرہ	بعض کے نزدیک ۱۸ر شوال
۷	حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ		۱۴ر محرم ۲۹۹ھ چہارشنبہ		دینور	۲۴ر محرم
۸	حضرت خواجہ ابواسحٰق چشتیؒ		۱۴ر ربیع الثانی ۳۴۳ھ		عکہ	بعض کے نزدیک ۳۲۹ھ
۹	حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ	۲ر جمادی الثانی یا ۱۴ر رمضان ۲۶۰ھ	یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ	۹۵ سال	چشت	بعض کے نزدیک ۱۰ر جمادی الثانی
۱۰	حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ	شب عاشورہ ۳۵۱ھ	یکم رجب ۴۲۱ھ	۷۰ سال	؍؍	۱۴ر ربیع الثانی یا یکم جمادی الثانی ۴۱۱ھ

۱۱	حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رح	۳۷۵ھ	۴ ربیع الثانی ۴۵۹ھ	۸۴ سال	چشت	بعض کے نزدیک ۳ رجب یا ۲۴ ربیع الثانی
۱۲	حضرت خواجہ مودود چشتی رح	۴۳۰ھ	یکم رجب ۵۲۷ھ	۹۷ سال	"	
۱۳	حضرت حاجی شریف زندنی رح	۴۹۲ھ	۱۳ رجب ۶۱۲ھ	۱۲۰ سال	زندنہ بخارا	۳ رجب یا ۹ رجب
۱۴	حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح	۵۲۶ھ	۱۷ شوال ۶۱۷ھ	۹۱ سال	مکہ معظمہ	۵، ۱۲ یا ۶ شوال
۱۵	حضرت خواجہ معین الدین سجزی چشتی رح	۵۳۷ھ	۶ رجب ۶۳۳ھ دوشنبہ	۹۷ اور دوسرے قول کے اعتبار سے ۱۰۷ سال	اجمیر شریف	بعض کے نزدیک ۶۳۲ھ یا ۶۲۷ھ
۱۶	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح		۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ	۵۲، ۵۰ سال	مہرولی شریف دہلی	بعض کے نزدیک ۶۳۳ھ
۱۷	حضرت سید خضر رومی قلندر رح	پانچویں صدی کا شروع	۱۸ رجب ۵۷۰ھ	۳۵۰ سال	وہ شہر جہاں خانجی شہید کا روضہ ہے	

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ۔ حضرت قطب الدین بینا دل قلندر رح کے بعد

۱۔	حضرت شمس الدین بڈھن	۷۷۴ھ	۸۷۴ھ	۱۰۰ سال سے زیادہ	ظفرآباد متعلقہ جونپور روضہ مخدوم چراغ ہند رح

۲	حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح مسکین رح		۹ محرم ۷۹۶ھ		ظفرآباد متعلقہ جونپور روضہ مخدوم چراغ ہند رح	بعض کے نزدیک ۷۸۴ ہجری
۳	حضرت شیخ صدرالدین حاجی چراغ ہند رح	۷۰۵ھ	۸ ذی قعدہ ۷۷۴ھ	۶۵ سال	شیخواڑہ ظفرآباد جونپور	بعض کے نزدیک ۷۹ھ،۷۹۵ھ
۴	حضرت شیخ رکن الدین رکن عالم ابوالفتح ملتانی رح	۶۴۷ھ جمعہ	۹ جمادی الاول ۶۳۵ھ پنجشنبہ	۸۸ سال	ملتان	بعض کے نزدیک
۵	حضرت شیخ صدرالدین عارف رح	۶۱۱ھ شب جمعہ	۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ سہ شنبہ	۷۲ سال	ملتان	۱۶ رجب بعض کے نزدیک ۷۷۶ھ
۶	حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رح	شب جمعہ رمضان المبارک ۵۶۶ھ یا ۵۷۸ھ	۷ صفر ۶۶۶ھ پنجشنبہ	۱۰۰ سال یا ۸۸ سال	ملتان	بعض کے نزدیک ۷ صفر ۶۶۱ھ
۷	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح	رجب ۵۳۹ھ	یکم محرم ۶۳۲ھ	۹۳ سال	بغداد شریف	
۸	حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رح		۱۲ جمادی الثانی ۵۶۳ھ شب شنبہ		//	بعض کے نزدیک شب پنجشنبہ ۱۰ رجب ۵۰۶ھ یا ۱۰ رمضان
۹	حضرت شیخ وجیہ الدین ابوحفص سہروردی رح		۲۷ شعبان سہ شنبہ ۵۶۶ھ		//	
۱۰	حضرت شیخ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عمویہ رح		رجب ۳۷۳ھ			

۱۱	حضرت شیخ احمد اسود دینوری رح		ذی الحجہ ۳۶۷ھ		سمرقند	بعض کے نزدیک ۲۷ محرم ۳۴۰ھ

حضرت سید خضر رومی قلندر رح کے بعد سلسلۂ عالیہ طیفوریہ

۱	حضرت میر جمال الدین مجرد ساوجی رح				نائین درمیان یزد و اردستان	
۲	حضرت طیفور شامی عرف بایزید بسطامی رح	۱۳۶ھ	۱۵ شعبان ۲۶۱ھ جمعہ	۱۲۵ سال	بسطام	۲۳۴ھ ۱۴ شعبان یا ۱۱ یا ۱۷۔

حضرت قطب الدین بینا دل قلندر رح کے بعد سلسلۂ عالیہ فردوسیہ

۱	حضرت شیخ حسین بن معز شمس البلخی معروف بہ نوشۂ توحید رح	۷۵۴ھ	۸۶۹ھ	۱۱۵ سال	بہار	
۲	حضرت شیخ مظفر شمس البلخی رح		۲۷ جمادی الاول ۷۸۸ھ		عدن	
۳	حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رح	شعبان ۶۶۱ھ جمعہ	۶ شوال ۷۸۲ھ	۱۲۱ سال	بہار	
۴	حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی رح		۱۷ جمادی الاول ۷۳۳ھ		دہلی حوض شمسی مہرولی	۱۳ محرم

۵	حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی رح		۱۴ر شوال ۲۵۲ھ		مرعش	۱۴ یا ۱۵ شوال ۲۷۶ھ
۶	حضرت خواجہ ہبیرۃ البصری رح	۱۶۷ھ	۷ر شوال ۲۸۷ھ	۱۲۰ سال	بصرہ	۱۸ر شوال
۷	حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری		۱۴ر محرم ۲۹۱ھ چہار شنبہ		دینور	۱۴ر محرم ۲۹۸ھ
۸	حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی		۱۴ر ربیع الثانی ۳۲۹ھ		عکہ	۳۲۹ھ
۹	حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رح	۳ر جمادی الثانی یا ۶ر رمضان ۲۶۰ھ	یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ	۹۵ سال	چشت	بعض کے نزدیک ۱۰ر جمادی الثانی
۱۰	حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رح	شب عاشورہ ۳۵۱ھ	یکم رجب ۴۲۱ھ	۷۰ سال	//	بعض کے نزدیک ۴ر ربیع الثانی و یکم جمادی الثانی ۴۲۱ھ
۱۱	حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رح	۳۷۵ھ	۴ر ربیع الثانی ۴۵۹ھ	۸۴ سال	//	۳ر رجب و ۲۶ر ربیع الثانی
۱۲	حضرت خواجہ مودود چشتی رح	۴۳۰ھ	یکم رجب ۵۲۷ھ	۹۷ سال	//	
۱۳	حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رح	۴۹۲ھ	۱۰ر رجب ۶۱۲ھ	۱۲۰ سال	زندنہ بخارا	بعض کے نزدیک ۳ر رجب یا ۹
۱۴	حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح	۵۲۶ھ	۱۷ر شوال ۶۱۷ھ	۹۱ سال	مکہ معظمہ	۵، ۱۶ یا ۱۷ ماہ شوال
۱۵	حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح	۵۳۷ھ	۶ر رجب ۶۳۳ھ دوشنبہ	۹۷ سال یا ۱۰۷ سال	اجمیر شریف	۶۳۲ھ یا ۶۳۷ھ
۱۶	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح		۱۲ر ربیع الاول ۶۳۴ھ	۵۰ یا ۵۲ سال	مہرولی شریف دہلی	۶۳۳ھ

۱۷	حضرت سید خضر رومی قلندرؒ	پانچویں صدی کی ابتدا	۱۸ رجب ۵۰۰ھ	۳۵۰ سال	جہاں خانچی شہید کا روضہ ہے	

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ۔ حضرت قطب الدین بینا دل قلندرؒ کے بعد

۱	حضرت شمس الدین بڈھنؒ	۷۷۴ھ	۸۷۴ھ	۱۰۰ سال سے زائد	ظفرآباد۔ جونپور روضۂ مخدوم چراغ ہند	
۲	حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح مسکینؒ		۹ محرم ۷۹۶ھ		〃	بعض کے نزدیک ۸۷۴ھ
۳	حضرت شیخ صدر الدین حاجی چراغ ہندؒ	۷۰۵ھ	۸ ذی قعدہ ۷۷۴ھ	۶۵ سال	ظفرآباد محلہ شیخواڑہ	بعض کے نزدیک ۷۹۰ھ یا ۷۹۵ھ
۴	حضرت شیخ رکن الدین رکن عالم ابوالفتح ملتانیؒ	۶۴۷ھ جمعہ	۹ جمادی الاول ۷۳۵ھ پنجشنبہ	۸۸ سال	ملتان	
۵	حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ	شب جمعہ ۶۱۱ھ	۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ سہ شنبہ	۷۳ سال	〃	بعض کے نزدیک ۶۶۷ھ
۶	حضرت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ	شب جمعہ۔ رمضان المبارک ۵۶۶ھ یا ۵۷۸ھ	۷ صفر ۶۶۶ھ پنجشنبہ	۱۰۰ سال یا ۸۸ سال	ملتان حصار قدیم	۷ صفر ۶۶۱ھ
۷	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ		(اوپر گزر چکا ہے)			
۸	حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ		۱۲ جمادی الآخر ۵۶۳ھ شب شنبہ		بغداد شریف	شب پنجشنبہ ۱۰ رجب ۵۰۶ھ و ۱۰ رمضان

۹	حضرت شیخ وجیہ الدین ابو حفص سہروردی رح		۲۷ شعبان سہ شنبہ ۵۶۶ھ		بغداد شریف	
۱۰	حضرت شیخ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ رح		ماہ رجب ۳۴۳ھ			
۱۱	حضرت شیخ احمد اسود دینوری رح [۱]		ذی الحجہ ۳۶۷ھ		سمرقند	۲۷ محرم ۳۴۰ھ

سلسلۂ عالیہ طیفوریہ بعد حضرت سید خضر رومی قلندر رح

۱	حضرت میر جمال الدین مجرد ساوجی رح				نائن میان یزد و اردستان	
۲	حضرت طیفور شامی عرف ابو یزید بسطامی رح [۲]	۱۳۶ھ	۱۵ شعبان ۲۶۱ھ جمعہ	۱۲۵ سال	بسطام	۲۳۴ھ و ۱۴ شعبان و ۱۱ و ۱۷

سلسلۂ عالیہ فردوسیہ بعد حضرت قطب الدین بینادل قلندر رح

۱	حضرت شیخ حسین بن معز شمس البلخی معروف بہ نوشۂ توحید رح	۷۵۴ھ	۸۶۹ھ	۱۱۵ سال	بہار	

۱ے آپ کو حضرت ممشاد علو دینوری رح سے ان کو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رح سے آخر تک

۲ے ان کو حضرت امام جعفر صادق رض سے اور ان کو اپنے اجداد کرام سے جیسا کہ سلسلہ قادریہ میں گزر چکا ہے۔

۲	حضرت شیخ مظفر شمس البلخی رح		۲۷ر جمادی الاول ۷۸۸ھ		عدن	
۳	حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رح	ماہ شعبان روز جمعہ ۶۶۱ھ	۶ر شوال ۷۸۲ھ	۱۲۱ سال	بہار	
۴	حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی رح		۷ر جمادی الاول ۷۳۳ھ		دہلی حوض شمسی	۱۳ر محرم
۵	حضرت شیخ رکن الدین فردوسی رح		۲۵ر جمادی الاول ۷۲۴ھ		دہلی	
۶	حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی رح		۷۱۶ھ		سنگولہ	
۷	حضرت شیخ سیف الدین باخرزی رح	۵۸۵ھ	۱۳ر شعبان ۶۵۶ھ چہار شنبہ	۷۳ سال	بخارا	
۸	حضرت شیخ نجم الدین[1] کبرے		۱۰ر جمادی الاول ۶۱۸ھ		خوارزم در خانقاہ خود	شنبہ ۹ر رمضان و ۲۹ر ذی الحجہ

سلسلۂ عالیہ مداریہ بعد حضرت قطب الدین بینا دل قلندر رح

۱	حضرت حاجی بدھن رح					
۲	حضرت شیخ ابوالفتح سرمست رح		۹۴۲ھ			
۳	حضرت شیخ قاضن رح		۳ر صفر ۸۹۲ھ		جونپور	
۴	حضرت مولانا حسام الدین سلامتی رح		۹ر ربیع الاول ۸۴۶ھ		″	

---

[1] ان کو حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی سے آخر تک جیساکہ سلسلہ سہروردیہ میں گزر چکا ہے۔

۵	حضرت شیخ بدیع الدین قطب المدار رح	۲۱۵ھ وبقولے یکم شوال ۲۴۲ھ وقت صبح روز دوشنبہ	۸ رجمادی الاول روز پنجشنبہ ۸۴۰ھ	۲۲۵ سال	مکن پور از توابع قنوج	نزد بعضے ۱۷ رماہ مذکور
۶	حضرت طیفور شامی رح					
۷	حضرت شیخ امین الدین شامی رح		۱۹ رصفر چہار شنبہ ۷۰۱ھ		بغداد شریف	
۸	حضرت شیخ عبدالعزیز مکی المعروف بعبداللہ علمبردار قلندر رح					
۹	حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ	۲ سال چار ماہ بعد از واقعۂ فیل	۱۲ رجمادی الآخر ۱۳ھ شب سہ شنبہ	۶۳ و بقولے ۶۵ سال	مدینۂ منورہ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	آخر روز دوشنبہ ۲۲ رماہ مذکور

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ بعد حضرت شاہ محمد کاظم قلندر رح

۱	حضرت مولوی احمدی رح				کرسی ضلع بارہ بنکی	
۲	حضرت سید محمد عدل المعروف بشاہ لعل بریلوی رح		۱۱ ر رمضان المبارک ۱۱۹۲ھ		رائے بریلی تکیہ شاہ علیم اللہ	
۳	حضرت سید محمد رح	۱۰۷۲ھ	۲۴ ربیع الآخر دوشنبہ ۱۱۵۶ھ	۸۴ سال	رائے بریلی تکیہ شاہ علم اللہ	
۴	حضرت سید شاہ علم اللہ رح	۱۰۳۳ھ	۸ ر ذی الحجہ ۱۰۹۶ھ	۶۳ سال	رائے بریلی	۹ ر ذی الحجہ و ۱۰۸۱ھ

۵	حضرت سید آدم بنّوری رح		۱۳ر شوال ۱۰۵۳ھ		جنت البقیع مدینہ منورہ	
۶	حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح	۹۷۱ھ	۲۸ر صفر ۱۰۳۴ھ سہ شنبہ	۶۳ سال	سرہند	
۷	حضرت خواجہ باقی باللہ رح	۹۷۲ھ	۲۵ر جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ	۴۰ سال	دہلی متصل قدم رسولؐ	
۸	حضرت خواجہ محمد الامکنگی رح	۹۱۸ھ	۲۲ر شعبان ۱۰۰۸ھ	۹۰ سال	امکنک من مضافات سمرقند	
۹	حضرت مولانا درویش محمد رح		۱۹ محرم ۹۸۵ھ		اسفرار	۹۷۰ھ
۱۰	حضرت مولانا محمد زاہد رح		یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ		وخش	
۱۱	حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رح	ماہ رمضان ۸۰۶ھ	۲۹ر ربیع الاول شب شنبہ ۸۹۵ھ	۹۰ سال	سمرقند	
۱۲	حضرت مولانا یعقوب چرخی رح		۵ر صفر ۸۰۱ھ		ملغنون من مضافات حصار	
۱۳	حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رح	محرم ۷۱۸ھ وبقولے ۷۲۸ھ	۳ر ربیع الاول شب دوشنبہ ۷۹۱ھ	۷۳ وبقولے ۶۳ سال	قصر عارفان من مضافات بخارا	
۱۴	حضرت سید امیر کلال رح		۸ر جمادی الاول پنجشنبہ ۷۷۲ھ		سوخار من مضافات بخارا	۱۱ و ۱۵ جمادی الآخر
۱۵	حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رح		۱۰ر جمادی الآخر ۷۵۵ھ		سماسی من مضافات بخارا	
۱۶	حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رح	۵۸۸ھ	۲۷ر رمضان المبارک ۷۱۸ھ	۱۳۰ سال	خوارزم	۲۸ر ذیقعدہ ۷۲۱ھ و ۷۱۵ھ

۱۷	حضرت خواجہ محمود الخیر فغنوی رح		۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ		بخارا	۷۱۷ھ
۱۸	حضرت خواجہ عارف ریوگری رح		یکم شوال ۷۱۵ھ چہار شنبہ		ریوگر	
۱۹	حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رح		۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ دوشنبہ		غجدوان	
۲۰	حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رح	۴۴۰ھ	۲۷ رجب ۵۳۵ھ	۹۵ سال	مرو	یکم صفر
۲۱	حضرت خواجہ ابو علی فارمدی رح	۴۳۴ھ	۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ	۴۳ سال	طوس	
۲۲	حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی رح	۳۵۲ھ	۱۰ محرم ۴۲۵ھ	۷۳ سال	خرقان	۱۵ رمضان ۴۲۴ھ
۲۳	حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رح		بالا گذشت			
۲۴	حضرت امام جعفر صادق رض		بالا گذشت			
۲۵	حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رض	۳۰ھ	۲۴ جمادی الاول ۱۰۷ھ	۷۶ و بقولے ۷۲ نزد بعضے ۱۰۰ سال	مدینہ منورہ	۱۰۸ و ۱۰۲ھ و ۱۰۶ھ و ۱۱۲ھ
۲۶	حضرت سلمان فارسی رض		۱۰ رجب ۳۳ھ	۱۵۰ و بقولے ۳۵۰ و ۲۵۰	مدائن	۱۷ جمادی الآخر ۳۵۰ھ
۲۷	حضرت امیر المومنین سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ		(اوپر گزر چکا ہے)			

جدول دیگر مشتملبر سنین ولادت و وفات و مدت عمر و مدفن حضرات قلندران عظام کہ جن کے اسمائے گرامی اس کتاب اور ضمیمہ میں ضمناً آئے ہیں

						کیفیت
۱	حضرت شاہ بوعلی قلندر رح		۱۲ رمضان پنجشنبہ ۷۲۴ھ		پانی پت	
۲	حضرت شاہ نصیر الحق قلندر رح		۲۵ جمادی الاول ۹۱۵ھ وبقولے ۱۰۵ھ		نیگو ضلع جونپور	خلفائے حضرت شاہ قطب الدین بینادل قلندر رح جونپوری
۳	حضرت شاہ نور الحق قلندر رح		۲۲ صفر ۹۶۳ھ		سرہرپور	
۴	حضرت شاہ عبدالرحمٰن جانباز قلندر رح	۸۶۱ھ	۱۲ ذی الحجہ ۹۷۶ھ	تقریباً ۱۱۵ سال	لاہرپور من مضافات سیتاپور	خلفائے حضرت شاہ عبدالسلام قلندر رح جونپوری
۵	حضرت شاہ محمود قلندر رح		۱۲ شعبان ۹۸۶ھ		لکھنؤ بنگالی باغ	
۶	حضرت شاہ محمد ماہ قلندر رح	۱۰۲۰ھ	۲۶ رمضان دوشنبہ ۱۱۴۰ھ	تقریباً ۱۲۰ سال	بڑگانوں متعلق الہ آباد	خلفائے حضرت شاہ مجتبیٰ المعروف بہ شاہ بھیکا قلندر رح الہ آبادی
۷	حضرت شاہ یوسف قلندر رح		۱۳ ذیقعدہ چہارشنبہ ۱۱۰۶ھ		امیٹھی ضلع لکھنؤ	
۸	حضرت شاہ ابونجیب قلندر رح		۲۸ جمادی الآخر وبقولے ۲۶ ذیقعدہ		امیٹھی ضلع لکھنؤ	
۹	حضرت قاضی محمد مینا قلندر رح	۱۰۳۳ھ	۱۴ ربیع الآخر روز یک شنبہ ۱۱۲۹ھ	تقریباً ۹۶ سال	مہونہ ضلع لکھنؤ	

						کیفیت
۱۰	حضرت قاضی محمد تقی قلندرؒ	سنہ ۱۰۷۲ھ	۷؍ ذی الحجہ روز شنبہ ۱۱۶۶ھ	تقریباً ۹۴ سال	مہونہ ضلع لکھنؤ	
۱۱	حضرت شاہ آصف قلندرؒ		۱۱۴۲ھ		قلندر پور از توابع اعظم گڑھ	خلیفہ حضرت شاہ فتح قلندر قدس سرہٗ
۱۲	حضرت شاہ بہاء اللہ قلندرؒ		۷؍ رمضان المبارک		؍؍	خلف رشید حضرت شاہ فتح قلندر قدس سرہٗ
۱۳	حضرت سید محمد واصل عرف شاہنشاہ قلندرؒ		۳؍ ذی الحجہ روز پنجشنبہ ۱۱۶۸ھ		دمگڑھ متعلقہ الہ آباد	برادر خرد و خلیفہ حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ
۱۴	حضرت شاہ عبد الرحمٰن قلندر ثانیؒ		۲۵؍ محرم ۱۱۹۹ھ		لاہر پور	خلف و خلیفہ حضرت شاہ الہدیہ احمد قلندر قدس سرہٗ
۱۵	حضرت شاہ مسعود علی قلندرؒ	۲۳؍ محرم روز یکشنبہ ۱۱۶۵ھ	۲۵؍ جمادی الاول دوشنبہ ۱۲۲۱ھ	۵۶ سال	دمگڑھ	خلف و خلیفہ حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ و پیر بیعت و خرقہ حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ
۱۶	حضرت شاہ عبد اللہ قلندرؒ		۱۷؍ ذیقعدہ ۱۲۲۵ھ		لاہر پور	ان سے اجازت و خلافت ساتوں سلسلوں کی حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ کو پہنچی۔
۱۷	حضرت شاہ خدا بخش قلندرؒ		۱۹؍ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ		دمگڑھ در روضہ والد ماجد خود	خلف اصغر و خلیفہ حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ ان سے بھی نیز اجازت و خلافت سلاسل بحضرت شاہ تراب علی قلندرؒ پہنچی۔
۱۸	حضرت شاہ بخشش علی قلندرؒ		۱۱؍ شوال ۱۲۶۸ھ		بڑگانوں	خلف و خلیفہ حضرت شاہ خدا بخش قلندرؒ
۱۹	حضرت شاہ علی مظہر قلندرؒ	سنہ ۱۱۹۰ھ	۲۰؍ رجب چہارشنبہ ۱۲۶۹ھ	تقریباً ۷۹ سال	بڑگانوں	آپ پیر بیعت و اجازت و خلافت حضرت شاہ حیدر علی قلندرؒ کاکوروی تھے۔
۲۰	حضرت شاہ سلطان مہدی قلندرؒ		۱۲؍ جمادی الآخر		لاہر پور	

						کیفیت
۲۱	حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ غلام حضرت قلندرؒ		۱۵ر جمادی الآخر	۲۵ سال	لاہرپور	
۲۲	حضرت شاہ میر محمد قلندرؒ	۵ر رجب المرجب ۱۱۶۴ھ	۸ر جمادی الاول دوشنبہ ۱۲۴۴ھ	۸۰ سال	کاکوری تکیہ شریف اندرون روضہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ	برادر خرد و خلیفہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ کاکوروی تھے۔
۲۳	حضرت مولانا شاہ حمایت علی قلندرؒ	۱۱۸۵ھ	۲۵ر رجب روز جمعہ ۱۲۲۶ھ	۴۱ سال	〃	آپ خلف رشید و خلیفہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ کاکوروی تھے۔
۲۴	حضرت شاہ رکن الدین قلندرؒ	غرہ محرم الحرام ۱۲۲۴ھ	۹ر شعبان شنبہ ۱۳۰۶ھ	تقریباً ۶۲ سال	لاہرپور	آپ حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندرؒ کاکوروی کے خلیفہ تھے۔
۲۵	حضرت شاہ محمد اسمٰعیل قلندرؒ	۹ر شعبان ۱۲۷۷ھ	۱۲ر شعبان چہارشنبہ ۱۳۲۶ھ	۴۹ سال	〃	
۲۶	حضرت شاہ ولایت احمد قلندرؒ	۸ر جمادی الاول ۱۲۹۹ھ	۱۵ر شوال ۱۳۷۶ھ	۷۷ سال	〃	آپ حضرت شاہ علی انور قلندرؒ کے خلیفہ تھے۔